الکتاب

آیات بیّنات

جاء عیسیٰ بالبیّنات

حصہ چہارم

فَهَلْ يَنْظُرُونَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ اَشْرَاطُهَا

احمد عیسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وخاتم النبیّن

کسر الصلیب

عیسیٰ ابن مریم وابن مریم کی مثل عیسیٰ یعنی عیسیٰ ابن مریم اور احمد عیسیٰ

خودکوامت محمد یا امت مسلمہ کہلوانے والوں کی اکثریت کا نہ صرف کہنا ہے بلکہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ ابن مریم جنہیں بنی اسرائیل کے آخر میں ان کی طرف بھیجا گیا تھا ان کی ابھی تک موت نہیں ہوئی وہ زندہ ہیں۔ کائنات الگ ہے اور اللہ کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر ہے اور عیسیٰ ابن مریم زندہ اوپر آسمانوں میں اللہ کے پاس موجود ہیں اللہ انہیں الساعت کے قائم ہونے سے پہلے دوبارہ دنیا میں بھیجے گا یوں عیسیٰ ابن مریم الساعت سے قبل زندہ آسمان سے نیچے اتریں گے۔ یہ عقیدہ ونظریہ اس قدر شدت کیساتھ پایا جاتا ہے کہ جو بھی اس عقیدے سے انحراف کرے اسے مرتد تصور کیا جاتا ہے اور پھر یہ بھی عقیدہ پایا جاتا ہے کہ مرتد کی سزا موت ہے یعنی کسی کو بھی اس بات کی اجازت نہیں کہ کوئی اس عقیدے کے خلاف کوئی بات کرے یہاں تک کہ اس عقیدے کے خلاف سوچنا بھی کفر۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حقیقت یہی ہے جو آج تک کہا جاتا رہا اور زبان زدعام ہے؟ جو اکثریت کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ ابن مریم زندہ اوپر آسمان پر اللہ کے پاس موجود ہیں اور الساعت کے قائم ہونے سے پہلے دوبارہ آسمان سے نیچے اتریں گے؟

اگر آپ اندھوں کی طرح بغیر سوچے سمجھے عقل کا استعمال کیے اپنے آباؤاجداد اور ملاّؤں کے پیچھے چلنے کی بجائے اپنے وجود کے قائل ہیں کہ آپ کا اپنا بھی وجود ہے آپ خود بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں آپ میں بھی دماغ ہے عقل ہے آپ میں سننے اور دیکھنے کی صلاحیتیں ہیں اور نہ صرف آپ سن اور دیکھ سکتے ہیں بلکہ جو سنتے اور دیکھتے ہیں اسے سمجھنے کی صلاحیت بھی آپ کو دی گئی اس لیے حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، صحیح اور غلط کیا ہے یہ فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو آپ کو بالکل غیر جانبدار ہو کر میری بات کو سننا ہوگا اور پڑھنا ہوگا حق ہر لحاظ سے آپ پر کھل کر واضح ہو جائے گا یہاں تک کہ دنیا کی کوئی طاقت آپ کو اس موضوع پر اپنا شکار نہیں کر سکے گی اور نہ ہی اس موضوع پر آپ کا کوئی مقابلہ یا رد کر سکے گا اور اگر آپ حق کے طلب گار نہیں، بندر اور خنزیر ہونے کا ہی ثبوت دیتے ہیں، اندھے کے اندھے ہی رہنا پسند کرتے ہیں کہ غور وفکر کرنے سوچنے سمجھنے کی بجائے اندھوں کی طرح اپنے آباؤاجداد، ملاّؤں اور اکثریت کے پیچھے چلنا چاہتے ہیں اپنی خواہشات کی ہی اتباع کرنا چاہتے ہیں تو حق آپ پر اس قدر واضح ہو جائے گا کہ اگر آپ اس کا انکار کریں گے تو آپ کو خود بھی علم ہوگا کہ آپ بے بنیاد اور باطل ہیں آپ پر حق ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو چکا جس کا آپ چاہ کر بھی کسی بھی صورت رد نہیں کر سکتے اور اگر آج حق کو تسلیم نہیں کرتے تو آپ پر حجت ہو چکی کل کو آپ کے پاس کسی بھی قسم کا کوئی بہانہ نہیں ہوگا آپ ہر لحاظ سے دنیا وآخرت میں ہلاک ہی ہوں گے آپ کو کوئی ہلاکت سے نہیں بچا سکتا۔

عیسیٰ ابن مریم نہ صرف زندہ ہے اس کی موت نہیں ہوئی بلکہ اللہ اوپر آسمانوں پر موجود ہے اور عیسیٰ ابن مریم کو اللہ نے زندہ اپنی طرف اٹھا لیا یوں عیسیٰ ابن مریم اوپر آسمانوں پر موجود ہے اور الساعت سے پہلے دوبارہ دنیا میں آئے گا یعنی آسمان سے نیچے زمین پر اترے گا اس عقیدے کی حقیقت کیا ہے اسے ہر لحاظ سے کھول کھول کر آپ کے سامنے رکھتے ہیں، حق اس قدر ہر پہلو سے اور ہر لحاظ سے آپ پر واضح ہو جائے گا کہ آپ چاہ کر بھی اس کا انکار نہیں کر سکیں گے۔

مسلمان قوم کی اکثریت جن کا یہ عقیدہ ہے وہ اسے محمد علیہ السلام سے منسوب کرتے ہیں کہ خود محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ عیسیٰ ابن مریم کو اللہ نے زندہ اوپر آسمانوں پر اپنی طرف اٹھا لیا اور وہ الساعت سے پہلے دوبارہ آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ یہ عقیدہ صرف مسلمانوں کا ہی نہیں بلکہ عیسائیوں کا بھی ہے۔ عیسائیوں کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کو اللہ نے زندہ اوپر آسمانوں پر اپنی طرف اٹھا لیا اور الساعت کے قائم ہونے سے پہلے دوبارہ دنیا میں آئیں گے آسمان سے زمین پر اتریں گے۔

اب سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مسلمانوں نے یہ عقیدہ محمد علیہ السلام سے اخذ کیا تو پھر عیسائیوں میں یہ عقیدہ کہاں سے آ گیا؟ کیا عیسائیوں نے بھی محمد علیہ

السلام سے اخذ کیا؟ ہر کوئی جانتا ہے کہ نہیں بلکہ مسلمانوں میں تو بعد میں یہ عقیدہ داخل ہوا مسلمانوں سے پہلے عیسائیوں میں یہ عقیدہ پایا جاتا تھا اور آج تک پایا جاتا ہے۔ عیسائی مسلمانوں سے بہت پہلے سے ہی عیسیٰ ابن مریم کی دوبارہ واپسی کا انتظار کر رہے ہیں جس سے یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں سے پہلے یہ عقیدہ عیسائیوں میں پایا جاتا تھا۔

اب جب کہ یہ واضح ہو چکا ہے کہ مسلمانوں سے پہلے سے ہی یہ عقیدہ چلا آ رہا تھا تو پھر یہ بات بھی بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں نے یہ عقیدہ عیسائیوں سے اخذ کیا اور اگر عیسائیوں کی بجائے محمد سے اخذ کیا تو پھر محمد نے یہ عقیدہ عیسائیوں سے اخذ کیا تھا اور اگر محمد نے یہ عقیدہ عیسائیوں سے اخذ نہیں کیا تو پھر اس بات کو دنیا کی کوئی طاقت رد نہیں کر سکتی کہ اگر محمد نے خود ایسا کہا کہ اللہ اوپر آسمانوں پر ہے اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا اور الساعت سے پہلے دوبارہ نازل کرے گا تو محمد نے ایسا کہہ کر عیسائیوں کے اس عقیدے کی تائید و تصدیق کی کہ عیسائی اپنے اس عقیدے میں سچے ہیں عیسائی اس معاملے میں حق پر ہیں۔

مسلمانوں کا تو دعویٰ ہے کہ انہوں نے یہ عقیدہ محمد سے اخذ کیا لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا مسلمان نامی قوم اپنے اس دعویٰ میں سچی ہے؟ کیا محمد علیہ السلام نے ایسا کہہ کر عیسائیوں کی تائید و تصدیق کی؟ جب اللہ سے یہ سوال کیا جائے تو دیکھیں اللہ قرآن میں اس سوال کا کیا جواب دیتا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ. آل عمران ۱۶۴

لَقَدْ تمہیں یہ حق حاصل ہے کہ تم اپنی تحقیق کروا اپنی عقل کے گھوڑے دوڑاؤ اپنی تمام تر تحقیق کرلو جو بھی حق کا دعویدار ہے اس کی بات سنو بالآخر تم پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ جو ہم کہہ رہے ہیں وہی حق ہے وہ قدر میں کر دیا گیا مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ جو اللہ ہے مومنین پر اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ تب بعث کرتا ہے انسانوں کی راہنمائی کے لیے کھڑا کرتا ہے ان میں رسول انہی میں سے اور اس کی پہچان یہ ہے کہ جب اللہ رسول بعث کرتا ہے تو وہ کیا کر رہا ہوتا ہے؟ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ تلاوہ کر رہا ہے ان پر اس کی آیات کی یعنی ان پر اللہ کی آیات کو پوری ترتیب کیساتھ کھول کھول کر واضح کرتا ہے وَ يُزَكِّيْهِمْ اور ان کا تزکیہ ہو رہا ہے یعنی ان کو ہر لحاظ سے پاک صاف کر رہا ہے انہیں خالص اللہ کا غلام بنا رہا ہے ان کے اجسام ان کی توجہ ان کو ہر لحاظ سے پاک صاف بنا رہا ہے خالص کر رہا ہے وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ اور سکھا رہا ہے الکتاب یعنی علم دے رہا ہے جو الکتاب تھی اس کا وَالْحِكْمَةَ اور حکمت یعنی اس علم کا صحیح استعمال سکھا رہا ہے کہ علم کو کب کہاں کیسے کیوں اور کتنا استعمال کرنا ہے کہ بہترین طریقے سے مقصد پورا ہو سکے یعنی جو بھی کام کرنا ہے تو کب کہاں کیسے کیوں اور کتنا کرنا ہے وغیرہ ان تمام سوالات کے جوابات، علم کا بہترین استعمال کرنا سکھا رہا ہے وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ اور اگر جو طے کر دیا گیا جو قدر میں کر دیا گیا کہ ہو رہے ہیں اس سے پہلے ان کے لیے جو تھا وہ تھے ہر لحاظ سے سو فیصد کھلم کھلا گمراہیوں میں نور کی ہدایت کی ایک کرن بھی نہیں یعنی اگر نور کی ایک کرن بھی ہوگی تو وہ رسول کو بعث نہیں کرتا اللہ نے یہ بات قدر میں کر دی اللہ نے قانون بنا دیا یہ اللہ کا قانون ہے کہ وہ صرف اور صرف تب ہی رسول کو بعث کرتا ہے اور بعث کرے گا جب امیّن ہر لحاظ سے سو فیصد گمراہیوں میں ہوں نور کی ایک کرن بھی نہ ہو ہدایت کی ایک کرن بھی نہ ہو۔

سورۃ آل عمران کی اس آیت میں اللہ نے نہ صرف یہ واضح کر دیا کہ اللہ کے بعث کردہ رسول کی پہچان کیا ہے بلکہ یہ بات بھی بالکل کھول کر واضح کر دی کہ اللہ نے ایک قانون بنا دیا ہے قدر میں ایسا کر دیا ہے کہ جب جب امیّن ضلالٍ مبینٍ میں ہوں گے یعنی سو فیصد گمراہیوں میں ہوں گے نور کی ایک کرن بھی نہیں ہوگی تب تب جو اللہ پر ذمہ داری ہے وہ یہ ہے کہ اللہ مومنین پر احسان کرے اور وہ احسان یہ ہے کہ انہیں ضلالٍ مبین یعنی سو فیصد ہر لحاظ سے گمراہیوں میں ہوں تو انہیں گمراہیوں سے نکال کر نور کی طرف لے جائے اور اس مقصد کے لیے اللہ انہی میں سے ان میں ایک رسول بعث کرے جو انہیں ضلالٍ مبینٍ سے نکال کر نور کی طرف لے جائے، ان پر حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دے۔

جب بھی دنیا میں امیّن ضلالٍ مبینٍ یعنی سو فیصد کھلم کھلا گمراہیوں میں ہوں گے نور کی، ہدایت کی ایک کرن بھی نہیں ہوگی تو انہی میں سے ان میں اپنا ایک رسول بعث کرے گا لیکن اگر نور کی ایک کرن بھی ہو گی تو اللہ رسول بعث نہیں کرے گا اور یہی اللہ نے سورۃ الجمعہ کی آیت نمبر دو میں بھی واضح کر دیا۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ

ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ۔ الجمعه ۲

اس آیت کے شروع میں وہی بات کی گئی جو پچھلی آیت میں کہی گئی اور اس آیت کے آخر میں بھی وہی شرط واضح کی کہ یہ اللہ کا قانون ہے اللہ نے یہ قدر میں کر دیا جو کہ ہو کر رہے گا اور اس کے خلاف یا اس کے برعکس ہو ہی نہیں سکتا کہ اگر اس سے پہلے ضلال مبینٍ یعنی سو فیصد گمراہیوں میں ہیں نور کی ایک کرن بھی نہیں ہے ہدایت بالکل نہیں ہے تب ہی اللہ رسول بعث کرتا ہے اور اگر نور کی ایک بھی کرن ہو گی تو اللہ رسول بعث نہیں کرتا یہ اللہ نے قدر میں کر دیا۔

اب جبکہ یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو چکی کہ اللہ کا یہ قانون ہے، اللہ نے یہ قدر میں کر دیا کہ اللہ تب ہی رسول بعث کرتا ہے جب اس سے پہلے امیّن ضلالٍ مبینٍ میں ہوتے ہیں نور کی ایک کرن بھی نہیں ہوتی ہدایت کا کسی کو علم ہی نہیں ہوتا کسی کو حق کا علم ہی نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی حق پر ہوتا ہے تو پھر ایسا کیسے ممکن ہے کہ جب محمد علیہ السلام کو اللہ نے بعث کیا تو محمد کی بعثت سے قبل مشرکین عرب، یہودی اور عیسائی وغیرہ حق پر ہوں یا کسی ایک بھی معاملے، موضوع یا مسئلے میں وہ حق پر ہوں انہیں حق کا علم ہو؟ ایسا ممکن ہی نہیں کہ اللہ رسول کو بعث کرے اور رسول کی بعثت سے قبل حق موجود ہو اور یہی وہ وجہ ہے جس وجہ سے ہر رسول کو یہی کہا گیا کہ یہ ایک نیا دین لے آیا ہے ایسا دین کے جس کے بارے میں نہ ہم نے کبھی سنا اور نہ ہی ہمارے آباؤ اجداد نے۔

ظاہر ہے جب اللہ نے یہ قانون بنا دیا کہ وہ رسول کو صرف اور صرف تب ہی بعث کرتا ہے جب وہ لوگ جن میں رسول بعث کیا جاتا ہے وہ ضلالٍ مبینٍ ہوں یعنی ہر لحاظ سے سو فیصد گمراہیوں میں ہوں نور کی ایک کرن بھی نہ ہو تو جب رسول آئے گا تو اس سے پہلے جو کچھ بھی دین کے نام پر کیا جا رہا ہو گا وہ اس کی تائید و تصدیق نہیں کرے گا بلکہ جو کچھ بھی اس کی بعثت سے پہلے ہو رہا ہو گا وہ سب کا سب گمراہیاں ہوں گی جہالت ہو گی جس کا حق کیساتھ دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہو گا اس لیے وہ اس سب پر کراس لگا دے گا اس پر لکیر پھیر دے گا اسے گند کے ڈھیر پر پھینک دے گا اور جیسے صفر سے شروع کیا جاتا ہے اس طرح شروع سے سب کچھ کھول کھول کر واضح کرے گا حالانکہ رسول کی بعثت سے پہلے ہر کسی کا یہی دعویٰ ہوتا ہے کہ وہ حق پر ہے اور جیسے ہی رسول بعث ہوتا ہے تو اکثریت اس کی دشمن بن جاتی ہے اور یہی کہتی ہے کہ یہ ایک نیا دین لیکر آ گیا۔

اب جب کہ آپ پر یہ بات مکمل طور پر کھل کر واضح ہو چکی ہے کہ رسول کی بعثت سے پہلے رائی برابر بھی حق موجود نہیں ہوتا تو پھر محمد علیہ السلام کی بعثت سے پہلے کیا عیسائی اتنے بڑے اور اہم ترین معاملے میں حق پر تھے؟ عیسائیوں کا عقیدہ و نظریہ تھا کہ اللہ اوپر آسمانوں میں ہے اور اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو زندہ اوپر آسمانوں میں اٹھا لیا اور الساعت کے قیام سے پہلے عیسیٰ ابن مریم دوبارہ آسمانوں سے زمین پر اتریں گے۔

کیا اللہ نے اپنے قانون کے خلاف رسول بعث کر دیا؟ کیا ایسا ممکن ہے کہ جو اللہ نے قدر میں ہی نہیں کیا وہ ہو جائے؟ کیا اللہ نے خود ہی قدر کے خلاف کر دیا اپنے قانون کے خلاف کر دیا؟ جو کہ ممکن ہی نہیں۔ جب اللہ نے دوٹوک یہ بات واضح کر دی کہ اللہ صرف اور صرف تب ہی رسول بعث کرتا ہے جب سو فیصد گمراہیاں ہوں گی نور کی ایک کرن بھی نہیں ہو گی کسی کو حق کا علم ہی نہیں ہو گا اور نہ ہی کوئی حق پر ہو گا تو پھر ایسا ممکن ہی نہیں کہ محمد کی بعثت سے پہلے عیسائی عیسیٰ ابن مریم کے معاملے میں اپنے عقیدے میں سچے تھے حق پر تھے۔

اور اگر اس کے باوجود یہ بات مان لی جائے کہ عیسائیوں کا یہ عقیدہ حق تھا تو پھر محمد اللہ کا رسول تھا ہی نہیں کیونکہ اللہ رسول بعث ہی تب کرتا ہے جب سو فیصد جہالت ہو ظلمات ہوں ضلالٍ مبینٍ ہوں نور کی ایک کرن بھی نہ ہو اور جب محمد کی بعثت ہوئی تب اس کے بالکل برعکس نور موجود تھا عیسائی اتنے اہم موضوع کے حوالے سے حق پر تھے تو پھر محمد کسی بھی صورت اللہ کا رسول نہیں تھا۔

اور اگر محمد اللہ کا رسول تھا تو پھر اللہ نے محمد کو اس وقت بعث کیا جب نور کی ایک کرن بھی نہیں تھی عیسائی اپنے اس عقیدے میں حق پر نہیں تھے عیسائی کسی بھی لحاظ سے حق پر نہیں تھے بلکہ اس وقت جو بھی انسان زمین پر موجود تھے وہ ضلالٍ مبینٍ میں تھے۔ جب حقیقت یہ ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمان اپنے دعوے میں سچے ہیں کہ محمد علیہ السلام نے کہا کہ اللہ آسمانوں پر ہے اور عیسیٰ ابن مریم کو اپنی طرف آسمانوں پر اٹھا لیا پھر الساعت کے قائم ہونے سے پہلے دوبارہ عیسیٰ ابن مریم کو زمین پر نازل کرے گا؟ اللہ نے تو قرآن میں اس پہلو سے بالکل واضح کر دیا کہ محمد علیہ السلام نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا بلکہ یہ لوگ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں بے بنیاد اور باطل ہیں یہ محمد پر بہتان عظیم باندھ رہے ہیں۔

یوں اس پہلو سے یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو گئی کہ عقیدہ حیات و نزول عیسیٰ ابن مریم بالکل بے بنیاد اور باطل ہے اور مسلمانوں نے یہ عقیدہ محمد علیہ السلام سے

نہیں بلکہ عیسائیوں سے اخذ کیا ہے جس کا محمد علیہ السلام کیساتھ کوئی تعلق نہیں۔

اس کے باوجود اگر کوئی تسلیم نہ کرے تو پھر ایک اور پہلو سے حق آپ پر کھول کر واضح کرتے ہیں کہ یہ عقیدہ محمد علیہ السلام سے اخذ نہیں کیا گیا اور نہ ہی محمد علیہ السلام نے ایسا کچھ کہا جو خود کو مسلمان کہلوانے والے آج تک کہہ رہے ہیں بلکہ یہ عقیدہ عیسائیوں سے اخذ کیا ہوا ہے۔

اس عقیدے کی بنیاد یہ ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک یہ آسمانوں وزمین سمیت جو کچھ بھی ہے یعنی کُل کائنات الگ ہے اور اللہ الگ ہے۔ اللہ اس کائنات سے الگ نہ صرف وجود رکھتا ہے بلکہ اللہ آسمانوں پر ہے اللہ نے عیسیٰ ابن مریم کو زندہ اوپر آسمانوں پر اپنی طرف اٹھالیا۔

اب اگر تو واقعتاً یہ بات سچ ثابت ہوجاتی ہے کہ یہ کائنات الگ اور اللہ الگ ہے جو کہ اوپر آسمانوں پر ہے تو پھر بلا شک وشبہ یہ بات تسلیم کرنے کے لائق ہوسکتی ہے کہ عیسیٰ ابن مریم زندہ اوپر آسمانوں پر موجود ہے اور الساعت کے قائم ہونے سے پہلے آسمان سے زمین پر نازل ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ عقیدہ محمد علیہ السلام سے ہی اخذ کیا گیا ہولیکن اگر اللہ کے بارے میں پایا جانے والا عقیدہ ونظریہ غلط ثابت ہوجاتا ہے اگر اللہ اس کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر موجود ہے یہ عقیدہ ونظریہ غلط ثابت ہوجاتا ہے تو پھر عقیدہ حیات ونزول عیسیٰ ابن مریم بھی بالکل بے بنیاد باطل اور من گھڑت ثابت ہوجاتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوجاتا ہے کہ خود کو مسلمان کہلوانے والے آج تک محمد علیہ السلام پر اس عقیدے کے نام پر بہتان عظیم باندھ رہے ہیں۔

پیچھے آپ پر یہ بالکل کھل کر واضح ہو چکا کہ اللہ رسول کو صرف اور صرف تب ہی بعث کرتا ہے جب اس کی بعثت سے پہلے لوگ ضلالٍ مبینٍ میں ہوتے ہیں یعنی ہر لحاظ سے سو فیصد کھلم کھلا گمراہیوں میں ہوتے ہیں، کسی کو بھی حق کا علم نہیں ہوتا یہاں تک کہ رائی برابر بھی حق موجود نہیں ہوتا۔ تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کائنات الگ اور اللہ الگ ہے جو اوپر آسمانوں پر ہے یہ عقیدہ ونظریہ کیسے حق ہوسکتا ہے؟ اللہ کے بارے میں پایا جانے والے یہ عقیدہ ونظریہ کیسے حق ہو سکتا ہے؟ کیونکہ یہ عقیدہ ونظریہ تو محمد علیہ السلام کی بعثت سے پہلے ہی نہ صرف یہودیوں میں پایا جاتا تھا جو آج تک پایا جاتا ہے بلکہ عیسائیوں اور مشرکین عرب میں بھی یہی عقیدہ ونظریہ پایا جاتا تھا اور آج بھی عیسائیوں میں یہی عقیدہ ونظریہ پایا جاتا ہے کہ کائنات الگ ہے اور اللہ الگ جو کہ اوپر آسمانوں پر ہے۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ اللہ کے بارے میں یہ عقیدہ ونظریہ حق ہے تو پھر اس کا مطلب کہ محمد اللہ کا رسول نہیں تھا اور اگر محمد اللہ کا رسول تھا تو پھر بلا شک وشبہ اللہ کے بارے میں پایا جانے والا یہ عقیدہ ونظریہ حق نہیں ہوسکتا کیونکہ محمد کو مشرکین عرب، یہودیوں اور عیسائیوں کے عقائد نظریات کی تائید وتصدیق کے لیے نہیں بھیجا گیا تھا اور نہ ہی محمد علیہ السلام نے ان کے کسی ایک بھی عقیدے ونظریے کی تائید وتصدیق کی بلکہ محمد علیہ السلام کو تو بعث ہی اسی لیے کیا کہ ان کے تمام تر عقائد و نظریات اور جسے بھی وہ دین سمجھ رہے ہیں جسے بھی حق سمجھ رہے ہیں ان سب کا رد کرتے ہوئے اسے گند کے ڈھیر پر پھینکتے ہوئے اس کے برعکس حق واضح کرے اور وہی محمد علیہ السلام نے کیا اور وہی قرآن میں موجود ہے جو کہ آپ پر بالکل کھول کر واضح کرتے ہیں کہ قرآن اللہ کے بارے میں کیا کہتا ہے کہ اللہ کیا ہے اور کہاں ہے۔

اور اگر یہ عقیدہ ونظریہ بے بنیاد وباطل ثابت ہوجاتا ہے کہ اللہ کائنات سے الگ اوپر آسمانوں میں یا آسمانوں پر موجود ہے تو پھر عقیدہ حیات ونزول عیسیٰ ابن مریم بھی بے بنیاد وباطل ثابت ہوجائے گا اور یہ ثابت ہوجائے گا کہ خود کو مسلمان کہلوانے والے بھی مشرکین عرب، یہودیوں اور عیسائیوں کیساتھ آج تک اللہ اور اس کے رسول پر افتراء عظیم کر رہے ہیں۔

اب سب سے پہلے آپ پر ہر لحاظ سے اور ہر پہلو سے کھول کھول کر واضح کرتے ہیں کہ اللہ کیا ہے جس سے اس عقیدے کی حقیقت بھی بالکل چاک ہوجائے گی۔

اللہ کیا ہے؟

ایک وقت تھا اسلام کے نام لیوا رات دن غور وفکر میں مصروف تھے آسمانوں وزمین میں غور وفکر کر کے علم کے بلند مقام پر جا رہے تھے اور عین اسی وقت دوسری طرف عیسائیت کو دنیا میں متشدد ترین دین ومذہب کے طور پر جانا پہچانا جاتا تھا۔ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی توہین کے نام پر ہزاروں لاکھوں لوگوں کو کھلے عام

عوامی مجمعوں میں قتل کیا جاتا رہا اور ایسے ہی عیسائیت میں پائے جانے والے عقائد ونظریات کے برعکس یا خلاف بات کرنے والے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں لوگوں کو توہین مذہب کے الزام کے تحت قتل کیا جاتا رہا۔ عیسائیت میں پائے جانے والے عقائد کے خلاف ایک لفظ بھی برداشت نہیں کیا جاتا تھا اور ایسا کرنے والے کو ملحد، دین بیزار اور دین کا دشمن قرار دیکر قتل کر دیا جاتا یا اس کی زبان بند کرانے کی ہر کوشش کی جاتی اور دین الاسلام کو الحاد کا نام دیکر دنیائے اسلام کو عیسائیت کا دشمن بنا کر پیش کیا جاتا۔

اس کی وجہ ہی یہی تھی کہ عیسائیت میں جو عقائد ونظریات پائے جاتے تھے اگر کوئی بھی غور وفکر کرتا عیسائیت کے لگائے ہوئے دائروں سے آزاد ہو کر سوچتا تو عیسائیت کے تمام تر عقائد ونظریات کی جڑیں کٹ جاتیں عیسائیت بے بنیاد و باطل ثابت ہو جاتی یہ وہ وقت تھا جب دنیائے عیسائیت میں دین کا ٹھیکیدار طبقہ پادری وغیرہ علم سے اتنا خائف تھے کہ علم کے حصول اور غور وفکر پر خوب پابندیاں لگائی ہوئی تھیں کیونکہ دین و مذہب کے ٹھیکیدار اس طبقے کو علم تھا کہ اگر کوئی دین و مذہب اور فرقے کے نام پر لگائے گئے دائروں سے آزاد ہو کر سوچے گا، غور وفکر کرے گا، علم حاصل کرے گا تو عیسائیت کی بنیادیں ہی اکھڑ جائیں گی یوں دین و مذہب کے نام پر لوگوں کا مال کھانے، عیاشیوں، سہولتوں و آسائشوں کا سلسلہ بند ہو جائے گا، شہرت کی بجائے لوگ جوتے ماریں گے اور یہی لوگ ان کی حقیقت کھلنے پر آسمانوں و زمین کی سب سے حقیر اور ذلیل ترین مخلوق ثابت ہو جائیں گے۔

وقت گزرتا گیا اور تاریخ کا دھارا تبدیل ہو گیا یورپ پر ایسے لوگوں کا تسلط بڑھنے لگا جو علم کی اہمیت کو بخوبی سمجھتے تھے انہوں نے مذہب یعنی عیسائیت کی بھرپور مزاحمت کے باوجود علم تک رسائی کا فیصلہ کر لیا جس کا نتیجہ وہی نکلا جس کا عیسائیت کو خوف تھا، علم آنے کی دیر تھی کہ عیسائیت کی بنیادیں ہی اکھڑ گئیں جس سے دنیائے عیسائیت میں دین و مذہب کے نام پر عدم برداشت اور مذہبی جنونیت کا خاتمہ ہو گیا اور اسی علم کا استعمال دنیاوی مال ومتاع کے حصول کے لیے کیا جانے لگا اور دوسری طرف انہی قوتوں نے دنیائے اسلام کو علم سے بیزار کیا اور مذہب کی دلدل میں پوری قوت کے ساتھ دھکیل دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جہالت، عدم برداشت اور مذہبی جنونیت کا جو مقام پہلے دنیا میں عیسائیت کو حاصل تھا وہی مقام اسلام کے نام لیواؤں کو حاصل ہو گیا۔ آج دنیائے اسلام بالکل انہی حالات سے دوچار ہے جن حالات سے آج سے چند صدیاں قبل دنیائے عیسائیت دوچار تھی۔

جیسے ماضی میں عیسائیت کو علم سے خوف لاحق تھا جس وجہ سے عیسائی مذہبی طبقہ عیسائیت کے لگائے گئے عقائد ونظریات کے نام پر دائروں سے آزاد ہو کر سوچنے غور وفکر کرنے اور علم کے حصول کو الحاد کا نام دیتا تھا اور عیسائیت کا دشمن سمجھتا تھا بالکل اسی خوف کا شکار آج خود کو مسلمان کہلوانے والے شکار ہیں۔ مذہبی طبقے کو یہی خوف لاحق ہے کہ اگر کسی نے علم حاصل کیا، کسی نے تمام تر دائروں سے آزاد ہو کر غور وفکر کیا تو نام نہاد اسلام کی بنیادیں ہی اکھڑ جائیں گی اسلام کے نام پر تمام تر عقائد ونظریات چاک ہو جائیں گے اور مذہب کے بیوپاریوں کی دکانداریاں بند ہو جائیں گی یہ مذہبی طبقہ ذلیل ورسوا ہو جائے گا۔ یہی وہ وجہ ہے جس وجہ سے آج اسلام کا دعویدار مذہبی طبقہ اسلام کے نام پر لگائے گئے مختلف عقائد ونظریات کے دائروں سے آزاد ہو کر غور وفکر کرنے اور علم کے حصول کو الحاد کا نام دیکر اس سے دور کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے کیونکہ دین و مذہب کے نام پر ان کے لگائے گئے خود ساختہ دائروں سے آزاد ہو کر غور وفکر کرنا اور علم کا حصول ان کے خود ساختہ و بے بنیاد عقائد ونظریات کی حقیقت چاک کر کے رکھ دیتا ہے جس سے ان کی دکانداریاں بند ہونے کا انہیں شدید خوف لاحق ہے۔

آج جب سائنس کے نام پر علم نے سر اٹھایا تو علم نے مذہب اسلام پر ایسے ہی سوالات کی بوچھاڑ شروع کر دی جیسے آج سے چند صدیاں قبل مذہب عیسائیت پر سوالات کی بوچھاڑ ہوئی تھی اور پھر جیسے اس وقت مذہب عیسائیت علم کا مقابلہ نہ کر سکا اور اس کی جڑیں ہی کٹ گئیں بالکل اسی طرح آج مذہب اسلام کو بھی علم سے شدید خطرہ لاحق ہو چکا ہے۔

آج جب انسان کو الکتاب یعنی آسمانوں و زمین کا علم حاصل ہوا، فطرت کے قوانین دریافت کیے تو یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ اٹل حقیقت ہے کوئی بھی شئے خواہ وہ چھوٹے سے چھوٹا ذرہ ہو خود بخود وجود میں نہیں آ سکتا یعنی بغیر خالق کے وجود میں نہیں آ سکتا لیکن دوسری طرف یہ جو وجود ہے یعنی کُل کائنات کی بات کی جائے کہ کُل کائنات کیسے وجود میں آگئی تو اس کے حوالے سے بالکل مختلف بات سامنے آتی ہے اور وہ ہے خود کار نظام یعنی کائنات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے گویا کہ وہ خود بخود ہی ہو رہا ہے کوئی بھی ایسا سراغ نہیں ملتا کہ جس سے یہ بات کہی یا ثابت کی جا سکے کہ اس کائنات کو باہر سے کسی دوسرے وجود نے وجود دیا اور اسی وجہ سے دنیا میں ایک بڑی تعداد میں لوگوں کا ماننا ہے کہ اللہ، گاڈ یا ایشور وغیرہ کا کوئی وجود نہیں۔

کیونکہ تمام مذاہب میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ یہ کائنات مخلوق ہے اور اس کا بنانے والا کوئی نہ کوئی ہے اور وہ اس کائنات سے الگ اوپر آسمانوں میں کہیں موجود ہے اور سائنس اس بات کو ماننے کو تیار ہی نہیں کہ ایسا کوئی اللہ، ایشور یا گاڈ اپنا کوئی وجود رکھتا ہے جس وجہ سے سائنسی یا علمی طبقہ ایسے کسی اللہ، ایشور یا گاڈ کو تسلیم نہیں کرتا۔

دوسری طرف مذہبی طبقہ بالخصوص خود کو مسلمان کہلوانے والوں کا دعویٰ ہے کہ اللہ ہے اور وہ اوپر آسمانوں میں موجود ہے جس کا وجود ثابت کرنے کے لیے وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ دیکھو جب چھوٹے سے چھوٹا ذرہ بھی بغیر بنانے والے کے وجود میں نہیں آسکتا چھوٹے سے چھوٹی شئے بھی بغیر بنانے والے کے خود بخود وجود میں نہیں آسکتی تو اتنی بڑی کائنات بغیر بنانے والے کے خود بخود وجود میں کیسے آ گئی؟ اس لیے اس کا بنانے والا ہے اس کا خالق ہے اور وہ اللہ ہے جو اوپر آسمانوں میں موجود ہے۔

اب دوسری طرف اگر دیکھا جائے تو جس بنیاد پر اللہ کا وجود ثابت کیا جاتا ہے اسی بنیاد پر ایسے کسی اللہ، ایشور یا گاڈ کا وجود کالعدم ثابت ہو جاتا ہے یعنی اگر بغیر خالق کے چھوٹے سے چھوٹا ذرہ تک بھی وجود میں نہیں آسکتا تو پھر جس نے اتنی بڑی کائنات بنائی وہ خود کتنا بڑا ہوگا؟ پھر وہ کیسے کسی بنانے والے کے بغیر وجود میں آ گیا؟ آخر اسے بھی تو کسی نے بنایا ہوگا اس کا بھی تو کوئی خالق ہوگا اس لیے بتاؤ اس کا خالق کون ہے؟

اب مذہبی طبقہ کہتا ہے کہ یہ سوال ہی بے بنیاد ہے کیونکہ اس طرح تو اگر کہا جائے اسے جس نے خلق کیا وہ اللہ ہے تو پھر سوال پیدا ہوگا اسے کس نے خلق کیا یوں یہ سوال در سوال سلسلہ شروع ہو جائے گا جس کا کوئی سرا ہی نہیں اس لیے اس سے آگے نہیں بڑھا جائے گا کہ اللہ ہے، بس یہی حقیقت ہے کہ جب کچھ بھی بغیر بنانے والے کے وجود میں نہیں آسکتا تو اس کائنات کو بنانے والا ہے اور وہ اللہ ہے۔

اب اگر غیر جانبدارانہ بات کی جائے تو حق وہ ہے جو آپ کو کہے کہ آپ اپنی آزادانہ تحقیق کرو پھر جو نتیجہ سامنے آئے اسے تسلیم کرو اس کے برعکس وہ حق ہو ہی نہیں سکتا جو عاجز آ جائے یا جسے بے ڈھنگی قسم کی بیساکھیوں کا سہارا لینا پڑے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر اس بنیاد پر اللہ کا وجود ثابت ہوتا ہے کہ بغیر بنانے والے کے کچھ بھی وجود میں نہیں آسکتا اس لیے اتنی بڑی کائنات کا بنانے والا ہے اور وہ اس کائنات سے الگ ہے تو پھر اسی بنیاد پر اس کا وجود کالعدم ثابت ہو جاتا ہے کہ پھر اسے کس نے بنایا وہ بغیر بنانے والے کے کیسے وجود میں آ گیا؟

اس لیے حق تو یہ ہے کہ مذاہب میں اللہ، ایشور یا گاڈ کے حوالے سے جو نظریہ پایا جاتا ہے کہ وہ کائنات سے الگ اوپر آسمانوں میں کہیں موجود ہے وہ بالکل بے بنیاد اور باطل ہے ایسا کوئی اللہ، ایشور یا گاڈ اپنا کوئی وجود نہیں رکھتا سوائے مذہبی طبقے کے خود ساختہ باطل عقائد ونظریات کے۔

اب آتے ہیں قرآن کی طرف کہ قرآن اس حوالے سے کیا کہتا ہے۔

محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ تم سے سوال کیا جائے گا کہ فلاں شئے کو کس نے وجود دیا؟ تم کہو گے اللہ نے۔ پھر پوچھا جائے گا کہ فلاں شئے کو کس نے وجود دیا؟ تم کہو گے اللہ نے، یوں بالآخر تم سے سوال کیا جائے گا کہ اللہ کو کس نے خلق کیا یعنی جب بغیر خالق کے کچھ بھی وجود میں نہیں آسکتا تو پھر جس نے ان سب کو خلق کیا وہ کیسے وجود میں آ گیا؟ تو اس سوال کا جواب ہے سورت الاخلاص۔

آج مذہبی طبقہ اسی روایت کا سہارا لیتا ہے اور کہتا ہے کہ دیکھو آج سے چودہ صدیاں قبل محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ شیطان تم سے سوال کرے گا کہ اللہ کو کس نے خلق کیا تو محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ اس سوال کا جواب سورۃ الاخلاص ہے اور یوں سورۃ الاخلاص کا ترجمہ پڑھ کر سنا دیا جاتا ہے اور پھر کہا جاتا ہے کہ اے ملحد و دیکھو ہم نے تمہارے سوال کا جواب دے دیا۔

لیکن سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر جواب کہتے کسے ہیں اور کیا واقعتاً یہ اس سوال کا جواب ہے جو سورۃ الاخلاص کا ترجمہ پڑھ کر سنایا جاتا ہے؟ کیونکہ ذرا غور کریں جب سورۃ الاخلاص کا یہ ترجمہ پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔

''کہو کہ وہ (ذات پاک جس کا نام) اللہ (ہے) ایک ہے۔ معبود برحق جو بے نیاز ہے۔ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔ اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ فتح محمد جالندھری''

آپ خود فیصلہ کریں کہ کیا سورۃ الاخلاص کے نام پر یہ ترجمہ یا کوئی بھی ترجمہ پڑھ دینے سے واقعتاً ان لوگوں کو ان کے اس سوال کا جواب مل جاتا ہے جنہیں ملحد

کہا جاتا ہے؟ جواب تو کہتے ہیں جو سوال کا وجود مٹا دے جو سوال کو کالعدم کر دے جو سائل کو لا جواب کر دے تو کیا آج تک ایسا ہوا کہ سورۃ اخلاص کے ترجمے نے اس سوال کو مٹا دیا ہو؟ نہیں بالکل نہیں بلکہ سوال تو آج بھی اپنی جگہ پر موجود ہے کہ بتاو جب بغیر بنانے والے کے چھوٹے سے چھوٹا ذرا بھی وجود میں نہیں آ سکتا تو پھر جس نے اتنی بڑی کائنات بنائی وہ خود کتنا بڑا ہوگا تو وہ کیسے وجود میں آ گیا؟

سورۃ الاخلاص کا ترجمہ اگر اس سوال کو ختم نہیں کرتا تو پھر دو ہی باتیں ہیں پہلی یہ کہ محمد علیہ السلام نے جھوٹ بولا سورۃ الاخلاص اس سوال کا جواب رکھتی ہی نہیں یا پھر دوسری بات یہ ہے کہ محمد علیہ السلام جھوٹے نہیں وہ سچے تھے بلکہ جن تراجم وتفاسیر کو آج تک قرآن کا نام دیا جاتا رہا وہ قرآن ہے ہی نہیں بلکہ وہ سب کا سب جھوٹ ہے جو تراجم وتفاسیر کے نام پر قرآن سے منسوب کیا گیا کیونکہ اگر یہ تراجم وتفاسیر ہی اصل قرآن ہوتا یا یہی اللہ نے قرآن میں کہا تھا تو پھر ایسا کیسے ممکن ہے کہ محمد علیہ السلام کی بات غلط ثابت ہو۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ سورۃ الاخلاص جو ہے ہی اللہ کے وجود پر اس میں اللہ کے بارے میں ہر سوال کا جواب نہ ہو۔

محمد علیہ السلام سچے تھے اور حقیقت کیا ہے آپ پر بالکل کھول کر واضح کرتے ہیں سورۃ الاخلاص کو آپ پر بیّن کرتے ہیں یعنی بالکل کھول کھول کر واضح کرتے ہیں۔

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمۡ يَلِدۡ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ ۙ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ. الاخلاص

سورت الاخلاص کو بیّن کرنے کے لیے سب سے پہلے ضروری ہے کہ اعراب کو سمجھ لیا جائے کہ آخر اعراب کیا ہیں؟

ایسا کریں ڈھلوان نما ایک عمودی لائن کھینچیں جو درمیان میں آ کر گول چکر کھا کر نیچے کی طرف سے آگے کو چلی جائے جیسے کہ آپ ذیل میں دی گئی تصویر میں دیکھ رہے ہیں۔

یہ وقت کی پٹی یعنی وقت کی لائن ہے اس میں آپ کو جو گول دائرہ نظر آ رہا ہے یہ وجود کا اظہار کر رہا ہے یعنی کسی ذات یا اشیاء کا اظہار کر رہا ہے اور یہ دائرہ اس لیے ہے کیونکہ جب آپ آسمانوں وزمین میں اور جو کچھ بھی ان میں ہے میں غور کریں گے تو آپ کو ہر شئے سرکل میں ہی نظر آئے گی جو کچھ بھی ہے وہ دائرے میں گھومتا گھومتا آگے کو جا رہا ہے۔

وقت کی پٹی
زبر
الٹی پیش
پیش
گول والی ہ
زیر
مدّ
شدّ

زبر ماضی، زیر مستقبل، گول والی ہ وجود، گول والی ہ جمع زیر سے بنتی ہے پیش جس کا معنی ہے وجود جو آگے کو جا رہا ہے، گول والی ہ جمع زبر سے الٹی پیش بنتی ہے جس کا معنی ہے وجود پیچھے کا جا رہا ہے، دو گول والی ہ یا گول والی آدھی ہ جڑیں تو شد بنتی ہے جس کا معنی ہے دو وجود آپس میں جڑے ہوئے ہیں، آدھی گول والی ہ مد بنتی ہے جس کا معنی ہے بیٹھی ہوئی حالت یعنی نہ ہی آگے کو سفر جا رہا ہے نہ ہی پیچھے کو شئے اپنی حالت میں ہے اس میں کوئی بھی ردو بدل نہیں ہو رہا۔

اس دائرے کے اوپر پیچھے والی لائن ماضی ہے کبھی یہ دائرہ یعنی یہ سرکل وہاں سے گزرا آج وہاں نہیں ہے بلکہ وہ ماضی بن چکا ہے اس لیے دائرے کے پیچھے والی لائن کو الگ کرلیں تو یہ ماضی کا اظہار کرے گی جسے زبر کہتے ہیں۔

اس دائرے کے آگے نیچے والی لائن مستقبل ہے یعنی یہ دائرہ آگے کو جا رہا ہے تو جو آگے والی لائن ہے وہ مستقبل ہے اسے الگ کرلیں تو یہ زیر کہلاتی ہے جو کہ مستقبل ہے۔

اور جو گول دائرہ ہے یہ گول والی ''ہ'' ہے جو وجود کا اظہار کر رہی ہے یعنی کسی ذات یا شئے کا اظہار کر رہی ہے جب اس کیساتھ زیر کو جوڑ دیا جائے تو یہ پیش بن جائے گی جس کے معنی بنتے ہیں وہ ذات یا شئے جو اس وقت موجود ہے اور آگے کو جا رہی ہے یعنی اس وقت موجود ذات یا شئے جو مستقبل میں جا رہی ہے۔

گول والی ''ہ'' جب بھی استعمال کی جاتی ہے تو کسی وجود یعنی ذات یا کسی بھی شئے کی طرف اشارے کے لیے استعمال کی جاتی ہے یعنی وہ کسی ذات یا کسی بھی شئے کا اظہار کرتی ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون سی ذات کا شئے کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کس وجود کا اظہار کیا جا رہا ہے کیونکہ وجود نہ صرف ہے بلکہ تھا اور ہوگا بھی یعنی وجود کے لیے تین حالتیں اپنا وجود رکھتی ہیں ماضی حال اور مستقبل۔

جن میں سے دو غیب ہیں اور ایک حاضر ہے اس لیے جہاں بھی گول والی ''ہ'' کا استعمال کیا جائے گا تو وہاں یہ واضح کرنا لازم ہے کہ آیا کس ذات، شئے یا وجود کا ذکر کیا جا رہا ہے حاضر یا پھر غیب۔

اور غیب کی دو حالتیں ہیں ایک ماضی جو کہ غیب ہے اور دوسری حالت مستقبل جو کہ غیب ہے۔

اگر تو حال والی ذات یا شئے کی طرف اشارہ کیا جائے گا تو گول والی ''ہ'' کے اوپر پیش ڈالی جائے گی جس کا معنی بنے گا وہ وجود یعنی ذات یا شئے جو اس وقت موجود ہے اور وقت کی پٹی پر آگے مستقبل کی طرف بہہ رہی ہے۔

اگر ماضی والی ذات یا شئے کی طرف اشارہ کیا جائے گا تو گول والی ''ہ'' پر زبر کا استعمال کیا جائے گا اور اگر مستقبل والی شئے کی طرف اشارہ کیا جائے گا تو اس کے لیے گول والی ''ہ'' کے نیچے زیر کا استعمال کیا جائے گا۔

''زبر'' ماضی، ''پیش'' حال اور ''زیر'' مستقبل۔

ان کے علاوہ آپ دیکھتے ہیں کہ دو زبر، دو زیر اور دو پیش کا بھی اکٹھا استعمال کیا جاتا ہے۔
زبر ماضی میں لیکر جاتی ہے جہاں دو زبر کا استعمال کیا جائے تو وہاں سکڑ پن آئے گا جتنا پیچھے سے پیچھے جایا جا سکتا ہے اتنا پیچھے سے پیچھے جایا جائے گا مثلاً آپ لفظ رسول پر دو زبر کا استعمال کرتے ہیں تو دو زبریں چونکہ پیچھے سے پیچھے لیکر جاتی ہیں کوئی شئے جو آگے کو جا رہی ہو اور اسے پیچھے سے پیچھے لیکر جانا مقصود ہو تا تو سب سے پہلے اسے روکا جائے گا اسی لیے سب سے پہلے روک لگائی جائے گی جس کے لیے الف کا استعمال کیا جائے گا یعنی لفظ رسول کی لام کے آگے الف کا استعمال کیا جائے گا یوں لفظ رسولا بن جائے گا اب اس پر دو زبروں کا استعمال کیا جائے گا تو جملہ بنے گا ''رسولاً'' جس کے معنی بنیں گے رسول کو جتنا پیچھے سے پیچھے لے جایا جا سکتا ہے جتنا سکیڑا جا سکتا ہے اتنا سکیڑا جائے کم سے کم رسول اور کم سے کم ایک رسول ہوتا ہے یوں رسولاً کے معنی بنیں گے ایک ہی رسول۔
اسی طرح اگر دو زیریں استعمال کی جائیں گی تو زیر آگے کو لے جاتی ہے مستقبل میں اور دو زیروں سے جتنا آگے سے آگے لے جایا جا سکتا ہے اتنا آگے لے جایا جائے گا یعنی جتنا پھیلاؤ آ سکتا ہے لفظ رسول کے نیچے دو زیروں کا استعمال کیا جائے گا '' رسولٍ '' تو اس کا معنی بنے گا آگے کُل رسول یعنی آگے جتنے رسول ہو سکتے ہیں۔
اسی طرح دو پیش کا استعمال کیا جائے تو پیش کا معنی ہوتا ہے وہ شئے جو موجود ہے اور آگے کو جا رہی ہے اور جب دو پیش کا استعمال کریں گے تو اس کا معنی بنے گا کہ ایک شئے جو وجود رکھتی ہے اور آگے کو جا رہی ہے اور جتنا آگے جا سکتی ہے وہاں تک گئی اور وہاں سے پھر پیچھے ماضی کی طرف لے آیا جا رہا ہے۔
سیدھی پیش گول والی '' ہ '' اور '' زیر '' کا مجموعہ ہے جس کا معنی بنتا ہے ایک شئے یا ذات جو موجود ہے آگے مستقبل میں جا رہی ہے اور الٹی پیش گول والی '' ہ '' اور '' زبر '' کا مجموعہ ہے جس کے معنی بنتے ہیں وہ ذات یا شئے جو موجود ہے اور پیچھے ماضی میں جا رہی ہے یوں دو پیش کے معنی بنتے ہیں ایک شئے جو اپنے وجود میں آنے سے لیکر جب تک وہ دنیا میں موجود ہے یعنی جب تک وقت کی پٹی پر موجود ہے اس سارے وقت کا ذکر کیا جا رہا ہے اس کی مکمل زندگی مکمل مدت حیات کی بات کی جا رہی ہے یعنی جیسے لفظ رسول پر دو پیش سے معنی بنے گا جس رسول کا ذکر کیا جا رہا ہے جب تک کہ اس کا وجود ہے اس کی پوری زندگی کا ذکر کیا جا رہا ہے اس کی پیدائش سے لیکر موت تک کی مدت۔
اس کے علاوہ ایک اور بات ذہن میں ہونا بہت ضروری ہے زبر کی جگہ '' الف '' کا بھی استعمال کیا جاتا ہے جو کہ الفاظ کے آخری حرف کے طور پر بطور زبر استعمال کیا جاتا ہے جس سے وہ لفظ ماضی کا صیغہ بن جاتا ہے اور زیر کی جگہ '' ی '' کا بھی استعمال کیا جاتا ہے جس سے مستقبل کا صیغہ بن جاتا ہے اور پیش کی جگہ '' و '' کا بھی استعمال کیا جاتا ہے جس سے حال کا صیغہ بن جاتا ہے۔
اس کے علاوہ پیچھے شد اور مد رہ جاتی ہے شد کا معنی ہے دو اشیاء یعنی دو وجود کا جڑے ہوئے ہونا، شد دو وجود کے جڑے ہوئے ہونے کا اظہار کرتی ہے اور مد کا معنی ہے بیٹھی ہوئی حالت میں ہونا یعنی جامد حالت میں ہونا نہ ہی شئے پیچھے جا رہی ہے اور نہ ہی آگے جامد حالت میں ہے یعنی جیسی شئے یا وجود ہے بغیر کسی حرکت کے بالکل ویسے کا ویسا ہونا۔

اب آتے ہیں سورۃ الاخلاص کی طرف۔
قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ. اَللّٰهُ الصَّمَدُ. لَمۡ يَلِدۡ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ. وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ. الاخلاص

قُلۡ کہہ۔ قل کے معنی ہیں کہہ یعنی کہا جا رہا ہے کہ کہو، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون کہہ رہا ہے کہ کہو یعنی کون کچھ کہنے کا حکم دے رہا ہے؟ کچھ کہنے پر مجبور کر رہا ہے؟
تو آج تک مذہبی طبقے کی طرف سے جو جواب دیا جاتا رہا اور دیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جی اللہ کہہ رہا ہے کہ کہو۔ اب اگر اس بات کو مان لیا جائے کہ اللہ کہہ رہا ہے کہ کہو تو پھر یہیں یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ اللہ کیسے کہہ رہا ہے کیا آپ اللہ کو جانتے ہو؟ آپ کو اللہ نے کیسے کہا کہ کہو؟
کیونکہ جب آپ کو اللہ کا علم ہی نہیں تو پھر آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کہہ رہا ہے کہ کہو؟ آپ کو تو اللہ کا علم ہی نہیں اور آپ تو خود اللہ کی ابھی تلاش میں ہیں تو

آ گے سے سب سے بڑھ کر اس جواب کی توقع کی جا سکتی ہے کہ قرآن میں لکھا ہے اور ہم مانتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اس لیے اللہ کہہ رہا ہے کہ کہو۔ تو اس کا بہت ہی سادہ سا جواب ہے آپ مانتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے لیکن کیا پوری دنیا کے انسان تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے؟ تو اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ نہیں اور جب پوری دنیا کے انسان قرآن کو اللہ کا کلام تسلیم ہی نہیں کرتے تو پھر آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اس لیے ہم مانتے ہیں کہ اللہ ہی کہہ رہا ہے کہ کہو۔

جب اللہ کہہ رہا ہے کہو تو پھر اللہ کو بالکل سامنے آ کر کہنا چاہیے اور اسی زبان میں کہنا چاہیے جو زبان آپ سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جو آپ کی زبان ہے۔

اور پھر اس کے علاوہ ایک دوسری طرح کے جواب کی توقع کی جا سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمیں تو عربی نہیں آتی ہمارے علماء ہمیں بتا رہے ہیں کہ اللہ کہہ رہا ہے کہ کہو اس لیے ہم مان رہے ہیں کہ اللہ کہہ رہا ہے کہ کہو۔ تو اس کا بھی جواب بہت آسان ہے وہ یہ کہ آپ کو عربی جو کہ عربوں کی زبان ہے وہ نہیں آتی اور آپ کے علماء کو آتی ہے اس لیے وہ آپ کو کہہ رہے ہیں کہ اللہ کہہ رہا ہے کہو تو کیا گارنٹی ہے کہ وہ سچ بول رہے ہیں؟ کل کو اگر حقیقت کچھ اور نکلی تو کل کو یہ لوگ جن کو آپ علماء کہتے ہیں اور اندھوں کی طرح ان کے پیچھے چل رہے ہیں کیا یہ آپ کی ذمہ داری اٹھائیں گے؟ یہ آپ کا بوجھ اٹھائیں گے؟ یہ آپ کا حساب دیں گے؟ اگر نہیں تو ہوسکتا ہے کہ آپ کو کچھ بھی اللہ سے منسوب کر کے کہتے رہیں لیکن حقیقت یہ ہو کہ وہ اللہ نے کہا ہی نہ ہو اس لیے یہ جواب بھی بے بنیاد اور کالعدم ثابت ہو جاتا ہے۔

کیونکہ اگر کوئی بھی یہ کہتا ہے کہ اللہ کہہ رہا ہے کہ کہو تو پھر اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ اسے علم ہے اللہ کیا ہے اور اللہ کیسے کلام کرتا ہے اللہ کیسے کہہ رہا ہے کہ کہو اس لیے پھر اس سے سوال کیا جائے گا کہ اللہ کیا ہے اور کہاں ہے اللہ کیسے کلام کرتا ہے اگر تو وہ اللہ کے بارے میں صحیح جواب دے دیتا ہے اللہ کے بارے میں ہر طرح کے سوالات کے جوابات دیکر مطمئن کر دیتا ہے تو پھر بلا شک و شبہ اللہ ہی کہہ رہا ہے اور اگر ایسا نہیں تو پھر کسی کی بھی بات نہیں مانی جا سکتی۔

اب آتے ہیں حقیقت کی طرف اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ اللہ ہی کہہ رہا ہے کہ کہو لیکن اللہ کیسے کہہ رہا ہے اس حقیقت کو بھی آپ پر بالکل کھول کر واضح کر دیتے ہیں۔

دنیا میں جو بھی آتا ہے کوئی ایک بھی عقل رکھنے والا شخص ایسا نہیں ہے کہ زندگی میں کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی موقع پر اس کے سامنے یہ سوال نہ آیا ہو وہ یہ سوچنے پر مجبور نہ ہوا ہو کہ آخر میری حقیقت کیا ہے؟ میں ہوں کون؟ میرا دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے؟ اور پھر اپنے ان سوالات کے جوابات کے لیے غور و فکر نہ کیا ہو۔

مثال کے طور پر کوئی شخص جس کی زندگی معمول کے مطابق چل رہی ہوتی ہے لیکن اچانک کوئی حادثہ پیش آنے سے وہ مایوس سا ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں یہ سوال بار بار اسے پریشان کرتا ہے کہ آخر میری حقیقت کیا ہے؟ میں دنیا میں کیا لینے آیا وغیرہ؟ ایسے ہی کوئی شخص اگر دنیا کے پیچھے بھاگتا ہے وہ دنیاوی مال و متاع اکٹھا کر کر کے تھک جاتا ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کا دنیا میں آنے کا مقصد یہ مال و دولت کا حصول نہیں بلکہ کچھ اور ہے یوں وہ جاننا چاہتا ہے کہ آخر اس کی اپنی حقیقت کیا ہے وہ اس دنیا میں کیوں آیا؟ یا اس کے علاوہ بھی انسان کے سامنے کئی مواقع پر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ آخر اس کی حقیقت کیا ہے۔ اور اس کے لیے کسی بھی مذہب، گروہ، فرقے، تنظیم یا رنگ و نسل وغیرہ کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ کوئی بھی ہو خواہ وہ کسی بھی مذہب کا ماننے والا ہو یا کسی بھی مذہب کا نہ ماننے والا ہو یہ ایسا سوال ہے جو ہر کسی کے سامنے آتا ہے اور پھر اس سوال کے جواب کے حصول کا سب سے بہتر ایک ہی طریقہ ہے کہ غور و فکر کیا جائے، اپنی ہی ذات میں غور و فکر کیا جائے اپنے ارد گرد مخلوقات میں غور کیا جائے، آسمانوں و زمین میں کسی بھی مخلوق میں غور کیا جائے اور جب انسان غور کرتا ہے تو ابتداء میں مشکل پیش آتی ہے کچھ سمجھ نہیں آتا انسان خود کو بے بس سمجھنا شروع کرتا ہے لیکن اگر وہ ڈٹ جائے کہ نہیں میں اس وقت تک پیچھے نہیں ہٹوں گا جب تک کہ میں اپنے ان سوالات کا جواب نہیں جان لیتا جب تک کہ میں حق کو نہیں پالیتا تو بالآخر اس پر حق کھلنا شروع ہو جاتا ہے اور یوں وہ حق کو پالیتا ہے۔

جب کوئی شخص غور و فکر کرتا ہے پیچھے نہیں ہٹتا جب تک کہ وہ حق کو پا نہیں لیتا تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے جو کچھ بھی وجود رکھتا ہے یہ ایک ہی وجود ہے کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔ یعنی جب آپ اپنی ہی ذات میں، آسمانوں زمین میں کسی بھی مخلوق میں غور و فکر کریں گے تو بالآخر یہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے یہی وجود آپ کو یہ کہنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ ایک ہی وجود ہے اور کچھ ہے ہی نہیں یہی اللہ ہے۔

یہی بات قرآن کی سورۃ اخلاص میں کہی گئی ہے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ

قُلْ کہنا پڑے گا یعنی جب کہا جا رہا ہے کہو تو کہنا پڑے گا ھُوَ یہ جملہ ہے اور دو الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ گول والی '' ہ '' اور دوسرا لفظ '' و '' ہے، گول والی '' ہ '' کسی بھی ذات یا شئے وغیرہ کا اظہار کرتی ہے یعنی کسی بھی ذات یا شئے کی طرف اشارے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کس ذات یا شئے کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کیونکہ اشیاء نہ صرف حاضر بھی ہیں بلکہ غائب بھی ہیں اور غائب دو طرح کا ہے ایک ماضی جو گزر چکا اور دوسرا مستقبل جو ابھی آگے چل کر سامنے آئے گا۔

اب کون سی ذات یا شئے کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے غائب کی طرف یا حاضر کی طرف یہ واضح کیا جانا ضروری ہے یعنی جب بھی گول والی '' ہ '' کا استعمال کیا جائے گا تو اس پر زبر، زیر یا پیش وغیرہ کا استعمال ناگزیر ہے اگر ماضی غائب والی ذات یا شئے کا ذکر کیا جائے گا تو گول والی '' ہَ '' پر زبر کا استعمال کیا جائے گا جس کا مطلب ہوگا کہ اس ذات یا شئے کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے جو پیچھے یعنی ماضی کا قصہ بن چکی اور اگر غائب مستقبل کی ذات یا شئے کی طرف اشارہ کیا جائے گا تو اس کے لیے گول والی '' ہِ '' کے نیچے زیر کا استعمال کیا جائے گا اور اگر حال والی یعنی حاضر شئے کی طرف اشارہ کیا جائے گا اس کا ذکر کیا جائے گا تو اس کے لیے گول والی '' ہُ '' پر پیش کا استعمال کیا جائے گا جس کا معنی ہو گا کہ وہ ذات یا شئے جو اس وقت موجود ہے۔
سورۃ الاخلاص کی پہلی آیت میں ھُوَ کی گول والی '' ہ '' پر پیش کا استعمال کیا گیا ہے '' ہُ '' جس کے معنی ہیں اس ذات یا شئے کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے اس کا ذکر کیا جا رہا ہے جو اس وقت موجود ہے یعنی حال میں ہے تو ذرا غور کریں کیا ہے جو اس وقت موجود ہے؟ کیا ہے جو حال میں موجود ہے؟ کیا کچھ بھی ایسا ہے جو آپ کو اس وقت موجود نظر آ رہا ہے؟ تو آپ کو بہت کچھ نظر آئے گا مثلاً درخت نظر آ رہے ہیں جو اس وقت یعنی حال میں موجود ہیں، پہاڑ نظر آ رہے ہیں، دریا اور سمندر وغیرہ۔ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہی کُل کا کُل ہے جو موجود ہے یا پھر ان کے علاوہ اور کچھ بھی ہے؟ تو جواب ہوگا کہ نہیں اور بھی بہت کچھ موجود ہے۔ تو یہی ھُوَ میں کہا جا رہا ہے گول والی '' ہُ '' پر پیش ہے اور آگے '' و '' کا استعمال کیا گیا جس کے معنی ہیں ''اور'' یعنی مزید، اور '' وَ '' پر زبر کا استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی بنتے ہیں ''و یعنی اور'' ماضی کا صیغہ بن جائے یعنی اب بالکل واضح ہو گیا کہ ھُوَ کے معنی ہیں دیکھو کیا ہے جو اس وقت موجود ہے جو حال میں موجود ہے؟ جو موجود ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا جب '' و '' یعنی اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے گا تو جو وجود سامنے آئے وہ کیا ہے؟ آگے اسی کا جواب دیا گیا اَللّٰہُ اللہ ہے۔ اللہ کی '' ہُ '' پر پیش ہے جس سے یہ حال کا صیغہ بن جاتا ہے جس کے معنی بنیں گے اللہ ہے۔
قُلْ ھُوَ اللّٰہُ تمہیں یہ کہنا پڑے گا ھُوَ یعنی جو کچھ بھی اس وقت موجود ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا اور جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے تو جو کچھ بھی سامنے آئے گا یہ کیا ہے؟ یہ اللہ ہے۔

ذرا غور کریں اگر آپ سے یہ سوال کیا جائے کہ آپ کچھ بھی کھانے کو لاتے ہیں تو آپ اس کا کیا کریں گے؟ تو آپ جواب دیں گے کھانے کی شئے ہے تو ظاہر ہے اسے کھانے کے لیے ہی لایا گیا اور اسے کھائیں گے۔ اب اگر آپ سے یہ سوال کیا جائے کہ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ یہ کھانے کی شئے ہے اسے کھایا جائے گا؟ تو آپ جواب دیں گے کہ وہ شئے خود بتا رہی ہے یعنی اس میں جو خصوصیات و صلاحیتیں موجود ہیں وہ بالکل واضح کر رہی ہیں کہ یہ کھانے کی شئے ہے۔
یعنی پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر آپ کچھ بھی لاتے ہیں، بناتے ہیں یا کسی کو دیتے ہیں تو آپ بغیر مقصد کے فضول میں نہ ہی کچھ لائیں گے نہ ہی کچھ بنائیں گے اور نہ ہی بغیر مقصد کسی کو کچھ دیں گے جس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ نہ صرف ہر شئے کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے بلکہ وہ کس مقصد کے لیے ہے اس میں موجود صلاحیتیں و صفات اس کے مقصد کو طے کرتی ہیں یا واضح کرتی ہیں۔

اب ذرا غور کریں کہ آپ کو سننے کی صلاحیت دی گئی، دیکھنے کی صلاحیت دی گئی اور نہ صرف آپ سنتے اور دیکھتے ہیں بلکہ جو سنتے اور دیکھتے ہیں اسے سمجھنے اور پھر اس کے مطابق عمل کرنے کی صلاحیت بھی دی گئی تو کیا یہ صلاحیتیں آپ کو بغیر مقصد کے دے دی گئیں؟ کیا ان کا کوئی مقصد نہیں یا پھر ان کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہے؟

اب جاننا یہ ہے کہ آیا ان کا مقصد کیا ہے؟ تو وہ بھی بالکل ظاہر ہے کہ آپ کو سننے کی نہ صرف صلاحیت دی گئی بلکہ بہت کچھ آپ کو سنایا بھی جا رہا ہے جو رات دن آپ سن رہے ہیں اور ایسے ہی دیکھنے کی نہ صرف صلاحیت دی گئی بلکہ بہت کچھ آپ کے سامنے بھی رکھ دیا گیا جسے آپ دیکھ رہے ہیں تو جسے آپ سن اور دیکھ

رہے ہیں اسے سمجھنے کی بھی صلاحیت دی گئی اور پھر سمجھنے کے بعد اس کے مطابق عمل کرنے کی صلاحیت دی گئی تو اب آپ سے سوال ہے کہ جب آپ پر یہ واضح ہو چکا کہ آپ کو سننے، دیکھنے جو سنتے اور دیکھتے ہیں اسے سمجھنے اور جو سمجھتے ہیں اس کے مطابق عمل کرنے کی صلاحیتیں اس مقصد کے لیے دی کہ جو آپ سن اور دیکھ رہے ہیں اسے سمجھ اور سمجھنے کے بعد اس کے مطابق عمل کریں تو کیا آپ ان صلاحیتوں کا اسی مقصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں؟ جب آپ اپنے گریبان میں جھانکیں گے تو آپ پر یہ کھل کر واضح ہو جائے گا کہ آپ ان میں سے کسی کا بھی اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کر رہے۔ جس مقصد کے لیے آپ کو یہ صلاحیتیں دی گئیں کیونکہ آپ کو آسمانوں وزمین میں بہت کچھ سنایا اور دکھایا جا رہا ہے جسے آپ ہر لمحے نظر انداز کر رہے ہیں اور صرف اس کے پیچھے ان صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہیں جن سے آپ کی خواہشات پوری ہوتی ہیں یعنی آپ اپنی خواہشات کی اتباع میں ان کا استعمال کر رہے ہیں اور اگر آپ ان صلاحیتوں کا اسی مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں یعنی جو کچھ بھی آپ کو سنایا اور دکھایا جا رہا ہے اگر آپ اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو آپ کو یہ کہنا پڑے گا "هُوَ اللهُ" یعنی جو کچھ بھی موجود ہے اللہ ہے۔

تو اب آپ سے سوال ہے کہ جب یہ جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے اللہ ہی ہے تو پھر آپ کو کس نے یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ هُوَ اللہُ؟ کیا اسی ذات اللہ نے نہیں؟ کیونکہ جیسے آپ کا جسم ہے آپ کے جسم میں ہر عضو دوسرے کیساتھ نہ صرف جڑا ہوا ہے بلکہ اس کیساتھ مشروط ہے ایسے ہی جیسے ایک مشین میں پرزے ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ومشروط ہوتے ہیں بالکل یہی مثال جو کچھ بھی موجود ہے اس وجود کی ہے یہ ایک ہی وجود ہے آپ کہیں سے بھی غور وفکر کا آغاز کریں گے تو آپ آگے بڑھتے جائیں گے ہر خلق دوسری کے ساتھ مربوط ومشروط ہیں یوں آپ اور اور کرتے کرتے وہاں تک پہنچ جائیں گے جہاں اور ختم ہو جائے گا آپ اس سے آگے نہیں جا سکیں گے یوں یہی وجود جو کہ اللہ ہے آپ کو کہنے پر مجبور کر دے گا کہ یہ جو کچھ بھی موجود ہے اللہ ہے۔

بالکل آسان الفاظ میں آپ پر واضح کرتے ہیں آپ ذرا غور کریں کہ آپ کو کچھ موجود نظر آ رہا ہے؟ تو جو بھی موجود ہے جو بھی وجود رکھتا ہے اور اور کرتے جائیں جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی کا قصہ نہیں بن جاتا جب تک کہ اور ماضی نہیں بن جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے گا تو جو وجود سامنے آئے گا یہ اللہ ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ درخت بھی اللہ، پہاڑ بھی اللہ، دریا بھی اللہ، سمندر بھی اللہ، پانی بھی اللہ، زمین بھی اللہ، آسمان وغیرہ سمیت جو کچھ بھی موجود ہے وہ اللہ ہے؟ تو اس کا جواب بالکل آسان ہے جو کہ آگے موجود بھی ہے اَحَــدٌ احد جملہ ہے جو کہ دو الفاظ پر مشتمل ہے پہلا لفظ " ا " اور دوسرا لفظ " حد " ہے جب بھی کسی جملے کے شروع میں الف کا استعمال کیا جاتا ہے تو وہ نہ صرف سوالیہ بنا دیتا ہے بلکہ اس سوال کا آگے جواب بھی موجود ہوتا ہے یوں احد کے شروع میں الف اسے سوالیہ بنا دیتا ہے اور آگے اسی سوال کا جواب ہے " حد " اور حد کے معنی ہیں جس سے آگے نہیں جایا جا سکتا۔ یوں احد کے معنی بنتے ہیں جس سے آگے نہیں جایا جا سکتا یعنی ایک ہی اور کچھ ہے ہی نہیں اور احد کی " د " پر دو پیش کا استعمال یہ واضح کرتا ہے کہ جو وجود موجود ہے جب تک موجود ہے اللہ ہے اگر ماضی میں چلا جائے تو " اللهَ " ہو جائے گا اور جو آگے مستقبل میں ہے وہ " اللهِ " ہوگا۔

یعنی بالکل آسان الفاظ میں احد کے معنی یہ ہیں کہ مثال کے طور پر آپ اپنے ہی جسم کی مثال لے لیں اگر آپ کا نام عمران ہے تو آپ کے ہاتھ کو عمران نہیں کہا جائے گا بلکہ اسے ہاتھ کہا جائے گا انگلی کو انگلی کہا جائے گا، پاؤں کو پاؤں کہا جائے گا لیکن جب تمام کے تمام اعضاء کو اور اور کیا جائے یہاں تک کہ اور ختم ہو جائے تو جو پورا وجود سامنے آئے گا وہ تمام اعضاء کا مجموعہ نہ صرف ایک وجود سامنے آئے گا بلکہ ان تمام اعضاء کو بطور ایک وجود عمران کہا جائے گا، ہاتھ کو یا کسی بھی عضو کو عمران نہیں کہا جائے گا ہاں البتہ انہیں عمران کی آلاء یعنی اعضاء یا آیات کہا جائے گا۔

اگر پورے کا پورا جسم چھپا دیا جائے اور جسم کا کچھ حصہ یا کچھ اعضاء سامنے رہنے دیئے جائیں تو انہیں عمران نہیں بلکہ عمران کی آیات یا عمران کے اعضاء یعنی آلاء کہا جائے گا، انہیں عمران ہی کا وجود کہا جائے گا بالکل ایسے ہی جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے اللہ کا پورا وجود انسان سے پوشیدہ ہے سوائے تھوڑے کے اور جو نظر آ رہا ہے یہ اعضاء ہیں یہ اللہ کی آیات ہیں آیات جمع کا صیغہ ہے اور اس کا واحد آیت ہے اور آیت کے معنی ہیں پوری بات، پوری ذات، پوری شئے یا پورے وجود کا چھپے ہوئے ہونا اور اس کا تھوڑا سا حصہ سامنے ہونا جس میں غور کرنے جس کے پیچھے پڑنے سے پوری بات جو کہ حقیقت ہے پوری ذات، پوری شئے یا پورا وجود سامنے آ جائے۔

آسمانوں وزمین میں جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے یہ سب کا سب اللہ کی آیات ہیں یعنی اللہ کی ذات کا ہی وجود نظر آ رہا ہے اللہ چھپا ہوا ہے اللہ کا ہی تھوڑا سا حصہ ہے جو

سامنے نظر آ رہا ہے اور جب آپ اس میں غور کریں گے اس کے پیچھے پڑیں گے تو اللہ کیا ہے آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو جائے گا آپ اللہ کو پا لیں گے اس لیے اس کا یہ مطلب نہیں کہ فلاں بھی اللہ فلاں بھی اللہ، اللہ واحد یعنی اور ایک نہیں بلکہ اللہ احد ہے ایک ہی وجود اس کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں، جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے جو بھی وجود ہے صرف اور صرف اللہ ہی کا وجود ہے اب اگر کوئی خود کو اللہ سے الگ کرے گا وہ یہ کہے کہ وہ الگ ہے اور آسمان و زمین الگ ہیں اللہ الگ ہے تو وہ اللہ کا شریک ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے اور اللہ اپنے شریک کو برداشت نہیں کرے گا۔

اب جب آپ پر یہ واضح ہو گیا کہ جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے تو ذرا غور کریں جب بھی آپ غور و فکر کریں گے تو کون ہے جو آپ کو یہ کہنے پر مجبور کر دے گا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔ کیا اللہ ہی نہیں جو یہ کہنے پر مجبور کر رہا ہے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ؟ اس طرح اللہ کہہ رہا ہے کہ تمہیں یہ کہنا پڑے گا جو کچھ بھی موجود ہے جو بھی وجود ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے گا تو جو وجود سامنے آئے گا اللہ ہے ایک ہی وجود اور کچھ ہے ہی نہیں۔

اب اگلی آیت ہے اَللّٰهُ الصَّمَدُ.

اَللّٰهُ اللہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہے اللہ؟ تو آگے اسی سوال کا جواب موجود ہے الصَّمَدُ الصمد ہے اللہ۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ الصمد کیا ہے یعنی الصمد کے معنی کیا ہیں تو الصمد کے معنی ہیں جو خلق کر رہا ہے جو خلق ہو رہا ہے اور جس سے خلق ہو رہا ہے کوئی دوسرا ہے ہی نہیں وہ خود ہی ہے اللہ ہے اور کوئی ہے ہی نہیں۔ الصمد کے معنی کیے جاتے ہیں بے نیاز جو کہ الصمد کے معنی نہیں ہیں بلکہ غنی کے معنی ہیں بے نیاز یعنی کسی کا بھی محتاج نہیں۔

الصمد اور غنی کے معنی کافی قریب ہیں لیکن ایک نہیں ہے کیونکہ الصمد ہونے کے لیے صرف اور صرف ایک ہی وجود کا ہونا شرط ہے یعنی اور کچھ ہے ہی نہیں۔ جو ہے ایک ہی وجود ہے جو خلق ہو رہا ہے جس سے خلق ہو رہا ہے اور جو خلق کر رہا ہے کوئی دوسرا ہے ہی نہیں بلکہ خود ہی ہے۔

جب اللہ الصمد ہے یعنی ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں تو پھر ظاہر ہے اللہ کسی کا محتاج کیسے ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی خود کو اللہ سے الگ کرتا ہے الگ سے وجود کا دعویدار بنتا ہے تو پھر اللہ غنی ہے یعنی اللہ اس کا محتاج نہیں اللہ اس سے اپنا کام نہیں لے گا بلکہ اللہ اپنا کام خود کرتا ہے۔ جو بھی الگ سے وجود ہونے کا دعویٰ کرے گا یعنی جو بھی اللہ سے کٹے گا اور الگ سے وجود کا دعویدار بنے گا تو وہ اللہ کا شریک ہے اللہ کا دشمن ہے اور ظاہر ہے دشمن کو اس کے مقام پر رکھا جاتا ہے نہ کہ دشمن سے اپنا کام لیا جاتا ہے۔

ذرا غور کریں اگر آپ کہیں کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ یوں تو دو وجود بن جاتے ہیں اور الصمد ہونے کے لیے تو ایک ہی وجود کا ہونا شرط ہے تو پھر کیا اللہ الصمد ہو سکتا ہے؟ پھر اللہ الصمد ہی ثابت نہیں ہوتا تو جو الصمد ثابت ہی نہ ہو وہ اللہ ہے ہی نہیں ایسا کوئی اللہ وجود ہی نہیں رکھتا بلکہ جو اللہ وجود رکھتا ہے جو اللہ ہے وہ الصمد ہے۔

مثال کے طور پر اگر آپ کہتے ہیں کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ ہے تو ذرا غور کریں کیا ایسا اللہ الصمد ثابت ہو سکتا ہے؟ یعنی اگر اللہ الگ ہے اور پانی الگ ہے اگر پانی ہٹا دیا جائے تو کیا وہ پانی کے بغیر بارش برسا سکتا ہے؟ پہلی بات کہ اگر اللہ الگ ہے اور پانی الگ تو پھر دو وجود ثابت ہو کر اللہ الصمد ہی نہیں رہتا اور اگر مان لیا جائے کہ کوئی اللہ کا شریک بنا اس نے پانی کا اللہ سے الگ وجود تسلیم کیا تو پھر اس کا مطلب ہے کہ اللہ بارش برسانے کے لیے دوسرے وجود کا محتاج ہے یوں اللہ نہ تو الصمد ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی الغنی کیونکہ یوں نہ صرف دو وجود ثابت ہو جاتے ہیں جس سے اللہ کے الصمد ہونے کا رد ہو جاتا ہے بلکہ بارش برسانے کے لیے دوسرے وجود پانی کا محتاج ہو گیا۔

اسی طرح اگر سورج الگ ہے اور اللہ الگ تو پھر پہلی بات کے اللہ الصمد ہی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ دو وجود ثابت ہو جاتے ہیں اور دوسری بات کہ اللہ زمین پر نظام چلانے کے لیے سورج کا محتاج ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ اگر سورج کو ہٹا دیا جائے تو کیا وہ سورج کے بغیر زمین کو روشن کر سکتا ہے؟ سورج کے بغیر زمین کا نظام چلا سکتا ہے؟ اگر ممکن تھا تو ایسا کیا کیوں نہیں اور اگر کر رہا ہے اس کے باوجود کہ اللہ الگ اور سورج الگ ہے تو نہ صرف ایسا اللہ الصمد ثابت نہیں ہوتا بلکہ زمین کو روشن کرنے اور نظام چلانے کے لیے سورج کا محتاج ثابت ہو جاتا ہے۔

اسی طرح آپ کسی بھی شئے کی مثال سامنے رکھ لیں اگر اللہ الگ ہے اور کائنات الگ ہے تو پھر وہ الصمد کیسے ہوا وہ تو کائنات بنانے کے لیے مادے کا محتاج ثابت ہو گیا کیوں کہ کائنات تو مادے سے وجود میں آئی اور مادہ گیسوں سے یوں گیسوں کا محتاج ثابت ہو گیا اور گیسیں نور یعنی انرجی سے یوں وہ انرجی کا بھی محتاج ثابت ہو جاتا ہے یعنی اگر اللہ الگ ہے اور نور یعنی انرجی الگ ہے تو پھر ایک تو اللہ الصمد ہی نہ ہوا کیونکہ اس کے علاوہ بھی وجود ثابت ہو جاتا ہے اور دوسرا وہ تو نور یعنی انرجی کا محتاج ثابت ہو جاتا ہے۔

اگر اللہ الگ ہے اور کائنات الگ ہے تو پھر اللہ احد یعنی ایک ہی وجود ثابت نہیں ہوتا بلکہ اللہ تو واحد ثابت ہو جاتا ہے واحد یعنی اور ایک۔ ایک ہی صورت میں اللہ احد ثابت ہوتا ہے جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ جو کچھ بھی ہے اسی ایک اللہ کا ہی وجود ہے اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں اور اگر کوئی دوسرا وجود ہونے کا دعویٰ کرے گا تو اللہ اسے برداشت نہیں کرے گا کیونکہ اللہ اپنے شریک کو برداشت نہیں کرتا کیونکہ اللہ احد ہے یعنی ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں، اللہ واحد نہیں ہے یعنی اور ایک نہیں ہے اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ تو یوں اللہ احد نہیں بلکہ واحد یعنی اور ایک ثابت ہو جاتا ہے کائنات اور ایک اللہ۔

جب آپ آسمانوں و زمین میں غور کریں گے تو آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ جو وجود ہے ایک ہی وجود ہے اور یہ ایسا وجود ہے کہ نہ تو اس کو کوئی الگ سے بنانے والا ہے نہ ہی اسے بنانے کے لیے الگ سے مواد کی ضرورت ہے بلکہ یہ وجود الصمد ہے جو کچھ بھی ہو رہا ہے یہ وجود خود ہی کر رہا ہے خود ہی ہو رہا ہے۔ مثلاً آپ کسی بھی خلق کی مثال لے لیں کسی بھی شئے میں کسی میں بھی غور کر لیں تو کوئی دوسرا سامنے آئے گا ہی نہیں خالق، مخلوق اور جس سے خلق کیا جا رہا ہے یہی وجود سامنے آئے گا۔

آم کے درخت کی ہی مثال لے لیں آم کے درخت کی تخلیق کے پیچھے بطور خالق آپ کو یہی مخلوقات ہی نظر آئیں گی سمندر، ہوائیں، بادل، سورج، چاند، زمین اور زمین کی لاتعداد مخلوقات ہی بطور خالق آپ کے سامنے آئیں گی یوں خالق بھی یہی وجود اور جو خلق ہو رہا ہے وہ بھی یہی وجود ہے اور جس سے خلق ہو رہا ہے وہ بھی یہی وجود ہے اور کچھ ہے ہی نہیں کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔ یوں اس وجود کا یعنی اللہ کا الصمد ہونا اس سوال کو بھی مٹا دیتا ہے کہ اس کائنات کو کس نے خلق کیا۔ کوئی دوسرا ہوگا تو یہ سوال پیدا ہوگا اور اگر اس کائنات میں یعنی جو وجود ہے اس میں کوئی باہر سے آ کر کچھ خلق کر رہا ہو تب یہ سوال پیدا ہوگا کہ اسے کس نے خلق کیا جب سامنے نظر آ رہا ہے کہ یہ خود ہی خالق ہے خود ہی خلق اور خود ہی وہ جس سے خلق کیا جا رہا ہے تو تمام تر سوالات ہی ختم ہو جاتے ہیں۔

آپ اسی کو ایک اور پہلو سے بھی بہت ہی آسانی سے جان سکتے ہیں مثلاً آپ کوئی بھی شئے سامنے رکھ لیں کسی بھی شئے میں غور کریں تو وہ شئے صرف اور صرف تین وجود کو ثابت کرے گی یعنی کوئی بھی شئے جب اس میں غور کیا جائے تو وہ فعل، فائل اور مفعول یعنی خلق، خالق اور مخلوق کے وجود کو ثابت کرتی ہے۔

ایک جو شئے آپ کے سامنے ہے اس کا وجود ثابت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور دوسرا وہ جس سے وجود میں آئی یعنی مواد اس کے وجود کا کسی بھی صورت انکار نہیں کیا جا سکتا اور تیسرا اس کا خالق یعنی اسے بنانے والا ثابت ہوتا ہے اس کے وجود کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔

اب اگر یہ تینوں وجود مل جاتے ہیں تو پیچھے کوئی ایسا بچتا ہی نہیں جس کا وجود ثابت ہو اور اسے تلاش کیا جائے کیونکہ صرف اور صرف یہ تین ہی وجود ثابت ہوتے ہیں۔

اب آپ اس شئے کو دیکھیں تو وہ خود موجود ہے اس لیے اس کی تلاش یہیں ختم ہو جاتی ہے پھر دوسرا وجود جس سے وہ وجود میں لائی گئی یعنی جس سے بنائی گئی وہ بھی موجود ہے یوں اس کی بھی تلاش ختم ہو جاتی ہے اب پیچھے رہ جاتا ہے صرف اور صرف ایک ہی وجود جو کہ اس کا خالق ہے فاعل ہے اگر وہ بھی مل جائے تو تلاش ختم ہو جاتی ہے اس کے علاوہ پیچھے کوئی رہتا ہی نہیں جسے تلاش کیا جائے اور اگر وہ نہیں ملتا نہیں سامنے آتا تو پھر اسے اس وقت تک تلاش کیا جائے گا جب تک کہ وہ مل نہیں جاتا۔

آسمانوں و زمین یا جو کچھ بھی موجود ہے وہ تو بالکل سامنے ہے اور جس سے یہ سب خلق ہوا ظاہر ہے وہ بھی ان سب کی صورت میں سامنے ہے پیچھے رہ جاتا ہے ان کا خالق اب اسے تلاش کرنا ہے اور اگر وہ مل جائے تو تلاش ختم ہو جائے گی۔ اب آپ آسمانوں و زمین میں کہیں بھی غور و فکر کر لیں خواہ آپ اپنی ہی ذات میں غور و فکر کر لیں یا کسی بھی خلق میں تو آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ خالق بھی بذات خود یہی وجود ہی سامنے آئے گا نہ کہ اس کے علاوہ کوئی

اور جو باہر سے آ کر خلق کر رہا ہے۔
مثلاً بارشیں برستی ہیں تو ظاہر ہے ان کا برسانے والا بھی کوئی ہے تو جب آپ بارشوں کے برسنے کے پیچھے جھانک کر دیکھیں کہ ان کو برسانے والا کون ہے تو یہی وجود ہی سامنے آئے گا۔
ایسے ہی آپ کسی بھی پودے یا فصل کے خالق کو جاننے کے لیے اس میں غور وفکر کریں تو اس کے خالق کے طور پر بھی آپ کو یہی وجود جو مخلوقات نظر آ رہی ہیں یہی سامنے آئے گا، سمندر اپنی ذمہ داری کو پورا کرتے ہیں، ہوائیں اپنی ذمہ داری، فضا اپنی ذمہ داری، زمین اپنی ذمہ داری زمین میں لاتعداد مخلوقات اپنی اپنی ذمہ داری ادا کرتی ہیں، سورج اور چاند اپنی اپنی ذمہ داری کو پورا کرتے ہیں ان کے پیچھے موجود مخلوقات اپنی اپنی ذمہ داری کو پورا کرتی ہیں تو نہ صرف بارشیں برستی ہیں بلکہ ان سے نباتات بھی وجود میں آتی ہیں یوں جب آپ غور وفکر کریں گے تو یہی کُل کا کُل پورا وجود ہی آپ کے سامنے آئے گا بطور خالق نہ کہ کوئی ایسی ذات سامنے آئے گی جو باہر سے آ کر کچھ کر رہی ہے۔
یوں تینوں وجود بالکل کھل کر سامنے آ گئے تو پیچھے تلاش کس کو کیا جائے گا؟ تلاش تو اسے کیا جاتا ہے پہلی شرط کہ اس کا وجود ثابت ہو اور دوسری شرط کہ وہ حاضر کی بجائے غائب ہو اور اگر جس کا بھی وجود ثابت ہے وہ سب کا سب سامنے ہے تو پھر پیچھے تلاش کسے کیا جائے گا؟ تلاش تو ختم ہو جاتی ہے اور اگر اس کے باوجود بھی کوئی تلاش کرتا ہے تو وہ جان لے کہ وہ اسے تلاش کر رہا ہے جس کا کوئی وجود ہے ہی نہیں سوائے اس کے دماغ میں ایک تصور یا پھر عقیدے و نظریے کے۔
ان تینوں کو ایک کیا جائے تو یہ ہے " اَللّٰهُ الصَّمَدُ " یعنی نہ صرف ایک ہی وجود ہے بلکہ خالق، خلق اور مخلوق خود ہی ہے کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔
اب آگے دیکھیں لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ.
لَمْ ہرگز نہیں کسی بھی صورت نہیں بالکل نہیں يَلِدْ
آگے بڑھنے سے پہلے یلد یولد میں اصل لفظ " لد " کو سمجھ لیں " لد " کے معنی ہیں ایک وجود کا دوسرے سے الگ ہونا یعنی ایک سے دوسرا وجود وجود میں آنا۔
لَمْ يَلِدْ بالکل نہیں کسی بھی صورت نہیں ہرگز نہیں اس نے خود سے کوئی وجود الگ کیا یعنی وہ کوئی دوسرا وجود وجود میں لایا ہی نہیں وَلَمْ يُوْلَدْ اور نہ ہی وہ کسی سے الگ ہوا یعنی نہ ہی ایسا ہے کہ کوئی دوسرا وجود ہے جس سے اللہ وجود میں آیا۔ ظاہر ہے جب ایک ہی وجود ہے تو پھر یلد ولد کا تو تصور ہی ختم ہو جاتا ہے اگر کوئی اس کے باوجود دوسرے وجود کا دعویدار ہوگا تب ہی یہ کہا جائے گا لَمْ يَلِدْوَلَمْ يُوْلَدْ.

اب ذرا غور کریں اگر آپ یہ عقیدہ و نظریہ رکھتے ہیں کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ اور پھر آپ سے سوال کیا جائے کہ کائنات کو کس نے وجود دیا تو آپ جواب دیں گے اللہ نے تو یوں آپ اپنی زبان سے یہ دعویٰ کر رہے ہیں اقرار کر رہے ہیں کہ اللہ احد نہیں بلکہ واحد ہے اللہ الصمد نہیں ہے اور اللہ نے یلد کیا یعنی اللہ نے ایک دوسرا وجود وجود میں لایا۔ ظاہر ہے جب آپ یہ کہیں گے کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ اور اس کائنات کو الگ سے یعنی بطور دوسرا وجود وجود میں لانے والا اللہ ہے تو اسے عربوں کی زبان میں یلد کہا جائے گا۔
قرآن میں اللہ کہہ رہا ہے لم یلد لیکن آپ ماننے کو تیار ہی نہیں اور جب آپ اللہ کو جاننے کے لیے اللہ کو پانے کے لیے اللہ میں جہاد کریں یعنی اللہ کو پانے کے لیے اللہ میں اپنی پوری کوشش کریں تو آپ پر یہ بات واضح ہو جائے گی لم یلد ولم یولد یعنی پہلی بات تو یہ ہے کہ ایک ہی وجود ہے جب ایک ہی وجود ہے تو دوسرے وجود کا کوئی تصور ہی نہیں اس لیے یلد ولد کیسے ہو سکتا ہے؟ اور جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے جب اس میں غور کریں گے تو آپ پر یہ بات کھل کر واضح ہو جائے گی کہ یہ وجود ہے ہی الصمد خود کا رہے خود ہی ہے اور کوئی ہے ہی نہیں اس لیے واحد یا پھر یلد ولد کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور پھر یہ بھی کہ اس کو کس نے خلق کیا یہ بھی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا اور اگر پہلے علم نہ ہونے کی بنیاد پر یہ سوال موجود تھا تو یہ سوال مٹ جاتا ہے کالعدم ہو جاتا ہے۔
اس کے باوجود اگر آپ اپنے آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد و نظریات پر ڈٹے رہیں گے اور یہی کہیں گے کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ اور اس کائنات کو اللہ نے الگ وجود دیا تو آپ یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ اللہ نے ولد اخذ کر لیا تو دیکھیں اللہ نے قرآن میں آپ کے اس بہتان کی جگہ جگہ کتنی سختی

کیساتھ تردید کی ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ لَّهٗ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ. البقرة ۱۱۶

وَقَالُوا یہ حال کا صیغہ ہے اس موجودہ وقت کی بات ہو رہی ہے جس میں آج آپ موجود ہیں۔ اس وقت دنیا میں جو انسان موجود ہیں ان سے اللہ کلام کر رہا ہے یہ لوگ جہاں باقی سب میں اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں اختلاف کر رہے ہیں وہیں اللہ کے بارے میں بھی کہہ رہے ہیں اتَّخَذَ تین الفاظ کا مجموعہ ہے شروع میں الف ہے جو کہ سوالیہ بنا دیتا ہے آگے '' ت '' ہے جو کائنات یعنی جو کچھ بھی وجود رکھتا ہے اس کا اظہار کر رہی ہے اگلا لفظ ہے '' خذ '' جس کے معنی ہیں اخذ کرنا یعنی یہ کہا جا رہا ہے یہ جو کائنات ہے جو بھی وجود ہے یہ کیا ہے اللّٰهُ وَلَدًا اللہ ہے اس نے ولد اخذ کر لیا یعنی اس وقت جو لوگ دنیا میں آباد ہیں یہ اپنے قول وفعل سے یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہہ رہے ہیں کہ اللہ نے اس کائنات کو الگ سے وجود دیا، اللہ الگ ہے اور کائنات الگ۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا اور کہہ رہے ہیں کہ اللہ نے ولد اخذ کر لیا یعنی اللہ نے اس کائنات کو الگ سے وجود دیا ہے اللہ الگ ہے اور یہ کائنات اللہ الگ سے وجود میں لایا ہے اس لیے یہ کائنات الگ ہے ان کی اس بات کے رد میں اللہ کا کہنا ہے سُبْحٰنَهٗ یہ جملہ چار الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ ہے '' سبح '' دوسرا '' ا '' تیسرا '' ن '' اور چوتھا گول والی '' ہ '' پر پیش ہے۔

سبح کے معنی ہیں جو بھی کرنے کا کہا جا رہا ہے اس پر فوری تیزی کیساتھ اسی طرح عمل کیا جا رہا ہے اور آگے الف کے معنی ہیں جو کچھ بھی موجود ہے کُل کا کُل، یعنی جو کچھ بھی موجود ہے کُل کا کُل جو بھی حکم دیا جا رہا ہے جو بھی کرنے کو کہا جا رہا ہے اسے فوری تیزی کیساتھ کر رہے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون ہے؟ کون حکم دے رہا ہے؟ اور کون عمل کر رہا ہے؟ تو آگے اسی کا جواب ہے '' ن '' یعنی ہم اللہ خود کو کہہ رہا ہے اور کیا ہے اللہ آگے اسی کا جواب ہے گول والی '' ہٗ '' پر پیش یعنی یہ جو وجود تمہیں نظر آ رہا ہے یہ کوئی الگ وجود نہیں ہے بلکہ اللہ ہی کا وجود ہے اور تم جو کہہ رہے ہو اللہ الگ ہے اور یہ کائنات الگ ہے اور آسمانوں وزمین میں چھیڑ چھاڑ کر رہے ہو یہ کوئی الگ وجود نہیں ہے بَلْ لَّهٗ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بلکہ جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے اسی وجود کا ہے جو وجود موجود ہے جو ذات اپنا وجود رکھتی ہے جو کچھ بھی تمہیں نظر آ رہا ہے یعنی جیسے آپ کے جسم میں جتنے بھی اعضاء ہیں یہ آپ کے ہیں اور آپ کے تمام اعضاء آپ ہی کے لیے کام کرتے ہیں مثلاً ہاتھوں کا کام ہے اپنے ہی وجود کی دیکھ بھال کرنا وجود کو کوئی نقصان نہ پہنچے وجود کی ضروریات اسے مہیا کرنا، آنکھوں کا کام ہے وجود کے لیے دیکھنا اسی طرح زبان کا کام ہے اپنے ہی وجود کی ترجمانی کرنا جیسے آپ کہتے ہیں یہ زبان میری ہے یہ ہاتھ میرے ہیں لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ یہ ہاتھ، پاؤں، زبان یا باقی اعضاء وجود سے الگ ہیں یا الگ سے اپنا کوئی وجود رکھتے ہیں بالکل اسی طرح جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے یہ سب کا سب اللہ ہی کا ہے اسی کا وجود ہے كُلٌّ لَّهٗ تمام کا تمام جو کچھ بھی موجود ہے یعنی آسمانوں وزمین میں جو کچھ بھی ہے اسی وجود کا ہی ہے قٰنِتُوْنَ یہ جو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے ان کیساتھ چھیڑ چھاڑ کی جا رہی ہے ان کے ساتھ ظلم کیا جا رہا ہے ان کو ان کے مقامات سے ہٹایا جا رہا ہے جس وجہ سے انہیں طرح طرح کی اذیتوں کا سامنا ہے تکالیف کا سامنا ہے ہم ہیں قناعت کر رہے یعنی اللہ خود کہہ رہا ہے کہ یہ میں ہوں جو قناعت کر رہا ہوں۔ جیسے کہ آپ اس وقت آسمانوں اور زمین میں جتنی بھی مخلوقات ہیں ان کو دیکھیں ان کیساتھ جو ظلم وزیادتیاں انسان کر رہا ہے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے ہوئے فساد کی وجہ سے تو بدلے میں مخلوقات صبر کر رہی ہیں برداشت کر رہی ہیں کوئی شکوہ وشکایت نہیں کر رہیں یہ ہے ان کا قناعت کرنا اور اللہ کہہ رہا ہے یہ میں قناعت کر رہا ہوں آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے یہ میرا وجود ہے۔

اب آپ خود غور کریں انسان جو آسمانوں اور زمین میں چھیڑ چھاڑ کر رہے ہیں فساد کر رہے ہیں تمام مخلوقات کا غلط استعمال کر رہے ہیں انہیں ان کے مقامات سے ہٹا رہے ہیں وہ کیا کہتے ہیں کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا وجود ہے، ہم اللہ سے دشمنی کر رہے ہیں یا پھر ان کا کہنا یہ ہے کہ اللہ الگ ہے اور یہ کائنات الگ ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے ہمارے لیے ہی خلق کیا گیا ہے اس لیے ہم جو جی چاہیں ان کیساتھ کریں اور کر رہے ہیں۔ جب انسانوں کا دعویٰ یہ ہے تو ظاہر ہے اللہ انسانوں کے اس دعوے کی تردید کر رہا ہے کہ اگر اللہ الگ ہے اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے یہ الگ ہے تو یہ اللہ کا ولد اخذ کرنا ہے اور اللہ نے ولد اخذ نہیں کیا یعنی اللہ نے کوئی الگ سے وجود وجود میں لایا ہی نہیں اس کے سوا کوئی وجود ہے ہی نہیں ایک ہی وجود ہے جو کہ اللہ ہے اس کے علاوہ کوئی ہے ہی نہیں اس کا شریک یعنی کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ هُوَ الْغَنِيُّ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ. قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ. یونس ۶۸، ۶۹

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ اس وقت دنیا میں جو انسان موجود ہیں جن سے اللہ خطاب کر رہا ہے جو قرآن کے مخاطب ہیں یعنی وہ جو خود کو مسلمان کہلوا رہے ہیں یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ نے ولد اخذ کر لیا یعنی کائنات الگ ہے اور اللہ الگ ہے اللہ نے اس کائنات کو الگ سے وجود دیا ہے لیکن ان کے برعکس اللہ ان کی بات کا رد کرتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ اللہ اس سے پاک ہے کہ وہ ولد اخذ کرے یعنی اس نے کوئی الگ سے وجود وجود میں نہیں لایا هُوَ الْغَنِيُّ ھُوَ کیا ہے یہ آپ پیچھے جان چکے یہاں کہا جا رہا ہے کہ ھُوَ الغنی ہے یعنی جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے جو بھی وجود رکھتا ہے اور اور کرتے جائیں جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے گا تو جو وجود سامنے آئے گا اللہ ہے اللہ الغنی ہے یعنی ھوالغنی ہے جس کا مطلب ہے کہ یہ ھو ہی ہے جو ہر کام خود ہی کر رہا ہے وہ کسی دوسرے کا محتاج ہے ہی نہیں نہ وہ اپنا کام کسی دوسرے وجود سے کرواتا ہے اول تو کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں اور اگر کوئی دوسرا وجود ہونے کا دعویدار بنے گا تو ھوالغنی ہے وہ اس سے اپنا کام نہیں لے گا بلکہ وہ شریک ہونے کا دعویدار ہے تو اس کیساتھ شریکوں والا ہی سلوک کیا جائے گا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ ہے آسمانوں و زمین الگ ہیں جو کچھ بھی ان میں ہے یہ الگ ہے تو پھر اس کا مطلب کہ اللہ الغنی نہیں بلکہ اللہ تو ہر کام کے لیے ان مخلوقات کا ہی محتاج ہے؟ یوں جو یہ کہتے ہیں کہ یہ کائنات الگ ہے اور اللہ الگ وہ اپنے قول و فعل سے اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ الغنی نہیں بلکہ اللہ فقیر ہے لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے اسی کا ہے یعنی جیسے آپ کہتے ہیں یہ ہاتھ میرے ہیں زبان میری ہے بالکل ایسے ہی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے یہ اللہ کا ہی وجود ہے اور اگر کوئی الگ سے وجود ہونے کا دعویدار ہوگا تو اسے حق نہیں ہے کہ وہ شریک بنے اس کے باوجود اگر وہ اللہ کا شریک بنتا ہے یا شریک ٹھہراتا ہے تو اللہ اپنا شریک برداشت نہیں کرتا یعنی جو وجود ہے یہ وجود اپنا شریک برداشت نہیں کرتا اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا یہ جو بھی کہہ رہے ہیں کہ کائنات الگ ہے اور اللہ الگ ہے جو اوپر آسمانوں میں موجود ہے ان کے پاس اپنی بات کو سچا ثابت کرنے کے لیے کوئی سلطان نہیں یعنی ان کے پاس ایسا کچھ ہے ہی نہیں کہ جس سے یہ اپنی بات کو سچا ثابت کر سکیں جب ان کے پاس ایسا کچھ ہے ہی نہیں جس سے یہ اپنی بات کو سچا ثابت کر سکیں تو پھر اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ کیوں اللہ پر ایسی باتیں کہہ رہے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں دیا جا رہا یعنی جن سے تم ہدایت کے لیے رجوع کر رہے ہو جو تمہارے آباؤ اجداد ہیں جو تمہارے ملاں ہیں جب اللہ کے بارے میں تمہیں علم دے ہی نہیں رہے وہ خود تمہیں کہہ رہے ہیں کہ اللہ کے بارے میں سوال مت کرو اللہ کے پیچھے مت پڑو اللہ کو مت جانو تو تم کون ہوتے ہو اللہ پر بات کرنے والے؟ ظاہر ہے جب نہ تو خود تمہارے پاس اللہ کے بارے میں علم ہے اور نہ ہی تمہاری راہنمائی کے دعویدار جن کے پیچھے تم چل رہے ہو وہ تمہیں اللہ کے بارے میں علم دے رہے ہیں بلکہ وہ تو الٹا تمہیں روک رہے ہیں کہ اللہ کے بارے میں سوچنا بھی مت ورنہ تمہیں طرح طرح کے فتوؤں سے ڈراتے ہیں اور تم اللہ کے بارے میں کچھ بھی نہیں جان رہے تو پھر تم یہ جو بغیر علم کے اللہ پر باتیں کیے جا رہے ہوں کیوں ایسا کر رہے ہو؟ کس نے تمہیں یہ حق دیا؟ کس بنیاد پر ایسا کر رہے ہو؟ کیا تمہارے پاس تمہاری کسی ایک بھی بات کا ثبوت ہے؟ نہیں ہے تمہارے پاس کسی ایک بھی بات کا ثبوت جو تمہاری کسی ایک بھی بات کو سچا ثابت کر سکے جو تم اللہ پر کہہ رہے ہو۔

آپ خود بھی یہ مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ ایسے جتنے بھی لوگ ہیں جو حق کی مخالفت کر رہے ہیں ان سے پوچھ لیں کہ اللہ کیا ہے تو ان کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہوگا اور اگر اپنی طرف سے کوئی جواب دیں گے بھی تو اس پر لاتعداد سوالات پیدا ہو جائیں گے جن کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔ انہی لوگوں کو کہا جا رہا ہے جب تمہیں اللہ کے بارے میں علم دیا ہی نہیں جا رہا تو پھر تم کیوں اللہ پر بات کر رہے ہو اللہ کے بارے میں حق سامنے لایا جاتا ہے تو کیوں بغیر علم کے جھگڑ رہے ہو۔

قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ اللہ اپنے بھیجے ہوئے کو کہہ رہا ہے یعنی آج اس وقت اللہ اپنے رسول احمد عیسیٰ کو کہہ رہا ہے جس کے ذریعے اس وقت اللہ انسانوں سے کلام کر رہا ہے کہ انہیں کہو اس میں کچھ شک نہیں ایسے لوگ جو افتراء کر رہے ہیں اللہ پر جھوٹ کذب وہ بالکل فلاح نہیں پا رہے۔

ظاہر ہے جب آپ کو اللہ کے بارے میں علم ہی نہیں تو آپ کیوں اللہ پر افترا کر رہے ہیں؟ اللہ سے منسوب کر کے طرح طرح کی باتیں گھڑ رہے ہیں؟ اللہ کے بارے میں جب کچھ علم ہی نہیں تمہارے پاس تو تم اللہ کی نمائندگی کے دعویدار کیسے بنے ہوئے ہو؟ اب بھی تمہارے پاس وقت ہے رجوع کر لو ورنہ کبھی بھی فلاح نہیں پاؤ گے نہ صرف دنیا میں تمہارے لیے ہلاکت ہے بلکہ آخرت میں بھی تمہارے لیے ہلاکت ہے۔

اگلی آیت جس کا یہاں ذکر نہیں کیا جا رہا اس میں اللہ نے یہ بات واضح کر دی کہ یہ اللہ پر جو افتراء کر رہے ہیں دنیاوی متاع کے لیے ایسا کر رہے ہیں صرف اور صرف دنیاوی مال و متاع کی خاطر یہ اس گدی پر بیٹھے ہوئے ہیں اللہ کے نمائندے بن کر انسانیت کی راہنمائی کے دعویدار بنے ہوئے ہیں۔

پھر یہی بات کہ اللہ نے کوئی الگ سے وجود وجود میں نہیں لایا اس کا ذکر سورۃ الاسراء یعنی بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۱۱۱ میں بھی کیا ہے۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِىٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا

الاسراء ۱۱۱

اللہ اپنے رسول یعنی اپنے بھیجے ہوئے کو جس کے ذریعے اللہ آج اس وقت انسانوں سے کلام کر رہا ہے یعنی انسانوں سے بات کر رہا ہے آج اس وقت انسانوں پر سب کچھ کھول کھول کر واضح کر رہا ہے انسانوں پر اپنی حجت کر رہا ہے جو بشر اس وقت انسانوں تک اللہ کا پیغام کھول کھول کر پہنچا رہا ہے اللہ اسے کہہ رہا ہے وَقُلِ اور انہیں کہہ الْحَمْدُ لِلّٰهِ اللہ کے لیے ہے، ہی حمد یعنی اللہ جو بھی کرتا ہے اس میں رائی برابر بھی کوئی نقص کمی کجی کوتاہی یا عیب وغیرہ نہیں ہوتا اللہ کا ہر کام ہر لحاظ سے مکمل اور پرفیکٹ ہوتا ہے اب اگر آپ یہ کہیں کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ تو ذرا غور کریں کائنات اللہ تو نہ ہوئی جب کائنات اللہ نہیں تو دیکھیں اس کائنات میں جو کچھ بھی خلق ہو رہا ہے وہ کیسے خلق ہو رہا ہے کون خلق کر رہا ہے؟ کیا یہی مخلوقات ہی خالق کی صورت میں سامنے نہیں آئیں گی؟ جب یہی مخلوقات ہی خالق کی صورت میں سامنے آئیں گی تو پھر اللہ کہاں گیا؟ دوسری بات جہاں تک تمہاری پہنچ ہے وہاں تک غور کرو جو بھی وجود میں آیا اسی کائنات نے خود ہی وجود میں نہیں لایا؟ جب اسی وجود نے خود ہی وجود میں لایا ہے اور یہ اللہ بھی نہیں تو اس میں حمد کہاں سے آ گئی کیوں کہ حمد تو صرف اور صرف ہے ہی اللہ کے لیے۔ آپ جب غور وفکر کریں گے تو آپ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے الَّذِىْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا یہی وجود ہی وہ ذات ہے یعنی اللہ ہے اس کے علاوہ کوئی وجود ہے ہی نہیں اللہ نے کوئی دوسرا وجود وجود میں لایا ہی نہیں ایک ہی وجود ہے جو نظر آ رہا ہے یہی ذات ہی اللہ ہے نہ کہ اس کے علاوہ کوئی الگ سے اللہ ہے۔ اور مزید یہ بھی کہنے پر مجبور ہو جائیں گے وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ اور ہرگز نہیں ہے کہ ہو اس کا شریک اس کے ملک میں۔ جیسے آپ کا وجود آپ کی مِلک ہے آپ اپنے وجود کے مالک ہیں آپ کا وجود آپ کا مُلک کہلائے گا بالکل اسی طرح جو وجود ہے یعنی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے یا جو بھی وجود ہے یہ اسی کی مِلک ہے یعنی اسی کی ملکیت ہے یہ خود ہی ہے اگر کوئی اس میں شریک بنے گا یعنی اگر کوئی فطرت سے بغاوت کرتا ہے اس کا شریک بنتا ہے تو اس کے لیے ہے ہی نہیں کہ وہ اس وجود کا شریک بن سکے یہ وجود یہ فطرت اسے قطعاً برداشت نہیں کرے گی یہ وجود جو کہ اللہ کا وجود ہے اللہ اپنے وجود میں اپنا شریک قطعاً برداشت نہیں کرتا۔

کوئی بھی اگر فطرت کی ضد بنتا ہے تو یہ اس وجود کا شریک بنتا ہے یہ جو وجود ہے جو بھی آپ کو نظر آ رہا ہے یہ ضد بننے والے کو کالعدم کر دیتا ہے اس کا نام ونشان مٹا دیتا ہے یہ وجود صرف اور صرف اسی کا وجود برداشت کرتا ہے جو اس کا اپنا وجود ہے جو اپنے وجود کے تابع رہے گا۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِىٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا اور ہرگز نہیں اس کو کہ ہو جائے اس کا ولی یعنی اس کے مقصد ومشن میں اس کا معاونت کار پست سے اور جو بڑا ہو خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو رہا ہو یعنی اگر کوئی اس وجود کا شریک بنتا ہے اس کی ضد بنتا ہے اس کے خلاف چلتا ہے تو اس کا جو بھی مقصد ومشن ہے اس میں کوئی پست سے پست ہو یا بڑے سے بڑا خواہ کوئی کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اس کے مقصد ومشن میں اس کی معاونت نہیں کر سکتا کہ وہ فطرت کے مقابلے پر قائم رہ سکے وہ اس وجود اللہ کے مقابلے پر ٹھہر سکے۔

یہی اللہ نے قرآن کے ایک اور مقام پر بھی واضح کر دیا۔

الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا۔ الفرقان ۲

الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا یہی وجود ہی وہ ذات ہے جس کا ملک ہے یعنی جس کی ملکیت ہے جس کا وجود ہے آسمان اور زمین اور ہرگز نہیں اخذ کیا کچھ بھی کوئی ایک بھی ولد یعنی کوئی ایک بھی خلق یا کچھ بھی ایسا نہیں ہے جو دوسرے وجود کی حیثیت سے وجود میں لایا گیا ہوا یک ہی وجود ہے جو وجود ہے اللہ ہے اللہ نے کوئی بھی الگ سے وجود وجود میں نہیں لایا وَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ اور نہ ہی کوئی ایسا ہے کہ اس کے لیے ہو جائے کہ وہ اس کے ملک میں شریک بن سکے یعنی جو کچھ بھی وجود رکھتا ہے یہ ایک ہی وجود ہے کوئی دوسرا وجود نہیں اگر کوئی اس کا شریک بننے کی کوشش کرے گا یعنی دوسرا وجود ہونے کا دعویدار بنے گا تو اس کے لیے ہے ہی نہیں کہ یہ وجود اسے بطور ایک دوسرے وجود کے برداشت کرے فطرت اسے کالعدم کردے گی جو بھی فطرت سے مطابقت رکھنے کی بجائے اس کی ضد بنے گا تو فطرت اس کا نام ونشان مٹادے گی فطرت یہ وجود جو کہ اللہ ہے اللہ کوئی دوسرا وجود برداشت کرتا ہی نہیں۔ کوئی بھی ایسا نہیں کہ جو اللہ کے وجود میں اپنی من مانیاں کرے اور قائم رہ سکے ایسا ممکن ہی نہیں کیونکہ وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا اور تمام کی تمام اشیاء یعنی جو کچھ بھی ہے پس سب کا سب پورے حساب کتاب یعنی پوری کیلکولیشن سے خلق ہورہا ہے خلق ہوا ہے پوری میتھ میٹکس سے انتہائی پیچیدگیوں سے باریکیوں سے سب کا سب نظام چل رہا ہے یعنی یہ کائنات یہ وجود جو کہ اللہ ہے آپ کو اپنے آپ میں ایک دماغ نظر آئے گا جو انتہائی ذہین دماغ ہے جو رائی برابر بھی کہیں فرق نہیں کرتا جو کچھ بھی ہورہا ہے پوری کیلکولیشن سے ہورہا ہے اب اگر کوئی اس کیلکولیشن کے خلاف چلے گا اس کے رائی برابر بھی خلاف کرے گا تو ظاہر ہے یہ وجود اسے برداشت نہیں کرے گا۔

ایسی ہی مزید آیات ہیں جن میں اللہ نے مزید مختلف پہلوؤں سے یہ بات واضح کردی ہے کہ اللہ نے ولد اخذ نہیں کیا یعنی یہ جو انسان کہہ رہے ہیں کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ اور جب ان سے سوال کیا جاتا ہے کہ کائنات کو کس نے وجود دیا تو پھر کہتے ہیں کہ اللہ نے تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ نے یلد کیا یعنی اللہ نے اپنے علاوہ الگ سے وجود وجود میں لایا جس کو عربوں کی زبان میں یلد کہتے ہیں خود سے الگ وجود وجود میں لانا۔ اللہ نے یلد نہیں کیا یعنی کوئی دوسرا وجود وجود میں لایا ہی نہیں ایک ہی وجود ہے اور جو وجود ہے اللہ ہے اس کے علاوہ کوئی اور ہے ہی نہیں اس لیے اگر کوئی اس کا شریک بنے گا کسی بھی صورت میں یعنی اس وجود سے الگ وجود ہونے کا دعویدار بنے گا اس کی ضد بنے گا تو اس کو اللہ برداشت نہیں کرے گا یعنی یہ وجود اسے برداشت نہیں کرے گا فطرت اسے برداشت نہیں کرے گی فطرت اسے کالعدم کردے گی۔

اب اس کے باوجود بھی اگر آپ یہ کہیں کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ تو پھر آپ نہ صرف اللہ کے احد ہونے کا کفر کررہے ہیں آپ کا کہنا ہے کہ ایک ہی وجود نہیں بلکہ دو یا تین وجود ہیں ایک کائنات، ایک جس سے کائنات وجود میں آئی اور ایک اللہ جس کو عربوں کی زبان میں کہا جائے گا اللہ واحد یعنی اللہ اور ایک ہے، اللہ کے علاوہ اور وجود بھی ہیں۔ حالانکہ اللہ نے سختی کیساتھ اس بات کی نفی کردی کہ اللہ کے علاوہ بھی کوئی وجود ہے ایک ہی وجود ہے جو کہ اللہ ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا وجود نہیں ہے اس کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں۔

اس کے علاوہ آپ اللہ کے الصمد ہونے کا کفر کررہے ہیں اس کے علاوہ آپ اللہ کے یلد ولد کا دعویٰ کررہے ہیں اب آپ سوچ لیں آپ کہاں کھڑے ہیں۔

پھر آگے آجاتی ہے سورۃ اخلاص کی آخری آیت وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ اور ہرگز نہیں اس کے لیے کہ وہ احد کافی ہوجائے یعنی جو بھی یہ دعویٰ کرے کہ میں اللہ ہوں تو دیکھو کیا وہ احد ثابت ہوجاتا ہے یا اگر کوئی جسے بھی اللہ کہتا ہے کہتا ہے کہ فلاں اللہ ہے، ایشور ہے گاڈ ہے تو جسے بھی اللہ ایشور یا گاڈ کہا جارہا ہے دیکھو کیا وہ احد ثابت ہوجاتا ہے؟ جو احد ثابت نہیں ہوتا وہ اللہ ہے ہی نہیں کیونکہ اللہ کے علاوہ کوئی احد کافی ہو ہی نہیں سکتا اس لیے جو احد ثابت ہوجائے یعنی ایک ہی وجود اس کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں جو ایک ہی وجود ثابت ہوجائے وہی اللہ ہے۔

آپ نے جان لیا کہ سورۃ اخلاص اللہ کے موضوع کو کس قدر کھول کھول کر واضح کردیتی ہے سورۃ اخلاص سے بالکل کھل کر واضح ہوگیا کہ اللہ کیا ہے اللہ پر اٹھنے والے تمام سوالات کا دروازہ بند ہوگیا اس کے باوجود ہم مزید اور پہلوؤں سے آپ پر اللہ کو واضح کرتے ہیں۔

لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. البقرۃ ۲۵۵

لَ کا ہُ جو موجود ہے جو وجود موجود ہے مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے۔

جو وجود موجود ہے اسی کا ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے یہی بات باقی درج ذیل آیات میں بھی کہی گئی۔

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ. النساء ۱۷۱

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ. یونس ۶۸

وَلَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. النحل ۵۲

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا. طٰهٰ ۶

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. الانبیاء ۱۹

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ. الحج ۶۴

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. الروم ۲۶

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ. الشوریٰ ۴

لَــهُ جملہ ہے جو کہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے ان میں پہلا لفظ '' ل '' پر زبر ہے '' لَ '' جس کے معنی ہیں کا، کی، کو وغیرہ اور دوسرا لفظ ہے گول والی '' ہ '' پر پیش '' ہُ ''۔ لَــــهُ میں گول والی '' ہُ '' پر پیش سے اس کا معنی بنتا ہے کہ اس کا ذکر کیا جا رہا ہے جو وجود موجود ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون موجود ہے جب آپ غور کریں گے دیکھیں گے اپنے ارد گرد غور کریں گے تو آپ کو نظر آئے گا کہ آپ موجود ہیں اور پھر صرف آپ ہی نہیں بلکہ اور بھی بہت کچھ موجود ہے جیسے کہ درخت اور پہاڑ اور سمندر اور زمین اور چاند اور سورج سمیت جہاں تک آگے جایا جا سکتا ہے یہ ایک ہی وجود کی صورت میں سامنے آئے گا جیسے کہ ایک ہی وجود کے ہی تمام کے تمام اعضاء ہیں۔ اب جب کہ جو نظر آ رہا ہے یہی وجود موجود ہے تو پھر جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے یہ کس کا ہے؟ کیا کسی اور کا ہے؟ اگر کسی اور کا ہوتا تو آیت میں گول والی '' ہُ '' پر پیش کا استعمال نہ کیا جاتا کیونکہ گول والی '' ہُ '' پر پیش اس کا اظہار کر رہی ہے اس کا ذکر کر رہی ہے اس کی طرف اشارہ کر رہی ہے جو وجود موجود ہے جب آیات میں دوٹوک الفاظ میں کہا جا رہا ہے کہ جو وجود موجود ہے اسی کا ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے تو پھر اگر کوئی اس کے باوجود بھی بات کو اِدھر اُدھر لے جانے کی کوشش کرتا ہے تو ایسا کرنے والا کوئی مشرک ہی ہو سکتا ہے جو حق کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کی اتباع کو ہی حق کا نام دینے کی کوشش کر رہا ہے وہ فاسق ہی ہو سکتا ہے جو اللہ کی بات کو بدلنے کی کوشش کر رہا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم تو آج تک یہ سنتے آئے کہ جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے یہ اللہ کا ہے تو کیا یہ سب اللہ کا نہیں ہے؟ تو اس سوال کا جواب بالکل واضح ہے کہ اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ یہ جو وجود نظر آ رہا ہے یہ الگ ہے اور اللہ الگ ہے جو کہ اللہ لفظ کے پردے میں اللہ آپ کے عقیدے ونظریے کا نام ہے تو پھر ایک ہی بات حق ہے یا تو آپ سچے ہیں اور قرآن جھوٹا ہے جو وجود موجود ہے جو نظر آ رہا ہے وہ حق نہیں بلکہ اس کے برعکس محض آپ کے دماغ کا تخیل آپ کے دماغ کی اختراع جس کا حقیقت میں کوئی وجود ہی نہیں جو محض اللہ کے نام پر من گھڑت عقیدہ ونظریہ ہے وہ حق ہے یا پھر آپ کا تخیل آپ کے دماغ کی اختراع اللہ کے نام پر آپ کا عقیدہ ونظریہ بے بنیاد و باطل ہے جس کا حق کیساتھ کوئی تعلق نہیں اور اس کے برعکس جو وجود موجود ہے وہی حق ہے قرآن سچا ہے۔

بلا شک وشبہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اللہ کا ہے لیکن اللہ وہ نہیں جسے آپ نے اپنے دماغوں میں اللہ کے نام پر عقیدہ ونظریہ اخذ کیا ہوا ہے بلکہ یہ آیات بذات خود کھول کھول کر واضح کر رہی ہیں کہ اللہ کسی عقیدے ونظریے کا نام نہیں بلکہ اللہ تو یہی وجود ہے جو وجود موجود ہے جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے اسی کا وجود ہی نظر آ رہا ہے اس کے علاوہ کوئی اور ہے ہی نہیں کوئی دوسرا ہے ہی نہیں ایک ہی وجود ہے اور جو وجود ہے اللہ ہی ہے نہ کہ کوئی دوسرا اور اسی بات کو درج ذیل آیت میں بالکل کھول کر واضح کر دیا۔

اللّٰهِ الَّذِیْ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ. ابراھیم ۲

اللہ وہ ذات ہے جو وجود موجود ہے، جو وجود موجود ہے اسی کا ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے۔

اس آیت میں مزید کھول کر واضح کر دیا گیا کہ جو وجود ہے جو موجود ہے وہی اللہ کی ذات ہے اللہ ہی ہے یعنی آپ کو جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا

ہے جب یہ اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے تو ظاہر ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے یہ اللہ ہی کا تو ہے بالکل ایسے ہی جیسے آپ کے جسم کے تمام اعضاء آپ کے ہیں آپ کے وجود میں ہاتھ آپ کے ہیں آپ کے وجود میں پاؤں آپ کے ہیں آپ کے وجود میں جو کچھ بھی ہے آپ کا ہی ہے۔

یہاں تک حق اس قدر کھل کر واضح ہو جانے کے باوجود بھی اہل العقائد یہ اعتراض کھڑا کر سکتے ہیں کہ جو کچھ بھی آسمانوں اور جو کچھ بھی زمین میں ہے اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ یہ اس طرح اللہ کا ہے جیسے کہ ہمارے وجود میں تمام اعضاء ہمارے ہیں بلکہ یہ کائنات الگ ہے اور اللہ الگ ہے جیسے ہم کسی شیئے کو بناتے ہیں، لاتے ہیں یا خریدتے ہیں تو ہم کہتے ہیں یہ ہماری ہے بالکل ایسے ہی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے یہ اللہ کا ہے نہ کہ اللہ کا وجود ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اہل العقائد مشرکین کا یہ اعتراض بالکل بے بنیاد اور باطل ہے کیونکہ جب قرآن میں لَهٗ کے الفاظ کا استعمال ہوا ہے تو پھر کسی بھی صورت ایسا نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ اور یہ اس طرح اللہ کا ہے جیسے کوئی شیئے الگ سے خریدی یا بنائی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے یہ میری ہے۔ آیات میں الگ سے اللہ کا لفظ نہیں آیا بلکہ لَهٗ کا استعمال کیا گیا اور اس میں گول والی ''ہٗ'' پر پیش اس وجود کا اظہار کر رہی ہے جو وجود موجود ہے جو وجود موجود ہے وہی اللہ ہے نہ کہ اس کے علاوہ الگ سے کوئی اور اللہ ہے۔ اس لیے قرآن کی آیات ہی اہل العقائد مشرکین کے عقائد و نظریات و اعتراضات کا رد کر رہی ہیں اور پھر دوسری بات اس کے باوجود بھی اگر کوئی ماننے کو تیار نہیں تو پھر دیکھیں اللہ کیسے اپنی آیات کو پھیر پھیر کر ہر پہلو سے کھول کھول کر سامنے لا رکھتا ہے کہ چاہ کر بھی کسی کے پاس کوئی عذر نہ رہے۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ. الانعام ۳

اور هُوَ اللہ ہے، هُوَ جملہ ہے جو کہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ گول والی ''ہٗ'' پر پیش ہے اور دوسرا لفظ ''وَ'' پر زبر ہے، گول والی ''ہٗ'' پر پیش جو موجود ہے اس کی طرف اشارہ کر رہی ہے یعنی موجود شیئے کا اظہار کر رہی ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا موجود ہے تو ذرا غور کریں کیا موجود ہیں؟ سب سے پہلے تو آپ خود موجود ہیں اسی طرح دیکھیں آپ کے علاوہ اور کیا موجود ہے؟ آگے آتا ہے ''وَ'' جس کے معنی ہیں اور پھر ''وَ'' پر زبر ہے جس سے ''وَ'' یعنی اور ماضی کا صیغہ بن جاتا ہے یعنی کہ دیکھیں آپ اور آپ کے علاوہ کیا موجود ہے؟ جو موجود ہے اور اور کرتے جائیں جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے اور کچھ بھی نہ رہے جو کچھ بھی ہے سامنے آ جائے تو جو وجود سامنے آئے گا اَللّٰهُ اللہ ہے۔
اَللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ اللہ ہی ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ اس آیت میں بالکل واضح اور دوٹوک الفاظ میں واضح کر دیا گیا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی موجود ہے اللہ ہی ہے کوئی اور ہے ہی نہیں، اب اس کے بعد تو کسی بھی قسم کا کوئی اعتراض اٹھانا گویا کہ واضح طور پر علی الاعلان اللہ اور قرآن کا کفر ہوگا۔

جو شیئے کسی کی ہوتی ہے تو وہ اس کی مِلک ہوتی ہے یعنی اس کی ملکیت ہوتی ہے اور جو مِلک میں ہوتا ہے وہ مُلک کہلاتا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں کہ یہ شیئے میری ہے یا یہ میرا ہے اس کا کب کہاں کیسے کیوں کتنا اور کس کے لیے استعمال کرنا ہے یا اس نے کچھ کرنا ہے تو صرف اور صرف میری مرضی سے، میری مرضی کے بغیر اسے کچھ بھی کرنے کا اختیار نہیں میری مرضی کیخلاف اسے کچھ بھی کرنے کا کوئی حق نہیں ورنہ مرضی کیخلاف کوئی بھی عمل برداشت نہیں کیا جائے گا۔
جب آیات سے یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو چکی کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے یہ اللہ کا ہے اور اللہ کیا ہے یہ بھی واضح ہو چکا کہ جو وجود موجود ہے یہ اللہ ہے تو پھر آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اسے اللہ کی مِلک اور یہ اللہ کا مُلک ہونا چاہیے۔

یعنی جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے یہ اللہ کی مِلک ہے یہ اللہ کی ملکیت ہے جب یہ اللہ کا ہے اس کی ملکیت ہے تو پھر یہ اللہ کا مُلک ہے اب دیکھیں یہی بات اللہ نے اس قرآن میں بھی واضح کر دی۔

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. التوبہ ۱۱۶

اس میں کچھ شک نہیں اللہ تھا جو وجود موجود ہے اسی وجود کی ملکیت ہے اسی کا مُلک ہے آسمان اور زمین

یعنی جو اللہ ہے تم نے اسے تھا کیا ہوا ہے اور جسے تم اللہ کے نام پر اللہ کہہ رہے ہو وہ اللہ ہے ہی نہیں بلکہ اس کا تو کوئی وجود ہی نہیں، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہے اللہ جسے تم نے تھا کیا ہوا ہے؟ تو آگے اسی سوال کا جواب موجود ہے جو وجود موجود ہے یہ تھا اللہ آسمان اور زمین اسی وجود کی ملکیت ہیں اسی کا مُلک

ہیں۔

لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ. الحدید۲

لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ. الحدید۵

جو وجود موجود ہے اسی کا ملک ہے آسمان اور زمین یعنی جو وجود آپکو نظر آ رہا ہے جسے آپ فطرت کا نام دیں یا جو بھی کہیں آسمان اور زمین اسی وجود کی ملکیت ہے آسمان اور زمین اسی وجود کا ملک ہے یعنی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اسی وجود کی مرضی کے خلاف رائی برابر بھی عمل کریں آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے ان سب کا مقصد تخلیق اسی وجود کی غلامی ہے انہیں جو بھی صلاحیتیں یا جو کچھ بھی دیا گیا ان کا استعمال کرنا ہے تو اسی وجود کے لیے اسی کے ماتحت کرنا ہے ورنہ یہ وجود برداشت نہیں کرے گا۔

الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ. البروج ۹

یہی وہ ذات ہے جو موجود ہے اسی ذات کی ملکیت ہیں آسمان اور زمین، آسمان اور زمین اسی ذات جو وجود موجود ہے اسی کا ملک ہے۔

اب جب آسمان اور زمین اسی وجود جو کہ اللہ ہے اسی کا ملک ہیں تو ظاہر ہے انہیں اسی وجود کے لیے ہونا چاہیے یعنی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے ان کے وجود کا مقصد ان میں جو جو صلاحیتیں رکھی گئیں جس جس کو جو جو صلاحیتیں دی گئیں ان کا مقصد ان کا استعمال صرف اور صرف اسی وجود کے لیے کرنا ہے کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ اس وجود کی مرضی کے خلاف کچھ بھی کرے اس وجود جو موجود ہے چاہے آپ اسے فطرت کہیں اس کے خلاف یا اس کی مرضی کے خلاف یا اس کے علاوہ کسی کے لیے اپنی کسی بھی صلاحیت کا استعمال کرے کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں اور اگر اس کے باوجود بھی کوئی ایسا کرتا ہے تو پھر جس کا یہ وجود ہے جو کہ اس کی مِلک ہے یہ اس کا ملک ہے وہ اس کا مالک ہے تو وہ اسے سزا و جزا دینے پر بھی اختیار رکھتا ہے یہ وجود جو کہ اللہ ہے اللہ کا وجود ہے اگر کوئی اس کے خلاف عمل کرتا ہے اس کے خلاف یا اپنی مرضی کے مطابق جو کچھ بھی اسے دیا گیا اس کا استعمال کرتا ہے تو اللہ اسے برداشت نہیں کرے گا۔

یہی بات کئی آیات میں واضح کر دی گئی۔

وَلِلّٰہِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ. آل عمران ۱۸۹

وَلِلّٰہِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ. النور ۴۲

وَلِلّٰہِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ. الفتح ۱۴

لِلّٰہِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ. الشوریٰ ۴۹

وَلِلّٰہِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَہُمَا. المائدہ ۱۷

وَلِلّٰہِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَہُمَا. المائدہ ۱۸

لِلّٰہِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا فِیۡہِنَّ. المائدہ ۱۲۰

اور اللہ کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کا ملک یعنی اللہ کے علاوہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اس میں سے کچھ بھی اس کے لیے استعمال کیا جائے یا اللہ کے علاوہ کسی کا حکم مانے اگر اس کے خلاف کیا جائے گا یا اللہ یعنی اس وجود جو موجود ہے اس کے علاوہ کسی کے لیے کچھ بھی استعمال کیا جائے گا تو پھر مالک برداشت نہیں کرے گا۔

اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ. البقرۃ ۱۰۷

اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ. المائدہ ۴۰

کیا نہیں تمہیں یہ علم دے دیا گیا کہ اس میں کچھ شک نہیں اللہ تھا جو وجود موجود ہے یعنی جو وجود تمہیں نظر آ رہا ہے جو وجود موجود ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا ہے ہی نہیں جو موجود ہے یہ ہے اللہ جسے تم نے تھا کیا ہوا ہے اسی کا ملک ہے آسمان اور زمین۔

اب تو آپ کو علم بھی دے دیا گیا اب اگر اس کے باوجود بھی آپ کچھ بھی اللہ کے علاوہ کسی کے لیے استعمال کرتے ہیں یا کچھ بھی اللہ کے علاوہ کرتے ہیں تو آپ

مجرم ہیں آپ کے بچنے کی کوئی امید نہیں کیونکہ اب تو آپ کو بالکل کھول کھول کر واضح علم دے دیا گیا ہر پہلو سے واضح کر دیا گیا۔
جیسے آپ کے جسم میں جو کچھ بھی ہے وہ آپ کا ہے یعنی جتنے بھی اعضاء ہیں وہ آپ کے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس کے لیے ہیں؟ یعنی آپ کے وجود میں جتنے بھی اعضاء ہیں ہر کسی کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے ہر کسی میں کوئی نہ کوئی صلاحیتیں موجود ہیں تو آخر ان میں یہ صلاحیتیں کیوں رکھی گئیں کس کے لیے رکھی گئیں؟ یہ اعضاء کس کے لیے ہیں؟ تو اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ ظاہر ہے میرے اعضاء ہیں تو ان کا مقصد میرے لیے ہی اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرنا ہے جیسے کہ زبان میں بولنے کی صلاحیت ہے تو زبان کا کام وجود کی ترجمانی کرنا ہے بالکل ایسے ہی جب یہ بات کھل کر واضح ہوگئی کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے یہ ایسے ہی اللہ کا ہے تو پھر ظاہر ہے یہ سب کا سب اللہ ہی کے لیے ہونا چاہیے یعنی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے ان میں جو بھی صلاحیتیں ہیں انہیں ان کا استعمال اسی وجود کے لیے کرنا چاہیے جو وجود موجود ہے ایک ہی وجود جو کہ اللہ ہے تو دیکھیں یہی بات قرآن میں ایک دو نہیں بلکہ کئی مقامات پر کہی گئی۔

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. البقرة ۲۸۴

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. آل عمران ۱۰۹

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. آل عمران ۱۲۹

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. النساء ۱۲۶

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. النساء ۱۳۱

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. النساء ۱۳۲

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضُ. لقمان ۲۶

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. النجم ۳۱

اور اللہ کے لیے ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے۔

جب جو وجود موجود ہے ایک ہی وجود ہے اور یہی اللہ ہے اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا ہے ہی نہیں تو پھر ظاہر ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے نہ صرف اسی کا ہے یعنی اللہ کا ہے بلکہ اسی کے لیے ہے یعنی جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے ان میں جو جو بھی صلاحیتیں ہیں ان کا مقصد اسی وجود کے لیے استعمال کرنا ہے جو بھی کرنا ہے اسی وجود کے لیے کرنا ہے جیسے آپ کے وجود میں آپ کے تمام اعضاء کا مقصد آپ ہی کے لیے کام کرنا ہے آپ ہی کے لیے جس وجود کا وہ حصہ ہیں جس وجود میں وہ موجود ہیں اسی کے لیے اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرنا ہے اور یہی اوپر آیات میں کہا گیا۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. یونس ۵۵

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. النور ۶۴

جان لو اس میں کچھ شک نہیں اللہ کے لیے ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے یعنی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے جب یہ اللہ کا ہے جب یہ اللہ کا ملک ہے اللہ کی ملکیت ہے تو پھر ظاہر ہے اللہ ہی کے لیے ہے اب اگر کوئی ان میں سے کسی کا بھی اللہ کے علاوہ استعمال کرے گا تو وہ مجرم ہوگا وہ اللہ کا شریک ہوگا اور اللہ اپنے شریک کو قطعاً برداشت نہیں کرے گا۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ. یونس ۶۶

جان لو اس میں کچھ شک نہیں اللہ کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔

فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. النساء ۱۳۱

فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. النساء ۱۷۰

پس اس میں کچھ شک نہیں یعنی دنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے جو کہا جا رہا ہے اس کے خلاف کسی بھی صورت برداشت نہیں کیا جائے گا جو

کہا جا رہا ہے جو حکم دیا جا رہا ہے ہر حال میں ہر صورت میں ایسے ہی کرنا ہے اللہ کے لیے ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے۔ یعنی جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کا سب اللہ کے لیے ہے تو ظاہر ہے جو شئے جس کے لیے ہو اسی کے لیے اس کا استعمال کیا جائے گا نہ کہ کسی دوسرے کے لیے، جس کی شئے ہے جس کے لیے ہے اسی کا اس پر حق ہے اس کے علاوہ کسی کو اس پر حق حاصل نہیں اس لیے اگر کوئی کچھ بھی کرتا ہے کسی کا بھی استعمال کرتا ہے اور وہ اللہ کے علاوہ کسی کے لیے کرتا ہے تو اس کے لیے اللہ سے بچنا ہے ہی نہیں۔

اب تک مزید مختلف پہلوؤں سے بھی کھل کر واضح ہو چکا کہ یہ جو وجود نظر آ رہا ہے جو وجود موجود ہے ایک ہی وجود ہے اور یہی اللہ ہے نہ کہ یہ وجود الگ ہے اور اللہ الگ۔ مزید اور مختلف پہلوؤں سے بھی بالکل کھول کھول کر آپ پر واضح کرتے ہیں کہ اللہ کیا ہے تا کہ کسی بھی کفر کرنے والے کے پاس چاہ کر بھی کوئی عذر کوئی سوال یا کچھ بھی بہانہ نہ رہے۔

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا. طٰہٰ ۶

یہ سورۃ طٰہٰ کی آیت ہے اس کے علاوہ اور بھی ایسی آیات ہیں جو کہ پیچھے گزر چکی ہیں ان آیات میں کہا گیا کہ آسمان اور زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے سب کا سب اسی کا ہے جو وجود موجود ہے یعنی جو وجود آپ کو نظر آ رہا ہے یہ ایک ہی وجود ہے اور آسمان ہوں، زمین ہو یا جو کچھ بھی ان دونوں کے درمیان ہے یہ اسی وجود کا ہے جسے آپ فطرت کا نام دیں یا کائنات کا نام دیں یا جو بھی نام دیں۔

اب ذرا آپ خود غور کریں آسمانوں، زمین اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے ان میں سے کسی میں بھی غور کریں کہ انہیں کون وجود میں لایا؟ انہیں کس نے وجود دیا؟ کیونکہ ظاہر ہے جس نے وجود دیا اسی کا ہوگا۔ اور جب آپ غور کریں تو آسمانوں، زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے ان کو وجود میں لانے والا یہی وجود ہے جو موجود ہے جسے آپ کائنات کا نام دیتے ہیں یا مخلوقات کا نام دیتے ہیں یا کوئی بھی نام دیتے ہیں جب یہی وجود ہے جو موجود ہے اسی نے ان سب کو وجود دیا یہی ان سب کو وجود میں لایا تو پھر ظاہر ہے یہ سب کا سب اسی کا ہوا جب اسی کا ہوا تو پھر اللہ کون ہے؟ کیا اللہ دیو مالائی تصوراتی قصے و کہانیوں کا نام ہے؟ کیا اللہ، اللہ کے نام پر خود ساختہ من گھڑت عقائد و نظریات کا نام ہے جو نسل در نسل آباؤ اجداد سے منتقل ہوئے؟ یا پھر یہی وجود اللہ ہے جو وجود موجود ہے جو کہ ایک ہی وجود ہے کوئی دوسرا ہے ہی نہیں؟ حق بالکل واضح ہے۔

پھر آگے دیکھیں ایک اور پہلو سے آپکے سامنے رکھتے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِىْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا. الرعد ۲

اَللّٰـهُ اللہ کی ''ہُ'' پر پیش ہے جس سے اس کے معنی بنتے ہیں اللہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کیا ہے؟ تو آگے اسی سوال کا جواب موجود ہے الَّذِىْ یہ جو ذات ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون سی ذات؟ تو آگے اسی سوال کا جواب موجود ہے رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَو بلند ہیں آسمان بغیر کسی ایک بھی ستون کے دیکھ رہے ہو نَهَا ہم ہیں اسے یعنی یہ جو آسمانوں کو بغیر کسی ایک بھی ستون کے بلند دیکھ رہے ہو یہ تم ہمیں دیکھ رہے ہو یعنی اللہ کی ذات ہی کو دیکھ رہے ہو۔

اس آیت میں بھی اسی وجود کو ہی اللہ کی ذات قرار دیا گیا کہ جو آپ آسمانوں کو بغیر کسی ایک بھی ستون کے بلند دیکھ رہے ہیں یہ ان کی صورت میں آپ اللہ ہی کی ذات کو دیکھ رہے ہیں یہ کوئی دوسرا وجود نہیں ہے بلکہ آپ اللہ ہی کی ذات کو دیکھ رہے ہیں۔

یہی بات ایک اور آیت میں کہی گئی

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا. لقمان ۱۰

آسمانوں کی بغیر کسی ایک بھی ستون کے خلق کو دیکھ رہے ہو ہمیں یعنی اللہ کو دیکھ رہے ہو اسی ذات کو دیکھ رہے ہو۔

تَـرَوْنَهَا جملہ ہے جو کہ تین الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ ''تر'' ہے جس کا معنی دیکھنا اور اس کیساتھ ''و'' کا اضافہ ہے ''ترو'' یہ حال کا صیغہ بن جاتا ہے جس کے معنی ہیں دیکھ رہے ہو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا دیکھ رہے ہو؟ تو ظاہر ہے دیکھ تو آسمانوں کو رہے ہیں لیکن آگے اس سوال کا جواب دیا

گیا کہ یہ جو آسمانوں کو دیکھ رہے ہو اصل میں یہ کس کو دیکھ رہے ہو " نَ "، ہم تھے ہمیں دیکھ رہے ہو " ھَا " آسمانوں کو یعنی یہ جو تم آسمانوں کو دیکھ رہے ہو کہ بغیر کسی ایک بھی ستون کے بلند ہیں تم ہمیں یعنی اللہ کو دیکھ رہے ہو یہ آسمان اللہ ہی کا وجود ہیں یہ اللہ ہی کی ذات ہے جو آسمانوں کی صورت میں تمہیں نظر آ رہی ہے یوں اس پہلو سے بھی آپ پر بالکل کھول کر واضح کر دیا گیا کہ اللہ کیا ہے۔

پھر دیکھیں ایک اور پہلو سے اللہ کی ذات کیا ہے بالکل کھول کر آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. الرعد ۱۵

اور الہٰ کے لیے گویا کہ خود ہی اسے جو کرنا ہے اس کا اسے حکم مل رہا ہے اور اپنے آپ کو مکمل طور پر جھکائے ہوئے ہے جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. النحل ۴۹

اور الہٰ کے لیے گویا کہ خود ہی اسے جو کرنا ہے اس کا اسے حکم مل رہا ہے اور اپنے آپ کو مکمل طور پر جھکائے ہوئے ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے

اب ذرا غور کریں آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے انہیں کون حکم دے رہا ہے اور وہ کس کے لیے اور کیسے اس حکم پر عمل کر رہے ہیں؟ مثال کے طور پر آپ کی ضرورت ہے آکسیجن آپ آکسیجن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے آپ اپنے پھیپھڑوں کے ذریعے آکسیجن کے حصول کے لیے درختوں کو حکم دے رہے ہیں اور وہ اس حکم پر عمل کرتے ہوئے آپ کو آکسیجن فراہم کر رہے ہیں ایسے ہی آپ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے ان میں سے کسی میں بھی غور کر لیں تو آپ کے سامنے یہی حقیقت آئے گی کہ حکم دینے والا بھی یہی وجود ہے جو موجود ہے جسے آپ کائنات کا نام دیتے ہیں اور جو حکم پر عمل کر رہا ہے جو خود کو مکمل طور پر جھکائے ہوئے ہے وہی کر رہا ہے جو اسے حکم دیا جا رہا ہے وہ بھی یہی مخلوقات ہی ہیں۔ جب حقیقت یہ ہے تو پھر اللہ کیا ہے اس سے بھی بڑھ کر واضح ہو سکتا ہے؟ کہ اللہ یہی وجود ہے جو موجود ہے جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود ہے جو نظر آ رہا ہے۔

اسی آیت کو مزید کھول کر آپ کے سامنے رکھتے ہیں جس سے ایسی باقی تمام آیات بھی آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو جائیں گی۔

وَ اور لِلّٰهِ جملہ ہے جو کہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے " لِ " اور " الہٰ "۔ لِ کے معنی ہیں کے لیے اور الہٰ کے معنی ہیں کہ جس کو جو کچھ بھی دیا گیا اس کا کب کہاں کیوں کتنا کیسے اور کس کے لیے استعمال کرنا ہے جس کے فیصلے کو مان کر یعنی جس کے کہے کے مطابق ان میں سے کسی کا بھی استعمال کیا جائے گا وہ الہٰ کہلائے گا۔

وَلِلّٰهِ اور الہٰ کے لیے يَسْجُدُ گویا کہ خود ہی سجدہ کیے ہوئے ہے یعنی جو کچھ بھی دیا گیا اس کا استعمال جس کے لیے، جس کے پیچھے یا جس کی مان کر کر رہے ہیں خود کو مکمل طور پر اس کے لیے جھکائے ہوئے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون ہیں جو الہٰ کے لیے سجدہ کیے ہوئے ہیں اور ان کا الہٰ کون ہے یعنی کس کو الہٰ بنائے ہوئے ہیں ایسے کہ گویا خود ہی خود کو مکمل طور پر جھکائے ہوئے ہیں؟ تو آگے انہی سوالات کے جوابات دے دیئے گئے مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے یعنی جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے یہی سب کا سب الہٰ ہے اور انہیں الہٰ بنانے والے بھی وہی ہیں جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں۔

یعنی ہر لحاظ سے ہر پہلو سے واپس اسی پر پلٹ کر آئیں گے کہ جو کچھ بھی موجود ہے یہ نہ صرف ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ کوئی اور ہے ہی نہیں بلکہ یہی اللہ ہے۔

الگ الگ کریں گے تو خالق، خلق اور مخلوق بن جائے گا احد کریں گے تو اللہ، الگ الگ کریں گے تو الہٰ اور عباد بن جائیں گے اور احد یعنی ایک ہی وجود کریں گے تو اللہ ہی ہے اور کوئی ہے ہی نہیں۔ ہر حال میں اللہ ہی کی ذات نظر آئے گی کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔

ایسے ہی جن جن آیات میں ان الفاظ کا استعمال ہوا" لِلّٰهِ " تو وہاں وہاں آپ ان تمام آیات کو اس پہلو سے بھی غور کر کے جان سکتے ہیں۔

اور یہی بات اور پہلوؤں سے بھی قرآن میں کہی گئی جیسا کہ درج ذیل آیت میں آپ دیکھ سکتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ. الحج ۱۸

کیا نہیں دیکھا؟ اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تھا گویا کہ خود ہی اپنے آپ کو مکمل طور پر جھکائے ہوئے ہے جس کے لیے جھکائے ہوئے ہے یہی وجود ہے جو موجود ہے جو بھی آسمانوں اور جو بھی زمین میں ہے اسی وجود کو جو موجود ہے سجدہ کیے ہوئے ہے یعنی خود کو مکمل طور پر جھکائے ہوئے ہے جو حکم دیا جا رہا ہے اس پر عمل کر رہا ہے۔

آپ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے کسی میں بھی غور کریں گے تو آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ جیسے آپ کا وجود ہے اس میں مختلف اعضاء ہیں جن کو حکم دینے والا بھی یہی آپ کا وجود ہے اور جن اعضاء کو حکم دیا جا رہا ہے اور وہ خود کو مکمل طور پر جھکائے ہوئے ہیں وہ بھی آپ کا ہی وجود ہے بالکل یہی حقیقت آپکے سامنے آئے گی کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اس کو حکم دینے والا بھی یہی وجود ہے جو موجود ہے اور جنہیں حکم دیا جا رہا ہے جو خود کو مکمل طور پر جھکائے ہوئے ہیں وہ بھی یہی وجود ہے کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔

پھر اسی طرح مزید اور پہلو سے بھی آپ پر واضح کرتے ہیں کہ اللہ کیا ہے؟

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. الحشر ۱

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. الصف ۱

سَبَّحَ لِلّٰہِ جو حکم دیا جا رہا ہے بغیر کسی عذر، کسی حیلے یا بہانے کے اسی وقت فوراً اسی طرح اس پر عمل کر رہا ہے الٰہ کے لیے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون ایسا کر رہا ہے اور کون الٰہ ہے تو آگے اسی سوال کا جواب دے دیا گیا مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے یعنی جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے یہی سب کا سب الٰہ ہے اور یہی سب کا سب ہے جو عباد بھی ہیں جو کہ سبح کر رہے ہیں۔ بالکل کھل کر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سبح کرنے والا بھی یہی وجود اور الٰہ بھی یہی وجود کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں۔

سبح کے معنی ہیں جو بھی حکم دیا جا رہا ہے اس پر بغیر کسی عذر، حیلے یا بہانے کے اسی وقت فوری اسی طرح عمل کرنا جیسے کرنے کا حکم دیا گیا۔ اب آپ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اس میں غور کریں کہ ان مخلوقات کو کون حکم دے رہا ہے اور کس کے لیے یہ عمل کر رہی ہیں؟ جب آپ غور کریں گے تو وہی بات کہ حکم دینے والا بھی یہی وجود سامنے آئے گا جو وجود موجود ہے اور مخلوقات جو کچھ بھی کر رہی ہیں وہ اسی وجود کے لیے کر رہی ہیں جو وجود موجود ہے۔

مثلاً ایک درخت اگر پھل لاتا ہے تو ذرا غور کریں وہ یہ کام کس کے لیے کر رہا ہے؟ کیا اسی وجود کے لیے نہیں کر رہا انہی مخلوقات کے لیے نہیں کر رہا؟ اسی طرح ہوائیں چلتی ہیں تو کس کے لیے؟ کیا اسی وجود کے لیے نہیں؟ سورج روشنی دے رہا ہے تو کس کے لیے دے رہا ہے؟ کیا اسی وجود کے لیے نہیں دے رہا انہی مخلوقات کے لیے؟

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ جس کے لیے کر رہا ہے وہ کوئی دوسرا نہیں کوئی اور نہیں بلکہ یہی وجود ہے جو موجود ہے جب یہی وجود ہے جو موجود ہے اسی کے لیے سب کے سب سبح کر رہے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر اللہ کیا ہے؟ کیا اللہ اس وجود سے الگ ہے؟ نہیں بالکل نہیں قرآن کی آیات بالکل واضح اور دو ٹوک الفاظ میں واضح کر رہی ہیں کہ جو وجود موجود ہے یہ اللہ ہی ہے اللہ ہی کا وجود ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے جس کے لیے کر رہا ہے وہی اللہ ہے تو جب آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اسی وجود کے لیے کر رہا ہے تو پھر ظاہر ہے قرآن کے مطابق اللہ یہی وجود ہے نہ کہ کوئی خود ساختہ دیومالائی تصوراتی اللہ کے نام پر عقائد و نظریات کا نام اللہ ہے۔

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ. الجمعہ ۱

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. التغابن ۱

گویا کہ خود ہی جو حکم دیا جا رہا ہے اس پر فوری سے بغیر کسی عذر، کسی حیلے یا بہانے کے عمل کر رہا ہے اللہ کے لیے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے۔

اسے ایک مثال سے سمجھ لیجئے مثلاً آپ کے ہاتھ جو کچھ کرتے ہیں کوئی بھی عمل کرتے ہیں آپ کے پاؤں چلتے ہیں آپ کی زبان بولتی ہے آپ کے جسم کا کوئی بھی عضو جب بھی کوئی عمل یعنی کوئی کام کرتا ہے تو کیا ایسا ہے کہ وہ خود ہی وہ کام کر رہے ہوتے ہیں یا پھر انہیں حکم دیا جا رہا ہے ہوتا ہے لیکن وہ حکم دینا ایسا ہے کہ دیکھنے والے کو یہی لگتا ہے کہ گویا خود بخود ہی کام کر رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جسم کے تمام اعضاء کو دماغ کنٹرول کرتا ہے دماغ کچھ بھی کرنے کا حکم دیتا ہے لیکن دماغ کا حکم دینا ایسا ہے کہ کسی کو نظر نہیں آتا دیکھنے والے کو یہی نظر آتا ہے کہ گویا جسم کے تمام اعضاء خود ہی کام کر رہے ہیں بالکل اسی طرح آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے انہیں حکم دیا جا رہا ہے لیکن وہ حکم دینا ایسا ہے کہ کسی کو نظر نہیں آتا جس وجہ سے نظر آنے میں یہی لگتا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں تمام کی تمام مخلوقات گویا کہ خود بخود ہی کام کر رہی ہیں حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر آپ اپنے جسم میں غور کریں تو ساری حقیقت آپ پر واضح ہو جائے گی یوں سمجھیں کہ آپ کا یہ پانچ چھ فٹ کا وجود اصل وجود جو کہ اللہ کا وجود ہے اس کا ہی چھوٹے پیمانے پر ایک نمونہ ہے یہی وجہ ہے جس وجہ سے محمد نے کہا تھا کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورۃ پر خلق کیا ہے صورۃ کا مطلب شکل نہیں بلکہ جیسے آپ کا وجود ہے اگر آپ اس میں غور کریں تو بالکل اسی طرح اللہ کا وجود ہے آپ اللہ کو انتہائی آسانی سے جان جائیں گے۔

آپ کے جسم کے ہر عضو میں سینسرز ہیں ایسے آلات نصب ہیں جو لہروں کو موصول کر کے ان میں موجود پیغام کو سمجھ کر عضو کو اس کا حکم دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں آپ کا دماغ پورے وجود کو کنٹرول کرتا ہے دماغ جب بھی کسی عضو کو حکم دیتا ہے تو وہ لہروں یعنی ملائکہ کے ذریعے ہی حکم دیتا ہے اور متعلقہ عضو میں موجود سینسرز یعنی وہ آلات اس پیغام کو موصول کر کے سمجھ کر آگے اس عضو کو اس کے سمجھنے کی صلاحیت کے مطابق حکم دیتے ہیں بالکل اسی طرح اللہ کا جو وجود ہے اس وجود میں جو ساتواں درجہ ہے جو کہ سب سے اوپر ہے یوں کہیں کہ وہ ایسے ہی ہے جیسے کہ آپ کا سر ہے اس میں دماغ ہے اللہ کے وجود میں ساتواں درجہ دماغ ہے جو پورے وجود کو کنٹرول کرتا ہے احکامات دیتا ہے زمین میں ایک مقام ایسا ہے جہاں پر سینسرز نصب ہیں یعنی ایسے آلات نصب ہیں جو اوپر سے آنے والے پیغامات کو موصول کر کے نہ صرف سمجھنے بلکہ آگے متعلقہ مخلوقات تک پہنچانے کی صلاحیت رکھتے ہیں زمین کا وہ مقام مکہ ہے۔ مکہ زمین کا وہ مقام ہے جہاں ایک کمرہ نما عمارت موجود ہے جسے کعبہ کہا جاتا ہے جس مقام پر یہ عمارت کھڑی ہے اس مقام پر زمین میں ایسے پتھر موجود ہیں جو کہ زمین کا دماغ ہیں زمین کی تمام مخلوقات کو یہاں سے احکامات دیئے جا رہے ہیں زمین کی تمام مخلوقات اس مقام کے آگے خود کو جھکائے ہوئے ہیں لیکن نظر آنے میں ایسا لگتا ہے گویا کہ تمام کی تمام مخلوقات خود بخود ہی کام کر رہی ہیں انہیں کوئی حکم دینے والا نہیں ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جیسے آپ کے وجود میں سات درجے ہیں ساتواں درجہ سر ہے جس میں دماغ ہے اور دماغ پورے جسم کو کنٹرول کرتا ہے جسم کے تمام اعضاء کو احکامات دیتا ہے لیکن بظاہر ایسا لگتا ہے کہ جسم کے اعضاء کو کوئی احکامات دینے والا نہیں بلکہ سب کے سب گویا کہ خود ہی اپنا اپنا کام کر رہے ہیں۔

یہی اللہ نے ایک اور پہلو سے قرآن میں واضح کر دیا جیسا کہ درج ذیل آیات آپ کے سامنے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. النور ۴۱

کیا نہیں دیکھا؟ یعنی تم نے خود یہ دیکھا جو گویا کہ خود ہی سبح کر رہا ہے یعنی جو اسے کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اس پر ایسے عمل کر رہا ہے گویا کہ خود ہی کر رہا ہے کوئی حکم دینے والا ہے ہی نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تھا جو وجود موجود ہے اسی کا ہے جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے گویا کہ خود ہی سبح کر رہا ہے یعنی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے ایک تو یہ جو وجود موجود ہے اسی کا ہے دوسرا یہ سب کا سب اس طرح اپنے اپنے کام کر رہا ہے گویا کہ انہیں کوئی حکم دینے والا نہیں بلکہ خود ہی جو حکم دیا جا رہا ہے اس پر بغیر کسی عذر، کسی حیلے یا بہانے کے فوری سے اسی طرح اس پر عمل کر رہا ہے جیسے کہ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ دیکھنے میں آسمانوں و زمین میں جو کچھ بھی ہے بظاہر ایسے ہی نظر آ رہا ہے کہ انہیں کوئی حکم دینے والا نہیں بلکہ ہر ایک خود ہی اپنا اپنا کام کر رہا ہے لیکن اگر آپ آسمانوں اور زمین میں غور و فکر کرتے ہیں تو یہی حقیقت سامنے آتی کہ حکم دینے والا یہی وجود ہے جو موجود ہے اور جس طرح حکم دیا جا رہا ہے اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ ان احکامات پر ایسے عمل کر رہے ہیں جیسے کہ کوئی حکم دینے والا ہے ہی نہیں گویا خود ہی تیزی سے اپنے اپنے کام پر معمور ہیں جب

حقیقت یہ سامنے آتی ہے تو پھر اللہ کیا ہوا؟ جب احکامات دینے والا بھی یہی وجود اور جسے احکامات دیئے جارہے ہیں وہ بھی یہی وجود تو پھر اللہ کون ہوا؟ اللہ کون ہے؟ کیا اس وجود، جو وجود موجود ہے اس کے علاوہ کوئی اللہ ہے؟ یا پھر حقیقت یہ ہے کہ جو وجود موجود ہے یہی اللہ ہے؟ ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ کوئی وجود ہے ہی نہیں اور یہی اللہ ہے۔

یوں اس طرح مزید پہلوؤں سے بھی کھل کھل کر واضح ہو چکا کہ اللہ دیومالائی تصوراتی قصے و کہانیوں کا نام نہیں ہے اللہ کے نام پر بے بنیاد و باطل نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد و نظریات اللہ نہیں ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ ان تمام تر عقائد و نظریات کا حقیقت کیساتھ کوئی تعلق نہیں۔ جو وجود موجود ہے یہ اللہ ہی ہے جو کچھ بھی نظر آرہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود نظر آرہا ہے۔

پھر ایک اور پہلو سے آپ پر کھول کھول کر واضح کرتے ہیں کہ اللہ کیا ہے؟

اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ. ابراهيم ٣٢

اَللّٰهُ اللہ ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کیا ہے تو آگے اسی سوال کا جواب بھی موجود ہے الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض آسمانوں و زمین کی خلق ہی اللہ کی ذات ہے۔

اسے آپ بے شک یہ کہیں کہ آسمانوں و زمین کی خلق ہی اللہ کی ذات ہے یا پھر یہ کہیں کہ اللہ وہ ذات ہے جس نے آسمانوں و زمین کو خلق کیا تو ایک ہی بات سامنے آئے گی جو کہ حق ہے۔

اب ذرا آپ غور کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے خلق کیا؟ تو جس نے خلق کیا، جو ذات سامنے آئے گی وہی ذات اللہ ہے۔

جب آسمانوں اور زمین یعنی یہ سیارہ جس پر آپ موجود ہیں اور اس کے گرد گیسوں کی سات تہوں میں غور کیا جائے اور جانا جائے کہ یہ کس طرح وجود میں آئے انہیں کس نے وجود دیا تو حقیقت بالکل کھل کر آپ کے سامنے آجائے گی۔

آسمانوں اور زمین یعنی یہ سیارہ زمین جس پر آپ موجود ہیں اور اس کے گرد گیسوں کی سات تہیں یہ کیسے وجود میں آئے اسے آپ پر واضح کرتے ہیں۔

بنیادی طور پر نور یعنی انرجی ہے جو دخانٍ یعنی گیسوں کی صورت میں موجود ہے جسے خلا کا نام دیا جاتا ہے خلا میں دو گیسیں آپس میں ملتی ہیں تو جس مقام پر ان کا آپس میں اختلاط ہوتا ہے وہاں ایک ستارہ وجود میں آجاتا ہے یعنی ایک آگ کا گولہ وجود میں آجاتا ہے جس سے مزید گیسیں خارج ہوتی ہیں ان گیسوں سے مزید ستارے یعنی آگ کے گولے وجود میں آتے ہیں۔

خلا میں گیسوں کے اختلاط سے ستارے آگ کے گولے یعنی سورج وجود میں آتے ہیں وہ آگ کے گولے اس وقت تک جلتے ہیں جب تک کہ ان میں جلنے والی یعنی اختلاط ہونے والی گیسوں کے مالیکیولز مکمل طور پر نہیں ٹوٹ جاتے اور ان سے خارج ہونے والی مزید گیسوں سے اسی طرح ستارے یعنی سورج آگ کے گولے وجود میں آتے ہیں اور ان کے مالیکیولز بھی جب تک مکمل طور پر نہیں ٹوٹ جاتے وہ جلتے رہتے ہیں اس طرح کئی اقسام کے سورج یعنی آگ کے گولے جب اپنی جلنے کی مدت پوری کرنے کے قریب پہنچ جاتے ہیں تب تک ان پر جھاگ کی ایک تہہ وجود میں آچکی ہوتی ہے جو آہستہ آہستہ ٹھنڈی ہو کر اوپر سے جم جاتی ہے یوں جو پہلے ایک ستارہ تھا یعنی آگ کا گولہ تھا وہ سیارے میں بدل جاتا ہے لیکن اندر آگ جلتی رہتی ہے، اب باہر جھاگ کے جم جانے سے چٹانی تہہ وجود میں آنے کی وجہ سے اندر سے گیسیں باہر خارج نہیں ہو پاتیں جس وجہ سے گیسیں اندر بھرتی جاتی ہیں جو بالآخر اتنی بھر جاتی ہیں کہ گیسوں کے دباؤ سے وہ سیارے زوردار دھماکے سے پھٹ جاتے ہیں جس سے ان میں وجود میں آنے والا مادہ ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر اسی رفتار سے خلا میں سفر کرنا شروع کر دیتا ہے یعنی ستارے کے پھٹنے سے جو شہابیے وجود میں آتے ہیں وہ اسی سمت میں خلا میں تیرنا شروع کر دیتے ہیں۔

اب وہ شہابیے کچھ ستاروں کے قریب سے جب گزرتے ہیں تو وہ ستارے انہیں اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں جس سے اس ستارے پر وقتاً فوقتاً شہابیوں کی بارشیں ہوتی ہیں جس سے آنے والا مواد پگھلتا ہے یوں نہ صرف اس سے گیسیں خارج ہو کر ستارے کے گرد جمع ہوتی رہتی ہیں بلکہ ستارے پر آہستہ آہستہ جھاگ کی ایک تہہ وجود میں آجاتی ہے پھر بالآخری ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ستارے کی اپنے ہی محور پر گردش کی وجہ سے بالکل ایسے ہی دباؤ پڑنے سے جیسے گاڑی چلنے

سے پیچھے کو دباؤ پڑتا ہے جھاگ کی تہہ جگہ جگہ سے اوپر کو اٹھ جاتی ہے اس کے بعد اس سے خارج ہونے والی گیسیں جو اس کے گرد اکٹھی ہوئی ہوتی ہیں ان کی وجہ سے جھاگ کی تہہ باہر سے ٹھنڈی ہو کر جم جاتی ہے جس سے انتہائی سخت چٹانی تہہ وجود میں آجاتی ہے یوں جو پہلے ایک ستارہ یعنی آگ کا گولہ تھا وہ سیارے میں بدل جاتا ہے اور آگے اپنے تکمیلی کے مراحل طے کرتا ہے۔

یہ زمین جس پر آپ موجود ہیں یہ بھی ایک وقت تھا کہ ایک ستارہ تھی جو بعد میں ارض یعنی ایک سیارہ بن گئی۔ ایک وقت تھا کہ یہ زمین بالکل سورج کی مانند آگ کا گولہ تھا کہ گیسیں پگھل رہی تھیں پھر اس پر کچھ شہابیوں کی بارشیں ہوتی رہی جس سے وہ شہابیے پگھلتے رہے اور ان کے پگھلنے سے ایک تو ان سے اس پر جھاگ کی ایک تہہ وجود میں آگئی اور دوسرا ان سے گیسیں خارج ہو کر اس کے گرد اکٹھی ہوتی رہیں، زمین کے اپنے ہی محور پر گھومنے کی وجہ سے دباؤ پڑنے کی وجہ سے جیسے گاڑی چلنے پر پیچھے کو دباؤ پڑتا ہے وہ جھاگ جگہ جگہ سے اوپر کو اٹھ گئی اور باہر خارج ہونے والی گیسوں کی وجہ سے جھاگ جم کر چٹانی تہہ میں بدل گئی یوں آہستہ آہستہ ایک وقت ایسا آیا کہ ستارے کی آگ اندر چلی گئی اور اس پر وجود میں آنے والی جھاگ کی تہہ ٹھنڈی پڑ گئی جس سے زمین ستارے سے سیارہ بن گئی ایسا سیارہ کہ جس کے اوپر تو چٹان نما پہاڑ اور چٹانی تہہ جھاگ کے ٹھنڈے ہونے سے وجود میں آگئی لیکن اس چٹانی تہہ کے نیچے آگ ہے یعنی لاوا ہے، ویسے تو آگ کو اگر ڈھانپ دیا جائے تو وہ جلنا رک جاتی ہے کیونکہ اسے جلنے کے لیے آکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے نہیں ملتی ایسے ہی زمین پر چٹانی تہہ وجود میں آنے سے نیچے آگ ٹھنڈی پڑ جانی چاہیے تھی لیکن وہ ٹھنڈی نہ پڑی اس کی وجہ یہ ہے کہ خلا سے جو پہلے مختلف اقسام کے شہابیے آئے ان میں ایسے عناصر موجود تھے جن کی وجہ سے اس آگ کو جلنے میں مدد مل رہی ہے اور تب تک زیر زمین یہ آگ جلتی رہے گی جب تک کہ وہ مواد جل جل کر ختم نہیں ہو جاتا جو جلنے میں مدد فراہم کر رہا ہے یوں جب جھاگ کی تہہ جم جانے سے چٹانی تہہ وجود میں آگئی تو اس کے بعد زمین پر مزید شہابیوں کی بارشیں ہوتی رہیں، شہابیوں کی بارشوں سے آنے والے مواد کو چٹانی تہہ کے گرم ہونے کی وجہ سے حرارت ملنے سے مواد میں کیمیائی عوامل وقوع پذیر ہوتے رہے جس سے ان شہابیوں سے آنے والا مواد کریک ہو کر اس سے گیسیں خارج ہو کر زمین کے گرد اکٹھی ہوتی رہی یوں جب یہ مراحل مکمل ہو گئے تو زمین کے اپنے ہی محور پر گردش کی وجہ سے دباؤ پڑنے پر مٹی کی تہوں نے پھسلنا شروع کیا یوں ایک طرف چٹانوں نے انہیں روکا تو دوسری طرف سے دباؤ پڑنے کی وجہ سے یہ پھسل کر آپس میں دھنستی چلی گئیں یوں ایک تو یہ مٹی کی تہیں سکڑ گئیں جس سے جگہ جگہ گڑھے بن گئے اور دوسرا نہ صرف نیچے کو بھی دھنسیں بلکہ اوپر کو بھی اٹھ گئیں جو کہ چٹانوں کے علاوہ پہاڑ وجود میں آئے۔ پھر جب یہ مراحل مکمل ہو گئے تو سورج کے وجود میں آنے سے سورج کی توانائی جب زمین کے گرد گیسوں کے مرکب میں داخل ہوئی تو ان میں کیمیائی عوامل وقوع پذیر ہوئے جس سے نہ صرف یہ گیسوں کا مرکب سات تہوں میں تقسیم ہو گیا بلکہ زمین پر آخری چار مراحل میں چار اقسام کے شہابیوں سے خارج ہونے والی گیسوں سے آکسیجن و ہائیڈروجن وجود میں آئیں اور پھر ان کے اختلاط سے پانی بارشوں کی صورت میں زمین پر اترا جو بلندیوں سے گہرائیوں کی طرف بہتا رہا جس سے زمین کا کٹاؤ ہو کر نالے، چشمے، نہریں اور دریا وجود میں آئے اور جو زمین کی تہوں کے پھسل کر سکڑنے سے گڑھے وجود میں آئے ان میں پانی بھرتے بھرتے سمندر وجود میں آگئے اور بالآخر جب آکسیجن و ہائیڈروجن کا لیول اس سطح پر آگیا کہ مزید اختلاط نہیں ہو گا تو بارشیں تھم گئی یوں اس کے بعد سمندروں سے پانی بخارات بن کر اڑنے لگا جس سے بارشیں اور موسم وجود میں آئے۔ یوں پانی سے زمین پر زندگی کا آغاز ہوا ایک طرف سمندروں میں جان وجود میں آئی اور دوسری طرف نباتات یوں دونوں طرف ارتقاء ہوتے ہوتے ایک طرف تیر کر، رینگ کر، چل کر اور اڑ کر حرکت کرنے والی مخلوقات وجود میں آئی تو وہیں دوسری طرف ارتقاء کرتے کرتے زمین باغات میں بدل گئی۔

اب ذرا غور کریں کیا کوئی باہر سے اللہ آیا جس نے زمین اور اس کے گرد گیسوں کی سات تہوں کو وجود دیا جو وجود میں لایا؟ یا پھر یہی وجود جو موجود ہے جسے آپ کائنات کا نام دیتے ہیں یہی آسمانوں و زمین کا خالق ہے؟ اسی وجود نے زمین اور اس کے گرد گیسوں کی سات تہوں یعنی سات آسمانوں کو وجود دیا؟ جب حقیقت یہ ہے کہ کوئی باہر سے نہیں آیا بلکہ یہی وجود ہی ان کا خالق ہے تو پھر اللہ کون ہوا؟ اللہ کیا ہے؟ کیا یہی وجود جو موجود ہے ایک ہی وجود ہے اور یہی اللہ نہیں ہے؟ بے شک ایک ہی وجود موجود ہے اور جو وجود ہے یہی اللہ ہے اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں۔ اب جبکہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے آپ پر واضح ہو گیا تو پھر دیکھیں یہی بات اللہ نے ایک اور پہلو سے آپ کو کہی۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ الْاَرْضَ. الاحقاف ۳۳

اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ۔ الاسراء ۹۹

کیا اورنہیں دیکھ رہے کہ اس میں کچھ شک نہیں اللہ تھا وہ ذات خلق کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو، یعنی کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا؟ آج تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو آج تم پر یہ حقیقت بالکل کھول کر واضح کر دی گئی کہ آسمانوں وزمین کو خلق کرنے والا یہی وجود ہے نہ کہ کوئی باہر سے ان کو خلق کرنے والا کوئی آیا تو جس نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا وہی ذات تو اللہ ہے جسے تم نے تھا کیا ہوا ہے تم ماننے کو تیار ہی نہیں۔

آسمانوں اور زمین کو خلق کرنے والی ذات یہی وجود ہے جو موجود ہے جسے آپ کچھ بھی کہیں یعنی ھُوَ ، ھُوَ ہی اللہ ہے، ھُوَ نے ہی آسمانوں اور زمین کو خلق کیا۔ یوں اس پہلو سے بھی آپ پر بالکل کھول کر واضح کر دیا گیا کہ اللہ کیا ہے اللہ یہی وجود ہے جو موجود ہے۔ جو موجود ہے اور اور کرتے جائیں جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے تو جو وجود سامنے آئے گا اللہ ہے ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں۔ یہ بات دو ٹوک الفاظ میں درج ذیل آیت میں بھی واضح کر دی گئی

ھُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ۔ الحدید ۴

اور ھُوَ ہی وہ ذات ہے جس نے خلق کیا آسمانوں اور زمین کو۔

ھُوَ کیا ہے پیچھے تفصیل کیساتھ کئی بار واضح کیا جا چکا کہ جو کچھ بھی موجود ہے اور اور کرتے جائیں جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے تو جو وجود سامنے آئے گا اللہ ہے یعنی جو کچھ بھی موجود ہے یہی اللہ کی ذات ہے یہ اللہ ہی کا وجود ہے یہی بطور مخلوق اور یہی بطور خالق اور یہی جس سے خلق کیا جا رہا ہے سامنے آئے گا یہ ہے اللہ کا الصمد ہونا کوئی دوسرا ہے ہی نہیں صرف اور صرف ایک ہی ذات ہے اور وہ اللہ ہے اور کچھ ہے ہی نہیں۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

قُلۡ مَنۡ یَّرۡزُقُکُمۡ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ قُلِ اللّٰہُ ۔ سباء ۲۴

پوچھو ان سے کون ہے جو گویا خود ہی تمہارا رزق بن رہا ہے جو گویا خود ہی تمہارے رزق کے طور پر تمہارے سامنے آ رہا ہے آسمانوں اور زمین سے، تمہیں کہنا پڑے گا تم یہ کہنے پر مجبور ہو جاؤ گے اللہ ہے۔

اب آپ خود غور کریں کہ آسمانوں اور زمین سے کون گویا کہ خود ہی آپ کا رزق بن رہا ہے یا پھر بے شک آپ یہ کہیں کہ آپ کو رزق دے رہا ہے دونوں صورتوں میں حق ہی سامنے آئے گا۔ تو ذرا غور وفکر کریں جو آپ کی ضروریات ہیں وہ آپ کے لیے کون وجود میں لا رہا ہے جنہیں آپ استعمال کر رہے ہیں؟ جب آپ غور وفکر کریں تو سب سے پہلے اس بات میں غور کریں کہ آپ کا رزق یعنی آپ کی ضروریات ہیں کیا؟ سب سے پہلے تو آپ کو زندہ رہنے کے لیے آکسیجن کی ضرورت ہے کھانے کے لیے طرح طرح کے پھل سبزیوں کی ضرورت ہے سواری کے ذرائع کے لیے گدھے، گھوڑے، خچر اور اونٹ وغیرہ آپ کی ضرورت ہیں، جسم کو مختلف اقسام کی حرارت کی صورت میں توانائی کی ضرورت ہے اسی طرح باقی بھی جتنی ضروریات ہیں تو ذرا غور کریں یہ تمام تر ضروریات کون فراہم کر رہا ہے؟

آکسیجن تو درخت فراہم کر رہے ہیں پھل بھی درخت فراہم کر رہے ہیں، سواری کے ذرائع بھی یہی آسمانوں وزمین میں جو مخلوقات ہیں یہی وجود میں لا رہے ہیں جسم کو حرارت کی صورت میں درکار توانائی سورج فراہم کر رہا ہے اسی طرح چاند کا بھی اپنا کردار ہے آپ کا رزق یعنی آپ کی جو بھی ضروریات ہیں ان کو فراہم کرنے والی یہی مخلوقات ہیں یہی وجود ہی آپ کے سامنے آئے گا جس میں زمین اور زمین کی لاتعداد مخلوقات درخت، پہاڑ، سمندر، ہوائیں، سورج اور چاند وغیرہ ہیں نہ کہ کوئی اور الگ سے کوئی وجود یا ذات سامنے آئے گی۔

جب حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین سے رزق فراہم کرنے والا یہی وجود ہے جو موجود ہے تو پھر اللہ کون ہوا؟ جب حقیقت یہ ہے کہ جو آسمانوں وزمین سے رزق بن رہا ہے یہی وجود ہے جو موجود ہے تو پھر اللہ کیا ہوا؟ اللہ کون ہوا؟ قرآن میں تو دو ٹوک الفاظ میں کہا جا رہا ہے جو رزق فراہم کر رہا ہے وہی اللہ ہے تو جب رزق فراہم کرنے والا وجود یہی ہے جو موجود ہے تو پھر ظاہر ہے اللہ یہی وجود ہے جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے۔ ایک ہی وجود ہے

اس کے علاوہ کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں اور جو وجود ہے یہی اللہ ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَاْنٍ. الرحمٰن ۲۹

يَسْئَلُهُ گویا کہ خود ہی اپنی حاجت روائی کے لیے لپک رہا ہے اور جس کی طرف لپک رہا ہے جو بھی ہے آسمانوں اور زمین میں تمام کے تمام مراحل ہیں هُوَ یعنی جو کچھ بھی موجود ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی کا صیغہ نہ بن جائے تو جو وجود سامنے آئے گا یہی ہے تمام کی تمام حالتوں میں۔
اس سے واضح بھی کوئی آیت ہو سکتی ہے؟ يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے گویا کہ خود ہی اپنے حاجت روائی کے لیے لپک رہا ہے اور جس کی طرف لپکا جا رہا ہے وہ بھی گویا کہ خود ہی اس کی حاجت روائی کر رہا ہے یہ کیا ہے آگے اسی سوال کا جواب دے دیا گیا كُلَّ يَوْمٍ هُوَ تمام کے تمام مراحل ہیں جو بھی موجود ہے درخت اور پہاڑ اور سمندر اور ہوائیں اور زمین اور زمین میں موجود لا تعداد جاندار و بے جان مخلوقات اور سورج اور چاند وغیرہ وغیرہ یہ تمام کے تمام مراحل ہیں هُوَ فِي شَاْنٍ هُوَ ہے تمام کی تمام حالتوں میں یعنی جو کچھ بھی تمہیں نظر آ رہا ہے یہ تمام کے تمام مراحل ہیں جیسے کوئی کام مختلف مراحل سے گزر کر مکمل ہوتا ہے بالکل اسی طرح اس وجود میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے یہ اسی کے تمام مراحل ہیں یہی وجود ہے اللہ ہی کی ذات ہے تمام کی تمام حالتوں میں کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔
آپ اپنی ہی ذات میں غور کریں آپ کو آکسیجن کی ضرورت ہے آپ اپنی اس حاجت روائی کے لیے کیا کسی کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں جو آکسیجن کو وجود میں لا رہا ہے یا پھر حقیقت تو یہ ہے کہ آپ اپنی اس حاجت روائی کے لیے گویا خود ہی سوال کر رہے ہیں اپنی اس حاجت روائی کے لیے لپک رہے ہیں اور جو آکسیجن وجود میں لا رہا ہے یعنی درخت وہ بھی خود ہی آپ کی حاجت روائی کر رہا ہے۔
آپ آکسیجن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے اور درخت آکسیجن خارج کیے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے اسی طرح آپ کاربن خارج کیے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے اور درخت کاربن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ تو جو آپ کے لیے فضلہ ہے جسے آپ خارج کر رہے ہیں وہ دوسری مخلوق کی ضرورت ہے اس کا رزق ہے اسی طرح کُل کے کُل وجود میں آپ کو نظر آئے گا تمام کی تمام مخلوقات ہی ہیں جو محتاج ہیں اور اپنی حاجت روائی کے لیے جن کی طرف لپک رہی ہیں یعنی جو حاجت روائی کر رہا ہے وہ بھی یہی مخلوقات ہی ہیں سائل بھی خود اور حاجت روا بھی خود کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ. الحدید۳

هُوَ جو کچھ بھی موجود ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا، جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے تو نہ صرف ایک ہی وجود ایک ہی ذات سامنے آئے گی اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں بلکہ یہی وجود یہی ذات الْاَوَّلُ مخصوص اول ہے وَ الْاٰخِرُ اور یہی ذات مخصوص آخر ہے وَالظَّاهِرُ اور جو کچھ بھی ظاہر ہے یہی ایک ہی ذات ہے وَالْبَاطِنُ اور جو کچھ بھی باطن ہے یعنی جو ظاہر نہیں بلکہ ظاہر کے پیچھے چھپا ہوا ہے جو ظاہر کے پردے میں ہے یہی ذات ہے اور کوئی ہے ہی نہیں۔
اللہ نے قرآن میں یہ آیت لا کر اللہ کی ذات کو اس قدر کھول کھول کر سامنے رکھ دیا کہ اس کے باوجود بھی اگر کوئی نہیں مانتا اور آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کو ہی اللہ قرار دیتا ہے جس کا کوئی وجود ہی نہیں تو پھر ایسے شخص سے بڑھ کر نہ تو کوئی اندھا اور بہرا ہو سکتا ہے اور نہ ہی ایسے شخص سے بڑھ کر کوئی گمراہ ہو سکتا ہے۔
اس آیت میں اللہ نے اپنی ذات کے بارے میں تمام تر بحث و مباحثے کو سرے سے ہی ختم کر دیا کہ هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ هُوَ یعنی جو کچھ بھی موجود ہے خواہ جو آپ کو نظر آ رہا ہے یا پھر آپ کو نظر نہیں آ رہا، جو کچھ بھی اپنا وجود رکھتا ہے یہی ذات ہے جو کہ مخصوص اول ہے یعنی ہر لمحے اول بھی ہے اور

مخصوص آخر یعنی ہر لمحے آخر بھی ہے اور الظاہر ہے یعنی جو کچھ بھی ظاہر ہے یہی ذات ہے اور کوئی ہے ہی نہیں اور جو کچھ بھی ظاہر نہیں ہے بلکہ ظاہر کے پیچھے یا اس کے پردے میں ہے چھپا ہوا ہے یہی ذات ہے اور کوئی ہے ہی نہیں۔ اس آیت سے بھی واضح کچھ اور ہو سکتا ہے؟

اس آیت میں بالکل دوٹوک اور ہر لحاظ سے ہر پہلو سے واضح کر دیا گیا کہ یہی وجود جو آپ کو ہر طرف نظر آ رہا ہے یہی تو اللہ کی ذات ہے اور اس کے علاوہ اور کوئی وجود ہے ہی نہیں اور کوئی ذات ہے ہی نہیں کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔ ظاہر ہے جب الاول اور الآخر اور الظاہر اور الباطن ہے ہی اللہ تو پیچھے رہ کیا گیا؟ پیچھے کچھ رہے گا تو کسی دوسری ذات یا کسی دوسرے وجود کا کوئی تصور ہو گا لیکن جب پیچھے کچھ رہا ہی نہیں تو پھر ایک ہی ذات ہے اس کے علاوہ دوسرے کسی وجود کا تو تصور تک بھی ختم ہو جاتا ہے۔

اس قدر حق کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود آج تک نہ صرف ایسی آیات کو چھپا دیا گیا ان پر بات ہی نہیں کی گئی بلکہ قرآن کا کفر کرتے ہوئے اپنے انہی باطل و بے بنیاد عقائد و نظریات کو ہی اللہ کی ذات قرار دیا جاتا رہا اس کے باوجود کہ وہ عقائد و نظریات قرآن سے کھلم کھلے متصادم ہیں۔ اور یہی وجہ ہے جس وجہ سے ان لوگوں نے آج تک قرآن کی ان آیات کو چھپایا، ان پر بات نہ کی کیونکہ انہیں علم ہے اگر ان آیات کو سامنے لایا جائے گا ان پر بات کی جائے گی تو انہیں اپنے آباؤاجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد و نظریات کو ترک کرنا پڑے گا جو یہ کسی بھی صورت نہیں کرنا چاہتے بلکہ یہ ہر صورت اسی پر ہی رہنا چاہتے ہیں جس پر انہوں نے اپنے آباؤاجداد کو پایا۔

یہ لوگ قرآن کو تو ترک کر سکتے ہیں لیکن اپنے مشرک آباؤاجداد کو نہیں جو بہت بڑے جاہل تھے۔ یہ لوگ اللہ کے رسولوں کا کذب تو کر سکتے ہیں لیکن یہ کبھی بھی اپنے مشرک آباؤاجداد کو ترک نہیں کر سکتے جو ان کے اعمال سے نہ صرف ثابت شدہ ہے بلکہ آپ پر بھی کھول کھول کر واضح کر دیا گیا۔ یوں اس پہلو سے بھی آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو چکا کہ یہی وجود ہی اللہ ہے جو کہ ایک ہی وجود ہے کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا. النساء ۱۲۶

وَ اور لِلّٰهِ جملہ ہے جو کہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے ''لِ'' اور ''الہ''۔ لِ کے معنی ہیں کے لیے اور الہ کے معنی ہیں کہ جو کچھ بھی دیا گیا اس کا کب کہاں کیوں کتنا کیسے اور کس کے لیے استعمال کرنا ہے جس کے فیصلے کو مان کر یعنی جس کے کہے کے مطابق ان میں سے کسی کا بھی استعمال کیا جائے گا وہ الہ کہلائے گا۔

وَلِلّٰهِ اور الہ کے لیے مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے یعنی جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے یہی سب کا سب الہ ہے اور انہیں الہ بنانے والے بھی وہی ہیں جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے۔

آسمانوں و زمین میں جو کچھ بھی ہے سب کے سب کو جو کچھ بھی دیا گیا جو جو صلاحیتیں بھی دی گئیں نہ صرف سب کو وجود دینے والا سب کو صلاحیتیں وغیرہ یا جو کچھ بھی دیا گیا دینے والا یہی وجود ہے جو کچھ بھی آسمانوں و زمین میں ہے بلکہ سب کے سب اسی کے لیے ہی ان سب کا استعمال کر رہے ہیں اسی کے فیصلے کے مطابق ہی سب کا سب استعمال کر رہے ہیں یعنی یہاں تک بالکل واضح ہے کہ الہ بھی وہی ہے جو کچھ بھی آسمانوں و زمین میں ہے اور الہ بنانے والے بھی یہی ہیں جو کچھ بھی آسمانوں و زمین میں ہے پھر آگے کہا گیا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا.

وَكَانَ اور قدر میں کر دیا گیا، جو پہلے سے ہی طے شدہ ہے یعنی اس کے علاوہ کچھ بھی ممکن ہی نہیں، جو کہا جا رہا ہے گویا کہ وہ ہو چکا اللّٰهُ اللہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہے اللہ تو آگے اسی سوال کا جواب موجود ہے بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ہر شئے سے احاطہ کیا ہوا ہے یعنی اگر آپ آسمانوں و زمین میں یا کہیں بھی غور کریں تو آپ کو ہر شئے کا احاطہ کیا ہوا ہی نظر آئے گا اور احاطہ کرنے والی بھی یہی مخلوقات ہی ہیں تو اس آیت میں کہا گیا کہ جس نے ہر شئے سے احاطہ کیا ہوا ہے وہ اللہ ہے اور جب غور کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ یہی وجود ہے جو آپ کو نظر آ رہا ہے اسی نے احاطہ کیا ہوا ہے۔

مثلاً بشر کی ہی مثال لے لیں کہ بشر کا بھی ہر شئے سے احاطہ کیا ہوا ہے کہ بشر اس سے باہر نکل ہی نہیں سکتا یعنی بشر آکسیجن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، کھائے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا یوں اس کے رزق کی صورت میں یہی وجود ہی ہے یہی مخلوقات ہی ہیں جو اس کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ ایسے ہی بشر کو زمین پر وجود میں لایا گیا تو نہ صرف اس کی ضروریات کی صورت میں اس کا احاطہ کیا ہوا ہے بلکہ زمین کے گرد گیسوں کا انتہائی پیچیدہ ترین حصار قائم کیا ہوا ہے جو زمین کو لاتعداد تباہیوں و نقصان سے محفوظ رکھے ہوئے ہے ایسے ہی جو کچھ بھی ہے نہ صرف ہر شئے کا احاطہ کیا ہوا ہے بلکہ احاطہ کرنے والا بھی یہی وجود ہی ہے کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔ یوں اس پہلو سے بھی بالکل کھل کر واضح ہو گیا کہ اللہ یہی وجود ہے جو کہ ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں۔ یہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ. آل عمران ۱۹۰

اَللّٰہُ الَّذِیۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَھَا ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ کُلٌّ یَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ یُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّکُمۡ تُوۡقِنُوۡنَ. الرعد ۲

وَھُوَ الَّذِیۡ مَدَّ الۡاَرۡضَ وَجَعَلَ فِیۡھَا رَوَاسِیَ وَاَنۡھٰرًا وَمِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیۡھَا زَوۡجَیۡنِ اثۡنَیۡنِ یُغۡشِی الَّیۡلَ النَّھَارَ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ. الرعد ۳

وَفِی الۡاَرۡضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّزَرۡعٌ وَّنَخِیۡلٌ صِنۡوَانٌ وَّغَیۡرُ صِنۡوَانٍ یُّسۡقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَ نُفَضِّلُ بَعۡضَھَا عَلٰی بَعۡضٍ فِی الۡاُکُلِ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ. الرعد ۴

اَلَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیۡ جَوِّ السَّمَآءِ مَا یُمۡسِکُھُنَّ اِلَّا اللّٰہُ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ. النحل ۷۹

یہ چند آیات ہیں ان میں اللہ نے بالکل واضح کر دیا کہ آسمانوں وزمین کی خلق میں یعنی آسمانوں وزمین میں جو کچھ بھی ہے اور یہ سب خلق کیسے ہوا، آسمانوں کا بغیر ستونوں کے بلند ہونا، نظام کا چلنا، سورج و چاند سمیت تمام کے تمام ستارے و سیارے جو اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں، زمین میں تمام کی تمام مخلوقات کا ایک سائیکل میں ہونا، زمین پر چوٹیاں یعنی جو کہ پہاڑ ہیں اور ان میں ذخیرہ شدہ زمین کے مختلف عناصر، ان سے وجود میں آنے والی نباتات، ثمرات، باغات اور ایسے ہی زمین کے گرد خلا میں تیرتے ہوئے شہابیے وغیرہ سمیت جو کچھ بھی ہے سب کی سب اللہ کی آیات ہیں۔ یہ محض چند آیات ہیں ان کے علاوہ قرآن ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے اللہ نے ہر پہلو سے سامنے لا رکھا کہ جو کچھ بھی تمہیں نظر آ رہا ہے سب کا سب اللہ کی آیات ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیات کے معنی کیا ہیں؟ تو اس کا جواب ہر لحاظ سے کھول کر آپ پر واضح کرتے ہیں جس سے نہ صرف آیات کی وضاحت ہو جائے گی بلکہ اللہ کیا ہے بالکل کھل کر واضح ہو جائے گا۔

آیات جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد ''آیت'' ہے اور آیت کی ضد ہے ''بیّن''۔ بیّن کے معنی ہیں کسی بھی بات، شئے یا ذات کا ہر لحاظ سے ہر پہلو سے کھلم کھلا بالکل سامنے ہونا اس کا کوئی ایک بھی پہلو یہاں تک کہ رائی برابر بھی چھپا ہوا نہ ہونا اور اس کے بالکل برعکس آیت کے معنی ہیں کہ پوری بات، شئے یا ذات کا چھپے ہوئے ہونا اور اس کا چھوٹا سا حصہ چھوٹا سا پہلو یعنی تھوڑا سا حصہ سامنے ہونا آیت کہلاتا ہے جس میں غور کرنے یعنی جس کی گہرائی میں جانے یا جس کے پیچھے پڑنے سے اصل اور مکمل وجود، مکمل بات، شئے یا ذات کا بالکل کھل کر سامنے آ جانا۔

یعنی کسی بھی وجود، بات، شئے یا ذات کا وہ چھوٹا سا یا تھوڑا سا حصہ آیت کہلاتا ہے جو نہ صرف سامنے ہوتا ہے بلکہ اس کی گہرائی میں جانے سے اس کے پیچھے پڑنے سے جو مکمل وجود، مکمل بات، شئے یا ذات چھپی ہوئی تھی وہ بالکل کھل کر سامنے آ جائے کہ یہ کس کا تھوڑا سا حصہ سامنے تھا۔

آسمانوں وزمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے، سورج، چاند، ستارے و سیارے جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے یہ سب کا سب اللہ کی آیات ہیں جس سے یہ بات

بالکل کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ یہ جو کچھ بھی سامنے نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کی ذات کا تھوڑا سا حصہ ہے اور اس وقت تک کوئی اللہ کو نہیں جان سکتا اللہ کو نہیں پہچان سکتا جب تک کہ ان میں غور وفکر نہیں کرتا ان کی اتباع نہیں کرتا یعنی ان کے پیچھے پڑتے ہوئے مکمل وجود کو نہیں جان لیتا۔

یہی وجہ ہے جس وجہ سے اللہ نے بار بار اس بات پر زور دیا کہ آسمانوں وزمین میں جو کچھ بھی ہے ان میں غور وفکر کرو، اپنی ہی ذات میں غور وفکر کرو کیونکہ جب تم ان میں سے کسی میں بھی غور کرو گے تو تم آگے بڑھتے بڑھتے حق کیا ہے اسے جان جاؤ گے تم پر اللہ کی ذات بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی تم پر واضح ہو جائے گا کہ یہ جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کی ذات ہے اللہ کا وجود نظر آ رہا ہے۔ یوں تم پر یہ بات بھی بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ یہی وجود ہے یہی ذات ہے جس نے تمہیں وجود میں لایا اور اسی نے تم میں صلاحیتیں رکھیں تمہیں ذہانت دی اور جب اسی وجود نے تمہیں وجود دیا اور اسی نے تمہیں سب کچھ دیا تو پھر ظاہر ہے تمہارا اپنا کوئی وجود نہیں بلکہ تم اور تمہیں جو کچھ بھی دیا اسی وجود کی ملکیت ہے اسی وجود کا ہے اور اسی کے لیے ہے اس لیے ان میں سے کسی کا بھی استعمال کرنا ہے تو اسی وجود کے لیے استعمال کرنا ہے جیسے تمہارے وجود میں مختلف اعضاء ہیں جو تمہارے ہیں اور تمہارے لیے ہیں جن کا مقصد ہے اپنی صلاحیتوں کا اپنے اسی وجود کے لیے استعمال کرنا جس وجود میں موجود ہیں، اس وجود کو کسی بھی قسم کے نقصان سے بچانا اس کی حفاظت کرنا جس مقصد کے لیے اس وجود نے تمہیں وجود میں لایا اسی مقصد کو پورا کرنا یہی وجود یہی ذات ہی اللہ ہے۔

یوں آپ پر اس پہلو سے بھی کھل کر واضح ہو گیا کہ یہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے اللہ کسی دیو مالائی عقیدے ونظریے کا نام نہیں بلکہ اللہ یہی ذات ہے جس کا وجود تمہیں ہر طرف نظر آ رہا ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اللہ کا ایک اسم ہے ''الرقیب'' رقیب کے معنی ہیں مثلاً آپ کہیں بھی موجود ہیں تو وہاں آپ کے علاوہ جو موجود ہے۔ اللہ الرقیب ہے یعنی آپ کہیں بھی چلے جائیں آسمانوں میں چلے جائیں، زمین کی گہرائیوں میں چلے جائیں سمندروں کی گہرائیوں میں چلے جائیں جہاں بھی چلے جائیں وہاں جو بھی آپ کے علاوہ موجود ہے وہ اللہ ہی کی ذات ہے۔

اب آپ خود غور کریں کہ اگر آپ آسمانوں میں چلے جاتے ہیں تو وہاں آپ کے علاوہ دوسرا کون ہے؟ کیا یہی وجود نہیں جو آپ کو ہر طرف نظر آ رہا ہے؟ اسی طرح آپ زمین کی گہرائیوں میں چلے جائیں تو وہاں آپ کے علاوہ کون موجود ہوگا؟ کیا یہی وجود نہیں جسے آپ مخلوقات کا نام دیتے ہیں جسے کائنات کا نام دیتے ہیں یا پھر فطرت کا نام دیتے ہیں؟

ایسے ہی اگر آپ سمندروں میں چلے جائیں تو وہاں آپ کے علاوہ دوسرا کون موجود ہوگا؟ کیا پانی وسمندری مخلوقات ہی کی صورت میں یہی وجود نہیں ہے؟ کیا اس کے علاوہ کوئی اور ہے؟ آپ جہاں بھی چلے جائیں تو وہاں آپ کے علاوہ دوسرا یہی وجود ہے یہی ذات ہے جو ہر طرف آپ کو کھلم کھلا نظر آ رہی ہے یوں اس پہلو سے بھی آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو گیا کہ اللہ یہی ذات ہے جو ہر طرف آپ کو نظر آ رہی ہے اس کی آیات کی صورت میں۔

اب اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ نہیں جی اللہ تو کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر موجود ہے تو پھر اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ ایسا کوئی اللہ اگر ہو بھی تو وہ الرقیب ثابت ہوتا ہی نہیں کیوں کہ الرقیب تو یہی وجود ہے جو آپ کو ہر طرف مخلوقات ہی کی صورت میں نظر آ رہا ہے۔ جب الرقیب یہی وجود ہے تو پھر اس وجود کے علاوہ کوئی اللہ ہو ہی نہیں سکتا نہ ہی ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اللہ کا ایک اسم ہے ''المومن'' مومن کے معنی ہیں وہ ذات جس نے وجود میں لایا اس کی طرف سے جو بھی حکم دیا جا رہا ہے، جو بھی کرنے کا کہا جا رہا ہے یا جس سے روکا جا رہا ہے اسے دل سے تسلیم کرتے ہوئے اس پر عمل کرنے والا۔ اللہ المومن ہے یعنی وہ اللہ کا وجود ہے جسے وجود میں لانے والی ذات جو کہ یہی وجود ہے جو ہر طرف نظر آ رہا ہے کی طرف سے جو بھی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اسے دل سے تسلیم کرتے ہوئے اس پر عمل کر رہا ہے اور جس کے کرنے سے روکا جا رہا

ہےاسے دل سے تسلیم کرتے ہوئے اس سے رک رہا ہے۔

اب اگر آپ تھوڑا سا بھی غور کریں تو آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ وجود میں لانے والی اور حکم دینے والی بھی یہی ذات ہے جو آپ کو ہر طرف مخلوقات کی صورت میں نظر آ رہی ہے اور جنہیں حکم دیا جا رہا ہے وہ بھی یہی ذات مخلوقات ہی کی صورت میں ہر طرف نظر آ رہی ہے۔

مومن کی ضد ہے مشرک۔ مشرک کے معنی ہیں جو الگ سے یعنی دوسرا وجود ہونے کا دعویدار ہے مثلاً آپ اپنے ہی وجود کی مثال لے لیں آپ کے وجود میں تمام کے تمام اعضاء جو کہ آپ ہی کا وجود ہیں اور اس وقت تک آپ کا ہی وجود ہیں جب تک کہ تمام کے تمام اعضاء آپ کے یعنی نفس جو کہ دماغ ہے اس کیساتھ جڑے رہیں گے اور دماغ کے تابع رہیں گے لیکن اگر ان میں سے کوئی بھی عضو دماغ سے کٹ جاتا ہے یا اپنی من مانی کرتا ہے اپنی مرضی کرتا ہے تو وہ ایک دوسرا وجود بن جاتا ہے۔

اگر تمام کے تمام اعضاء دماغ کیساتھ جڑے رہتے ہیں تو ایک آپ ہی کا وجود ہے کوئی دوسرا وجود نہیں اور اگر ان میں سے کوئی بھی دماغ سے کٹ جاتا ہے یعنی آپ سے کٹ جاتا ہے اپنی من مانیاں اپنی مرضیاں کرتا ہے تو وہ دوسرا وجود ہونے کا دعویدار بن جاتا ہے۔

بالکل یہی مثال مومن اور مشرک کی ہے۔ آسمانوں و زمین میں یا کُل کے کُل وجود میں جو کچھ بھی ہے اگر تو وہ اپنے مقام پر قائم رہتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو پورا کر رہا ہے یعنی وہ اللہ سے جڑا ہوا ہے تو کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں وہ اللہ ہی کا وجود ہے اور اگر کوئی اللہ سے کٹ جاتا ہے اپنی من مانیاں کرتا ہے اپنی مرضیاں کرتا ہے تو وہ الگ سے وجود ہونے کا دعویدار بن جاتا ہے یعنی وہ اللہ کا شریک بن جاتا ہے اور ایسا کرنے والا مشرک کہلاتا ہے۔

یہی آج سے چودہ صدیاں قبل محمد علیہ السلام نے بھی کہا تھا کہ اگر کوئی اللہ کا خالص غلام بن جاتا ہے یعنی خود کو مکمل طور پر اللہ کے حوالے کر دیتا ہے ایسے ہی جیسے آپ کے وجود میں آپ کے اعضاء ہر لحاظ سے آپ کے غلام ہیں آپ کے ہاتھ آپ کے غلام ہیں اگر کوئی ایسے ہی اللہ کا غلام بن جاتا ہے تو اللہ اس کی آنکھیں بن جاتا ہے اللہ ان سے دیکھتا ہے یعنی اس کا دیکھنا اللہ کا دیکھنا ہوتا ہے، اس کا سننا اللہ کا سننا، اس کا چلنا اللہ کا چلنا، اس کا بولنا اللہ کا بولنا یعنی اللہ کا کلام کرنا اس کا ہر عمل اللہ کا عمل ہوتا ہے۔

ظاہر ہے اگر وجود میں کوئی عضو خالص وجود کا غلام ہے تو کوئی بھی کام کوئی بھی عمل عضو کا عمل نہیں بلکہ وجود کا عمل کہلائے گا جیسے بظاہر ہاتھ کام کرتے ہیں لیکن آپ یہ نہیں کہتے کہ ہاتھوں نے کیا بلکہ آپ کہتے ہیں کہ فلاں کام میں نے کیا، اسی طرح بظاہر دیکھو تو آنکھیں رہی ہوتی ہیں لیکن آپ یہ نہیں کہتے کہ آنکھیں دیکھ رہی ہیں یا آنکھوں نے دیکھا بلکہ آپ کہتے ہیں کہ میں دیکھ رہا ہوں یا پھر میں نے دیکھا ایسے ہی جسم میں کوئی بھی عضو کوئی بھی کام کرتا ہے تو آپ کہتے ہیں کہ یہ کام میں نے کیا اور اگر آپ کے وجود سے کوئی بھی عضو کاٹ دیا جائے اور کسی دوسرے وجود کا حصہ بن جائے اس کی بات مانے تو پھر آپ یہ نہیں کہیں گے کہ اس کا کام میرا کام بلکہ تب وہ اسی کا کام کہلائے گا جس کا وہ ٹول بنا جس کا اس نے حکم مانا۔ اسی کا اللہ نے قرآن میں جگہ جگہ ذکر کیا جیسا کہ درج ذیل آیت آپ کے سامنے ہے۔

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ. آل عمران ۲۰

اور اللہ ہے دیکھ رہا ہے عباد سے یعنی عباد کیساتھ۔

عباد عبد کی جمع ہے اور عبد کے معنی ہیں غلام، جیسے آپ کے وجود میں آپ کے اعضاء آپ کے غلام ہیں آپ ان سے جو جی چاہے کام لیں وہ آگے سے رائی برابر بھی شکوہ و شکایت نہیں کرتے نہ ہی کوئی ڈھیل کرتے ہیں بلکہ جو آپ کہتے ہیں وہی کر رہے ہیں۔ اللہ اپنے غلاموں کیساتھ دیکھ رہا ہے کا مطلب بالکل وہی ہے جیسے آپ کہتے ہیں میں آنکھوں کیساتھ دیکھ رہا ہوں، میں کیمرے کیساتھ دیکھ رہا ہوں، میں دور بین کیساتھ دیکھ رہا ہوں وغیرہ۔

جو بھی اللہ کے عباد یعنی غلام ہیں ان کا دیکھنا اللہ کا دیکھنا ہے یعنی اسی ذات کا دیکھنا ہے جس ذات میں سب کا سب موجود ہے جس نے وجود میں لایا جو کہ یہی وجود ہے جو ہر طرف نظر آ رہا ہے۔

یوں اس پہلو سے بھی آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو گیا کہ اللہ کیا ہے جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے جو بھی وجود ہے یہ اللہ ہی کا وجود آپ کو نظر آ رہا ہے اللہ کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں۔ ایک ہی وجود ہے اور یہی اللہ ہے نہ کہ اللہ ان کے مشرک آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد و نظریات کا نام ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اللہ کا ایک اسم ہے ''الشکور'' یعنی اللہ الشکور ہے۔ الشکور شکر سے جس کے معنی ہیں جو کچھ بھی دیا گیا اس کا اسی مقصد کے لیے استعمال کرنا جس مقصد کے لیے دیا گیا اور اس کی ضد ہے کفر جس کے معنی ہیں جو کچھ بھی دیا گیا اس کا یا اس میں سے کسی کا بھی اس مقصد کے لیے استعمال کرنے سے انکار کر دینا جس مقصد کے لیے دیا گیا۔

اللہ الشکور ہے یعنی جو شکور ہے وہ اللہ ہی کا وجود ہے اس کا کوئی الگ سے وجود نہیں ہے۔

اب آپ خود غور کریں کہ اگر اللہ الگ ہے اور یہ جو وجود ہے یہ الگ اور اللہ الگ سے اوپر آسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے تو پھر اللہ الشکور کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟ کیونکہ الشکور کے معنی ہیں وہ جو جسے جو کچھ بھی دیا گیا تو سب کے سب کا اسی مقصد کے لیے استعمال کر رہا ہے جس مقصد کے لیے دیا گیا تو کیا ایسا کوئی اللہ الشکور ثابت ہو سکتا ہے جس کا کوئی وجود ہی نہ ہو؟ جسے کوئی دینے والا ہی نہ ہوا اور پھر جو دیا وہ کس مقصد کے لیے دیا اس کا استعمال کیا ہے جب راہنمائی کی جائے تو وہ اسی مقصد کے لیے اس سب کا استعمال کرے؟ نہیں ایسا کوئی اللہ الشکور ثابت ہی نہیں ہوتا جو محض بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کا نام ہو جس کا کوئی وجود ہی نہ ہو۔

اب دیکھیں اور غور کریں کہ کیا یہی وجود جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے یہی وجود الشکور یا کفور ثابت نہیں ہوتا؟ آپ اپنی ہی مثال لے لیں اگر تو آپ اس سب کا اسی مقصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں جس مقصد کے لیے آپ کو دیا گیا تو آپ شکور ہیں اور الشکور اللہ ہے یعنی آپ جو بھی کر رہے ہیں وہ آپ کا کرنا نہیں بلکہ اسی ذات کا کرنا ہے جس نے آپ کو سب دیا آپ کا اپنا تو کوئی وجود ہی نہیں بلکہ آپ تو جو ایک ہی وجود ایک ہی ذات ہے اس میں اس کا ایک عضو ہیں بالکل ایسے ہی جیسے آپ کے جسم میں آپ کے اعضاء ہیں۔

یوں جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے جو کچھ بھی وجود رکھتا ہے یہ خود ہی ہے جو وجود میں لا کر صلاحیتیں وغیرہ دے رہا ہے اور خود ہی ہے کہ ان صلاحیتوں کا یا جو کچھ بھی دیا گیا اس کا اسی مقصد کے لیے استعمال کر رہا ہے یوں اس پہلو سے بھی بالکل کھل کر واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ یہی وجود ہے جو کہ ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں اور یہی اللہ ہے نہ کہ اللہ ان کے مشرک آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کا نام ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اللہ کا ایک اسم ہے ''المصور'' مصور کے معنی ہیں صور کرنے والا یعنی مادے کو یا مواد کو مختلف مراحل سے گزار کر کوئی صورت دینے والا ان سے کچھ وجود میں لانے والا۔ جیسے کہ آپ بذات خود ایک صورہ ہیں، درخت، چرند، پرند سمیت تمام کی تمام مخلوقات صورہ ہیں۔ اب ذرا غور کریں کہ کیا آپ کو جس مواد سے وجود میں لایا گیا یعنی جس مواد کو مختلف مراحل سے گزار کر آپ کو صور کیا گیا تو کیا آپ کو صور کرنے والا کوئی اس کائنات کے باہر سے آیا؟ یا پھر یہی وجود ہی ہے جس نے آپ کو صور کیا؟

درختوں کی ہی مثال لے لیں درخت جو کہ صورہ ہیں تو غور کریں درخت جس مواد سے وجود میں آئے اس مواد کو کس نے مختلف مراحل سے گزار کر درختوں کی شکل میں ڈھال دیا؟ کیا کوئی ایسا مصور ثابت ہوتا ہے جو اس کائنات کے باہر سے آ کر مواد کو مختلف مراحل سے گزار کر درختوں کو صور کر رہا ہے؟ یا پھر المصور آپ کو یہی وجود ہی نظر آئے گا جنہیں آپ مخلوقات کا نام دیتے ہیں۔

درختوں کو کس نے صور کیا؟ جب آپ درختوں کی خلق میں غور کریں گے تو آپ کے سامنے سمندر، سورج، چاند، زمین، ہواؤں سمیت لاتعداد مخلوقات آئیں گی یعنی یہی ایک ہی وجود سامنے آئے گا جو موجود ہے جس نے درختوں سمیت ہر کسی کو صور کیا اور صور کر رہا ہے۔

یوں آپ پر واضح ہو گیا کہ المصور تو یہی وجود ہے جو کہ ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں۔ جب یہی وجود المصور ثابت ہوتا ہے تو پھر اللہ کون ہوا؟ کیا اب بھی آپ یہی کہیں گے کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ؟

حق اس قدر کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود بھی اگر کوئی کہتا ہے کہ نہیں اللہ الگ ہے اور کائنات الگ ہے تو پھر آپ خود غور کریں ایسا اللہ جس کا کوئی

وجود ہی ثابت نہ ہو وہ المصور کیسے ثابت ہوسکتا ہے؟ المصور تو یہی وجود ہے تو پھر اللہ اسی وجود کو ہونا چاہیے نہ کہ اس کے علاوہ کوئی ایسا اللہ ثابت ہوسکتا ہے جس کا کوئی وجود نہ ہو سوائے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کے۔

اس پہلو سے بھی آپ پر بالکل کھول کر واضح کر دیا گیا کہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود ہے جو آپ کو نظر آ رہا ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اللہ کا ایک اسم ہے ''الخالق'' جو کچھ بھی وجود رکھتا ہے جو انہیں خلق کر رہا ہے وہی اللہ ہے۔

آسمانوں و زمین میں کسی بھی خلق میں غور کریں کہ اسے کس نے خلق کیا؟ اس کا خالق کون ہے تو آپ کے سامنے یہی وجود ہی سامنے آئے گا جسے آپ ہر طرف دیکھ رہے ہیں۔ مثلاً آپ اپنی ہی تخلیق میں غور کریں کہ آپ کو کس نے خلق کیا تو ذرا غور کریں اگر آپ کے والدین کو ہٹا دیا جائے تو آپ کا کوئی وجود ہوتا؟ نہیں بالکل نہیں۔ آپ کی خلق میں آپ کے والدین جو کہ ایک بشر مرد اور ایک بشر عورت آ جاتی ہے پھر اس سے بھی پہلے آپ اپنے والد میں نطفے کی صورت میں وجود میں آئے آپ کے والد کی صورت میں ایک مشین نے مختلف عناصر سے ایک نطفہ خلق کیا جس سے آپ کی والدہ کے جسم نامی ایک مشین نے آپ کو خلق کیا۔

والد میں نطفے کی صورت میں وجود میں آنے سے پہلے آپ نباتات کی صورت میں وجود میں آئے اسی طرح والدہ کے پیٹ میں خلق کے مراحل کے پیچھے بھی نباتات ہی سامنے آتی ہیں، نباتات زمین نے خلق کیں، نباتات کی خلق میں زمین کے علاوہ سورج اور چاند سمیت لاتعداد مخلوقات سامنے آئیں گی یوں جیسے جیسے آپ غور و فکر کرتے جائیں پیچھے سے پیچھے جائیں تو الخالق کے طور پر وہی ذات آپ کے سامنے آئے گی جس کا وجود آپ کو ہر طرف نظر آ رہا ہے یعنی جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے جو بھی وجود رکھتا ہے یہ اللہ ہی کا وجود ہے جو کہ الخالق ہے۔

ایسے ہی آپ نباتات میں غور کریں کہ ان کا خالق کون ہے؟ جب آپ نباتات کی خلق میں غور کریں گے تو آپ دیکھیں گے کہ اس میں سمندروں کا اپنا کردار ہے، ہواؤں کا اپنا کردار، بادلوں کا اپنا کردار، فضا کا اپنا کردار، زمین اور زمین کی لاتعداد مخلوقات کا اپنا کردار، سورج اور چاند کا اپنا کردار، جب تمام مخلوقات اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی اپنی ذمہ داری کو پورا کرتی ہیں تو اس سے نباتات خلق ہوتی ہیں یوں اسی طرح جتنا پیچھے سے پیچھے جائیں گے تو یہی مخلوقات کا مجموعہ ہی بطور خالق سامنے آئے گا کُل کا کُل یہی ایک ہی وجود سامنے آئے گا جو آپ کو ہر طرف نظر آ رہا ہے۔

آپ کسی کی بھی تخلیق میں غور کر لیں تو ہر لحاظ سے ہر پہلو سے الخالق وہی وجود ہی آپ کے سامنے آئے گا جس کا وجود آپ کو ہر طرف نظر آ رہا ہے۔ یوں اس پہلو سے بھی حق آپ پر کھول کھول کر واضح کر دیا گیا کہ اللہ کیا ہے۔ اب ذرا غور کریں جب الخالق یہی وجود ہی سامنے آتا ہے تو پھر ایسا کوئی اللہ ہوسکتا ہے جس کا کوئی وجود ہی نہیں؟ جو اس وجود سے الگ کوئی وجود ہو اور پرآسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے؟

جب الخالق یہی وجود ثابت ہوتا ہے تو پھر اللہ کون ہوا؟ اللہ تو یہی وجود ہی ثابت ہوتا ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اللہ کا ایک اسم ہے ''الرزاق'' رزق بننے والا یا رزق دینے والا۔ رزق کہتے ہیں ضروریات کو، آپ ایسا کریں کہ سب سے پہلے اپنی ضروریات کی فہرست بنائیں پھر غور کریں کہ وہ تمام کی تمام ضروریات کیا ہیں؟ اور وہ تمام کی تمام ضروریات کون آپ کو فراہم کر رہا ہے؟ مثلاً آپ کے رزق میں سے ہی آکسیجن ہے آپ آکسیجن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے تو ذرا غور کریں ایک تو آکسیجن کو آپ مخلوق کہتے ہیں دوسرا آکسیجن تو درخت خلق کر رہے ہیں اور یہ آسمان یعنی فضا آپ کو فراہم کر رہی ہے یعنی یہ وجود جو آپ کو نظر آ رہا ہے یہی وجود ہی الرزاق ثابت ہوگا۔

اس کے علاوہ بھی آپ کی جتنی بھی ضروریات ہیں، یا کسی بھی مخلوق کی ضروریات کو لے لیں تو آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو جائے گا کہ یہی وجود ہے جو ہر کسی کو اس کا رزق یعنی ضروریات خلق کر کے فراہم کر رہا ہے۔ پھل، سبزیاں، اناج وغیرہ آپ کی ضروریات ہیں تو یہی وجود ہی آپ کو آپ کی یہ ضروریات یعنی رزق

فراہم کررہا ہے۔ پانی آپ کی ضروریات میں سے ایک ہے تو پانی بھی آپ کو یہی وجود ہی خلق کر کے فراہم کررہا ہے۔ اب جبکہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ یہی وجود ہی الرزاق ثابت ہوتا ہے تو پھر کیا کوئی ایسا اللہ ہوسکتا ہے جو اس وجود سے الگ کوئی وجود رکھتا ہو جو اوپر آسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ بالکل نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض مان بھی لیا جائے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے اگر اس وجود کو ہٹا دیا جائے ان مخلوقات کو ہٹا دیا جائے جو کہ بطور الرزاق ہی سامنے آتی ہیں تو پھر کیا ایسا اللہ کسی ایک بھی مخلوق کو رزق فراہم کرسکتا ہے؟ تو اسکا جواب بھی بالکل واضح ہے کہ ہرگز نہیں۔ اور اگر اس کے باوجود بھی یہ کہا جاتا ہے کہ جی اللہ کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے تو پھر اس کا مطلب کہ وہ تو ان مخلوقات کا محتاج ہے، وہ اسی وجود کا محتاج ہے اسی لیے تو ان سے کام لے رہا ہے اور اگر ان کو ہٹا دیا جائے تو وہ کچھ بھی نہیں کرسکتا اور ایسا تو کسی بھی صورت اللہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یوں اس پہلو سے بھی آپ پر بالکل کھول کھول کر واضح کر دیا گیا کہ یہی وجود ہی الرزاق ہے اور الرزاق اللہ ہے یعنی یہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آرہا ہے جو کچھ بھی موجود ہے یہ اللہ ہی کا وجود ہے جو آپ کو نظر آرہا ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اللہ کا ایک اسم ہے ''الصمد'' جس کا معنی ہے کہ ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا ہے ہی نہیں، خالق، خلق اور مخلوق خود ہی ہے ایک ہی وجود۔ یعنی خلق کرنے والا، جو خلق ہو رہا ہے اور جس سے خلق کیا جا رہا ہے ایک خود ہی ہے کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔

اب اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ، اللہ کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے تو پھر ایسا اللہ کسی بھی صورت الصمد ثابت ہوتا ہی نہیں کیونکہ اگر کائنات الگ ہے اور اللہ الگ ہے تو پھر ظاہر ہے دو وجود ثابت ہو جاتے ہیں اور جب دو وجود ثابت ہو جائیں تو پھر وہ الصمد کیسے ہوا؟ الصمد تو ہو ہی نہیں سکتا۔

پھر اگر اللہ الگ ہے جو کہ خالق ہے، خلق اور مخلوق الگ ہے تو پھر بھی ایسا اللہ تو الصمد ثابت ہی نہیں ہوتا کیونکہ وہ خلق کرنے کے لیے یا کچھ بھی کرنے کے لیے اپنے علاوہ کسی دوسرے وجود پر انحصار کر رہا ہے اس کا محتاج ہے۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ تو پھر ایسا اللہ الصمد ثابت ہی نہیں ہوتا تو جو الصمد ثابت ہی نہ ہو وہ اللہ کیسے ہوا؟ وہ اللہ ہو ہی نہیں سکتا اس لیے مشرکین آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے باطل و بے بنیاد عقائد و نظریات کا نام اللہ نہیں ہے جس کا کوئی وجود ہی نہیں بلکہ یہی وجود جو آپ کو ہر طرف نظر آرہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود نظر آرہا ہے جو آپ کو الصمد نظر آرہا ہے یعنی اس ایک ہی وجود کے علاوہ کوئی دوسرا ہے ہی نہیں، خالق بھی خود، جو خلق ہو رہا ہے وہ بھی خود اور جس سے خلق ہو رہا ہے وہ بھی خود کوئی دوسرا ہے ہی نہیں بلکہ خود ایک ہی ہے۔ یوں اس پہلو سے بھی بالکل کھل کر واضح ہو جاتا ہے کہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آرہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود نظر آرہا ہے نہ کہ اللہ کسی دیومالائی بے بنیاد اور باطل عقیدے و نظریے کا نام ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اللہ کا ایک اسم ہے ''الغنی'' جس کے معنی ہیں کہ کسی کا بھی محتاج نہیں یعنی جو بھی کام کرتا ہے خود ہی کرتا ہے اپنا کام وہ کسی سے بھی نہیں کرواتا وہ اپنے کام کے لیے کسی بھی قسم کا کسی دوسرے کا یعنی جو اس کا شریک ہونے کا دعویدار بنے گا اس کا محتاج نہیں ہے۔ اب آپ سے ہی سوال ہے کہ اگر اللہ کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے تو پھر ایسا اللہ الغنی کیسے ثابت ہوا؟ وہ تو الغنی ثابت ہی نہیں ہوتا کیونکہ اگر اللہ الگ ہے اور یہ کائنات الگ وجود ہے تو پھر اس کا مطلب ہے کہ وہ تو اپنے ہر کام کے لیے اس کائنات کا محتاج ہے، بارشیں برسانے کے لیے پانی کا محتاج، سمندروں، ہواؤں سمیت لاتعداد مخلوقات کا محتاج، اگانے کے لیے سورج، چاند اور زمین سمیت لاتعداد مخلوقات کا محتاج، کسی کو بھی خلق کرنے کے لیے وہ انہی مخلوقات کا محتاج، مثلاً اگر ان مخلوقات کو ہٹا دیا جائے اس کائنات کو ہٹا دیا جائے تو وہ کچھ بھی نہیں کرسکتا، وہ ہر لحاظ سے اپنے ہر کام کے لیے اسی وجود کائنات کا محتاج ثابت ہو جاتا ہے۔ وہ کوئی ایک بھی کام ایسا نہیں جو خود کر رہا ہو یہاں تک کہ آپ کوئی ایک رائی برابر بھی کوئی کام یا شئے ایسی نہیں ملے گی جو اس نے خود کیا ہو اور اس کے لیے اس نے

ہرلحاظ سے خود پرانحصار کیا ہو بلکہ آپ کو جو کچھ بھی ملے گا وہ اسی وجود جو موجود ہے اسی کا ہی ملے گا۔

اب جو الغنی ثابت ہی نہ ہو جو خود محتاج ثابت ہو جائے تو وہ اللہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اللہ ثابت ہونا تو بہت دور کی بات بلکہ ایسے کسی اللہ کا تو کوئی وجود ہی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ آپ کُل کائنات میں غور وفکر کرلیں آپ کو اسی کائنات اسی وجود کا ہی سب کچھ ملے گا اس کے علاوہ کسی دوسرے کا کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اب جب کسی دوسرے کا کچھ ملتا ہی نہیں تو پھر کوئی دوسرا وجود کیسے ثابت ہوگا؟ یوں تو کوئی دوسرا وجود ہی ثابت نہیں ہوتا اور جو خود اپنا وجود ہی ثابت نہ کرسکے وہ اللہ کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ اپنا وجود ثابت کرنے کی بجائے زبردستی منوانے کے لیے ملاّؤں کا محتاج ہے اور پھر کوئی ایک بھی ملاّں ایسا نہیں جو اس کے بارے میں کیے جانے والے کسی ایک بھی سوال کا اطمینان بخش جواب دے سکے۔ تو جو اپنا وجود ہی ثابت نہیں کرسکتا بلکہ الٹا اپنا وجود منوانے کے لیے ملاّؤں کا محتاج ہے ایسا کوئی اللہ ہوسکتا ہے؟ اللہ تو الغنی ہے تو جو الغنی ثابت ہونا تو بہت دور اپنا وجود ہی ثابت نہ کرسکے وہ اللہ کیسے ہوسکتا ہے بلکہ یہ محض ان کے مشرک آباؤاجداد سے نسل درنسل منتقل ہونے والے عقائد ونظریات کا نام ہے جن کا حقیقت کیساتھ کوئی تعلق نہیں۔

اب جب کہ ہرلحاظ سے یہ واضح ہو چکا کہ نہ صرف ایک ہی وجود ہے جو کہ موجود ہے بلکہ یہی الغنی ہے اپنا ہر کام خود کررہا ہے بارشیں نہ صرف خود برسا رہا ہے بلکہ رائی برابر بھی کسی کا محتاج نہیں ایسے ہی اپنا ہر کام خود کررہا ہے تو پھر اللہ کیا ہوا؟ بالکل کھل کر واضح ہو چکا کہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آرہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود ہے جو آپ کو نظر آرہا ہے۔ یوں اس پہلو سے بھی حق ہرلحاظ سے کھل کر آپ پر واضح ہو چکا۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کردیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اللہ کا ایک اسم ہے ''الوکیل'' وکیل کے معنی ہیں اپنی بات کو منوا کر ہی رہنے والا۔

اب ذرا غور کریں کہ کون ہے جو الوکیل ثابت ہوتا ہے کیا کوئی ایسا اللہ الوکیل ثابت ہوتا ہے جس کا اپنا ہی کوئی وجود نہ ہو؟ جو آج تک اپنا وجود ہی نہ منوا سکا؟ جو آج تک اپنا وجود ہی نہ منوا سکا وہ خاک الوکیل ثابت ہوگا۔ بلکہ دیکھیں کہ وکیل کون ثابت ہوتا ہے۔

اللہ نے اپنے ہر رسول کو یہی کہا کہ ہم نے تجھے وکیل بنا کر نہیں بھیجا یعنی تیرا کام یہ نہیں کہ تُو منوا کر ہی چھوڑے بلکہ تیرے ذمہ صرف اور صرف کھول کھول کر پہنچا دینا ہے وکیل تیرا ربّ کافی ہے یعنی وہ ذات جس نے عدم سے وجود دیا اور نہ صرف وجود دیا بلکہ جتنی بھی ضروریات ہیں وہ خلق کر کے مہیا کررہی ہے وغیرہ، جو ذات ربّ ہے وہ وکیل کافی ہے۔

یہ بات آپ قرآن کی درج ذیل آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُم. الجمعه ۲

هُـوَ جو بھی موجود ہے اپنا وجود رکھتا ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ حد نہیں آجاتی یعنی جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا اور جب حد آجائے جس سے آگے جایا ہی نہیں جاسکتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے تو نہ صرف ایک ہی وجود سامنے آئے گا کہ اس ایک ہی وجود کے علاوہ کوئی اور ہے ہی نہیں بلکہ الَّذِیْ یہی وجود ہی وہ ذات ہے بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُم جو کھڑا کرتی ہے ایک رسول امیّن میں انہی میں سے۔

اس آیت سے آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو چکی کہ یہی وجود ہی وہ ذات ہے یعنی اللہ ہے جو رسول کو بعث کرتا ہے اور پھر جب رسول کو بعث کرتا ہے رسول آجاتا ہے تو پھر دیکھیں کیا کہا۔

وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِم بِوَکِیْلٍ. الانعام ۱۰۷

اور نہیں تُو ان پر وکیلوں سے یعنی اللہ اپنے بعث کیے ہوئے رسول کو کہہ رہا ہے ربّ جو کہ یہی وجود ہے جو آپ کو ہر طرف فطرت کی صورت میں نظر آرہا ہے اپنے بعث کیے ہوئے رسول سے کہہ رہا ہے کہ اے میرے رسول یہ جو تُو ان پر حق ہرلحاظ سے ہر پہلو سے کھول کھول کر واضح کررہا ہے اس کے باوجود بھی یہ نہیں مان رہے تو تجھے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں نہ ہی تجھے کوئی ایسی منصوبہ بندیاں کرنے کی ضرورت کہ تُو ان کو منوا کر ہی چھوڑے بلکہ تُو وکیل بنا کر نہیں بھیجا گیا اس لیے تجھ پر صرف اور صرف کھول کھول کر پہنچا دینا ہے۔

فَاِنَّمَا عَلَیۡکَ الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ . النحل ۸۲

پس اس میں کچھ شک نہیں تجھ پر کیا ہے؟ تجھ پر صرف اور صرف یہ ہے کہ ہر لحاظ سے ہر پہلو سے کھول کھول کر پہنچا دینا اور بس کیونکہ۔

وَمَا عَلَی الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ. العنکبوت ۱۸

اور کچھ بھی نہیں ہے الرسول پر مگر صرف اور صرف یہ کہ کھول کھول کر پہنچا دینا۔

رسول، اللہ کے وجود میں اللہ کی زبان ہوتا ہے جس کا کام ہوتا ہے وجود کی ترجمانی کرنا محض پیغام کو کھول کھول کر پہنچا دینا اس لیے رسول وکیل نہیں ہوتا کیونکہ وجود میں صرف زبان ہی نہیں ہوتی بلکہ وجود میں اور بھی بہت سے اعضاء ہوتے ہیں جن میں ہاتھ بھی ہوتے ہیں اگر کوئی زبان سے نہیں مانتا تو پھر ہاتھ حرکت میں آتے ہیں اس لیے رسول کا کام نہیں منوانا بلکہ منوانا تو ربّ کا کام ہے جو کہ اللہ ہے اور دیکھیں یہی بات آگے واضح کر دی گئی۔

وَکَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیۡلًا . الاسراء ۶۵

اور کافی ہے تیرے ربّ سے وکیل یعنی جیسے تُو رسول اللہ کی زبان ہے ربّ کی زبان ہے ایسے ہی اللہ کا ید یعنی اللہ کے ہاتھ بھی ہیں تو جب منوانے کا وقت آئے گا تُو تیرا ربّ منوالے گا، لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے اس لیے تُو ایسا کر اپنی ذمہ داری پوری کر تُو کھول کھول کر پہنچا دے جیسے ہی تُو پہنچا لے گا اپنی ذمہ داری کو پورا کر لے گا تو اس کے بعد ہاتھ حرکت میں آئیں گے تب ہر کوئی مانے گا۔

جب بھی اپنی بات کسی کو منوانا ناگزیر ہو جائے تو یہ اصول ہے کہ پہلے زبان سے منع کیا جائے گا تاکہ کل کو اس کے پاس یہ بہانہ یا عذر نہ رہے کہ اگر اسے زبان سے منع کیا جاتا تو وہ مان جاتا، اس بہانے کو دور کرنے کے لیے حجت کرنے کے لیے پہلے زبان سے بات کی جاتی ہے زبان اپنا کام کرتی ہے اور جب زبان اپنا کام مکمل کر لیتی ہے تو اس کے فوری بعد ہاتھ حرکت میں آتے ہیں پھر جو زبان سے نہیں مانتے جو استکبار کرتے ہیں کہ ہم نہیں مانیں گے ہم وہی کریں گے جو ہماری مرضی ہے وہ ہاتھ کے حرکت میں آنے سے مانتے ہیں یوں اللہ منواتا ہے اللہ وکیل ہے۔

اب دیکھیں کہ ماضی میں جب بھی منوایا گیا تو وکیل کون ثابت ہوا؟ اللہ نے نوح کو بھیجا ان کی قوم کی طرف اور جب وہ زبان سے نہ مانے تو آسمانوں وزمین میں یہی مخلوقات ہی ہیں جو حرکت میں آئیں، جب یہی مخلوقات جو کہ اللہ کا ید یعنی ہاتھ ثابت ہوا تو ہر کوئی مان گیا لیکن تب ماننا کوئی نفع نہ دیا۔ بالکل ایسے ہی بعد میں جب جب منوانے کا وقت آیا تو وکیل یہی مخلوقات ہی ثابت ہوئیں۔

یعنی آپ پر ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو چکا ہے کہ یہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے جو موجود ہے جو اپنا وجود رکھتا ہے نہ صرف یہ ایک ہی وجود ہے بلکہ یہی وہ ذات ہے جو پہلے زبان سے اپنی بات پیش کرتی ہے کہ مان جاؤ جس کے لیے ایک خلق بشر کو سامنے لایا جاتا ہے جب وہ اپنی ذمہ داری پوری کر لیتا ہے تو پھر یہی وجود ہی ہے جو حرکت میں آتا ہے یعنی وکیل بنتا ہے جب یہی وجود وکیل بنتا ہے تو ہر کوئی مان جاتا ہے۔

اب جب یہ ثابت ہو چکا کہ الوکیل یہی وجود ہی ہے جو آپ کو ہر طرف نظر آ رہا ہے تو پھر اللہ کیا ہے؟ کیا اللہ الگ ہے اور یہ وجود جو کہ ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں یہ الگ ہے؟ جب یہ ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں، یہی وجود ہی ربّ ہے، یہی وجود ہی وکیل ہے تو پھر اللہ کیا ہے یہ اب بھی سوال رہتا ہے؟

نہیں بلکہ بالکل کھل کر واضح ہو گیا کہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے جو اپنا وجود رکھتا ہے یہ اللہ ہی کا وجود ہے جو آپ کو نظر آ رہا ہے، آپ اللہ کو اس لیے نہیں دیکھ سکتے کیوں کہ اللہ اتنا بڑا ہے اور آپ اتنے چھوٹے ہیں کہ آپ کی بصارت اللہ کا احاطہ نہیں کر سکتی اور جہاں تک آپ کی بصارت ہے یعنی آپ دیکھ سکتے ہیں وہاں تک آپ کو کوئی دوسرا نہیں کوئی اور نہیں بلکہ ایک اللہ ہی کا وجود ہے اس کے علاوہ اور کوئی نہیں اس لیے اللہ ہی کا وجود نظر آئے گا۔

اللہ کیا ہے بالکل کھل کر واضح ہو چکا نہ کہ اللہ ان مشرکین کے مشرک آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کا نام ہے۔ اب اگر اس کے باوجود بھی کوئی اللہ سے کفر ہی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ نہیں اللہ الگ اوپر آسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اسے الوکیل ثابت کرے؟ اگر وہ اسے الوکیل ثابت کر دے تو کون ہے جو حق کا طلب گار ہو اور وہ حق سے کفر کرے؟ بلکہ آپ اپنے آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد و نظریات کو حق ثابت تو کریں لیکن انہیں حق ثابت کرنا تو دور کی بات آپ نے تو ان پر بات کرنے کی بھی پابندی عائد کی ہوئی ہے اگر کوئی ان پر

بات کرے گا ان کے خلاف سوچے گا یا ان کے لیے کوئی دلیل مانگے گا تو وہ دائرہ اسلام سے ہی خارج ہو جائے گا وہ کافر، مشرک، مرتد، زندیق، فاسق وفاجر اور نہ جانے کیا کیا ہو جائے گا۔

اب اگر آپ حق پر ہوں آپ کے پاس حق ہو تو آپ ایسا کریں؟ یہ ممکن ہی نہیں کیوں کہ حق نہ تو کسی ملامت کرنے والی کی پرواہ کرتا ہے، نہ کسی سے ڈرتا ہے، نہ خوف کھاتا ہے، نہ ہی کسی بھی قسم کی بیساکھیوں کا سہارا لیتا ہے بلکہ حق تو سامنے والے کو آزاد کرتا ہے کہ جاؤ اپنی تحقیق کر لو جہاں تک بھاگ سکتے ہو بھاگ لو بالآخر تم پر یہ واضح ہو جائے گا کہ وہی حق ہے جو کہ حق ہے جو کھول کھول کر سامنے لا رکھا گیا۔

حق سامنے والے کو کسی دائرے میں قید نہیں کرتا، اس کی آنکھیں اور کان بند نہیں کرتا، اس کے دماغ پر تالا نہیں لگاتا نہ ہی کسی دائرے میں قید کرتا ہے بلکہ حق سامنے والے کو پہلے تو آزاد کرتا ہے اسے اپنی پوری تحقیق کرنے کی دعوت اور موقع دیتا ہے پھر اسے اس کے ہر سوال کا جواب دیکر مطمئن کرتا ہے۔ اور اس کے برعکس باطل کو ہر لمحے یہ خوف کھائے جاتا ہے کہ کہیں حق سامنے نہ آجائے کیونکہ اسے علم ہے حق سے سامنا ہونے کی دیر ہے باطل چکنا چور ہو جائے گا باطل حق کا سامنا نہیں کر سکے گا اسے مٹنا ہی ہوگا جس وجہ سے باطل دائروں میں بند کرتا ہے قید کرتا ہے تحقیق وسوالات کا دروازہ بند کرتا ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اللہ کا ایک اسم ہے ''القوی'' قوی کے معنی ہیں کہ اگر کسی سے مقابلہ ہوتا ہے کسی سے لڑائی ہوتی ہے جنگ ہوتی ہے تو ان میں سے جو بچ جائے یعنی جو دوسرے کو شکست دے دے اس کا وجود مٹا دے اسے مار دے اور خود بچ جائے اس کا اپنا وجود برقرار رہے۔ یہی وجہ ہے جس وجہ سے آپ قوی کا معنی قوت والا بھی کر سکتے ہیں۔

اللہ القوی ہے یعنی اللہ وہ ذات ہے کہ جس سے جب بھی مقابلہ کیا گیا، جب بھی اس سے دشمنی کی گئی، جب بھی اس سے لڑائی و جنگ کی گئی تو اس وجود نے اپنے دشمن کو مٹا کر رکھ دیا اور خود بچ گیا یعنی اسے کچھ بھی نہ ہوا اس کا کچھ بھی نہ بگڑا یوں وہ وجود قوت والا ثابت ہو گیا۔ اب جو بھی القوی ثابت ہو جائے وہی اللہ ہے۔ اسے قرآن سے ہی آپ پر واضح کرتے ہیں اس لیے دیکھیں قرآن کی درج ذیل آیت میں اللہ نے کیا کہا۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسۡتَکۡبَرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ وَقَالُوۡا مَنۡ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّۃً اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیۡ خَلَقَھُمۡ ھُوَ اَشَدُّ مِنۡھُمۡ قُوَّۃً. فصلت ۱۵

فَاَمَّا عَادٌ پس جو عاد ہیں یعنی جو قوم نوح نے کیا جس کے سبب ہلاک ہوئی تو اس کے بعد والی قوم نے بھی وہی کیا اب آگے یہ واضح کر دیا گیا کہ انہوں نے کیا کیا فَاسۡتَکۡبَرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ پس کیا کر رہے ہیں؟ استکبار کر رہے ہیں زمین میں بغیر حق کے یعنی اس وقت دنیا میں جو لوگ موجود ہیں جو قومیں موجود ہیں آج یہ جو زمین میں بڑے بنے ہوئے ہیں کہ زمین میں وہی ہوگا جو ہماری مرضی ہے، کیسے اگایا جائے گا، کیسا نظام ہوگا ہم طے کریں گے وہی نظام چلے گا جو ہم چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حق حاصل نہیں یعنی اگر تو زمین کے خالق یہ ہیں، آسمانوں وزمین میں جو کچھ بھی ہے ان سب کو وجود میں لانے والے یہ ہیں ان کو سب کچھ دینے والے یہ ہیں تو پھر بلاشک وشبہ یہی اس کے مالک ہیں اور انہی کو حق حاصل ہے کہ یہ طے کریں زمین میں کیا ہوگا اور کیا نہیں کون سا نظام ہو گا اور کون سا نہیں، انہیں اپنی من مانیاں ومرضیاں کرنے کا حق حاصل ہے لیکن اگر آسمانوں وزمین میں جو کچھ بھی ہے اسے انہوں نے خلق نہیں کیا ان کو وجود میں لانے والے یہ نہیں ان کو جو کچھ بھی دیا گیا انہیں وہ سب دینے والے یہ نہیں ہیں تو پھر یہ لوگ کس بنیاد پر زمین کے مالک بن بیٹھے؟ انہیں کس نے یہ حق دیا کہ یہ زمین میں بڑے بن بیٹھیں کہ زمین میں سب کچھ وہی ہوگا جو یہ چاہیں گے اور اگر ان کی مرضی کے خلاف کچھ ہوتا ہے تو یہ کہہ رہے ہیں وَقَالُوۡا مَنۡ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّۃً اور کہہ رہے ہیں کون ہے جو ہم سے قوت میں بڑھ کر ہے یعنی کون ہے جو ہم سے لڑ کر ہمیں شکست دے سکتا ہے؟ کون ہے جو ہم سے جنگ کر سکتا ہے؟ یعنی ہم مشینوں، ایجادات، اسلحے وبارود اور فوجوں وغیرہ سمیت طرح طرح کی منصوبہ بندیوں میں سب سے بڑھ کر ہیں کوئی بھی ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا بالکل عین اسی طرح اُنہوں نے بھی کیا تھا اور وہ بھی ایسا ہی کہتے تھے جو قوم نوح کے بعد ہوئے جنہوں نے وہی کیا جو ان سے پہلے قوم نوح بھی کر چکی تھی اَوَلَمۡ یَرَوۡا کیا انہیں دکھ رہے؟ اَنَّ اللّٰہَ اس میں کچھ شک نہیں اللہ تھا ان سے بڑھ کر قوت میں جس کا یہ مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کیا ہے؟ تو آگے اسی سوال کا جواب بھی دے دیا گیا الَّذِیۡ خَلَقَھُمۡ اللہ تھا وہ جس ذات نے انہیں خلق کیا یعنی عدم سے مختلف مراحل سے گزار کر وجود میں لایا۔ اب

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خلق کرنے والی ذات کون ہے جو اللہ ہے؟ تو آگے اس سوال کا بھی جواب دے دیا گیا ھُوَ ہے وہ ذات جس نے انہیں خلق کیا یعنی جو کچھ بھی موجود ہے جو تمہیں نظر آ رہا ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا، جب تک کہ حد نہیں آ جاتی اور جب حد آ جائے اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے تو نہ صرف ایک ہی وجود سامنے آئے گا بلکہ یہی وجود اللہ ہے وہی ذات جس نے انہیں خلق کیا اَشَدُّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً یہ ذات یعنی فطرت اللہ کی ذات جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے یہ ذات ان سے بڑھ کر ہے قوت میں یعنی اتنی بڑھ کر کہ اس ذات سے بڑھ کر قوت والا ہے ہی نہیں۔ کوئی بھی ایسا نہیں جو اللہ کیساتھ دشمنی کر کے اپنا وجود بچا سکے، کوئی بھی ایسا نہیں جو اللہ کے ساتھ جنگ کر کے اللہ کی آیات کا کذب کر کے اپنا وجود بچا سکے۔ جو قوۃ میں اس قدر بڑھ کر ہو کہ اس سے بڑھ کر کوئی نہ ہو تو وہ القوی کہلاتا ہے یوں یہ کھل کر واضح ہو گیا کہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے یہ نہ صرف آپ کو اللہ کا ہی وجود نظر آ رہا ہے بلکہ ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ کوئی ہے ہی نہیں اور یہی ذات جو کہ اللہ کی ذات ہے القوی ہے۔

اس آیت میں نہ صرف بالکل کھول کھول کر واضح کر دیا گیا کہ قوی ہونا کیا ہے بلکہ ثابت ہو گیا کہ القوی یہی ذات ہے جسے آپ فطرت کا نام دیتے ہیں، جسے آپ کائنات کا نام دیتے ہیں اور آج آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ امریکہ پوری دنیا پر کب کا قابض ہے یعنی امریکی قوم استکبار کر رہی ہے زمین میں اور امریکہ کا یہی کہنا ہے کہ میں سپر پاور ہوں یعنی امریکہ سے قوت میں بڑھ کر کوئی بھی نہیں، کوئی بھی امریکہ سے جنگ نہیں کر سکتا، کوئی بھی امریکہ سے لڑ کر اسے شکست نہیں دے سکتا اس لیے پوری دنیا پر لازم ہے کہ وہی نظام قائم کریں اسی نظام پر چلیں جو ہم چاہیں گے، یوں پوری دنیا میں وہی نظام مسلط کر دیا گیا جو امریکہ کی چاہت تھی، پوری دنیا میں ترقی کے نام پر وہی ہو رہا ہے جو امریکہ کی چاہت ہے۔ اتنے بڑے دعوے کے باوجود امریکہ خود ایک ہی قوت کو اپنے سے بڑھ کر نہ صرف سمجھتا ہے اور تسلیم کرتا ہے بلکہ خود اس بات کا اعلان بھی کرتا ہے۔

قوت میں سب سے بڑھ کر ہونے کا دعویدار امریکہ جب بھی سونامی آتے ہیں، زلزلے آتے ہیں، طوفان یا ایسی ہی ہلاکتیں آتی ہیں تو ان کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے اور انہیں نیچرل ڈزاسٹرز کا نام دیتا ہے یعنی قدرتی آفات، فطرت کی مسلط کردہ ہلاکتیں اور امریکہ اپنی زبان سے تسلیم کرتا ہے کہ یہ فطرتی ہلاکتوں و تباہیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اس کے علاوہ ہر خطے ہر ملک میں وہ جو طاقت ور ہیں وہ بھی ایسے ہی ظلم و زیادتیوں کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں اور ان کا بھی اپنے عمل سے یہی کہنا ہے کہ کون ہے جو ہم سے قوت میں بڑھ کر ہے؟ یعنی ہم جو جی چاہے کریں کوئی ہمیں روکنے والا نہیں، کوئی ایسا نہیں جو ہمارا مقابلہ کر سکے مثلاً آپ دیکھ سکتے ہیں کہ بالکل یہی دعویٰ پاکستان نامی ریاست میں فوج اور اس کے خفیہ اداروں کا ہے جو جسے چاہتے ہیں اغوا کرتے ہیں غائب کرتے ہیں قتل کرتے ہیں لوگوں کے اموال لوٹ لیتے ہیں طرح طرح کے ظلم ڈھاتے ہیں ایسے مظالم کہ رونگٹے کھڑے ہو جائیں، جو بھی ان کی قید میں ہوتا ہے یہ اپنے عمل اور زبان سے کہتے ہیں کہ یہاں ہم سے بڑھ کر کوئی بھی نہیں کوئی بھی نہیں جو تمہیں ہم سے چھڑا سکے یا پھر ہمیں کچھ بھی کرنے سے روک سکے حالانکہ انہیں یہ حق حاصل نہیں جو یہ لوگ کر رہے ہیں یہ استکبار فی الارض کر رہے ہیں یہ لوگ طاقت کے نشے میں کھلم کھلا اللہ کیساتھ دشمنی کر رہے ہیں اور جلد ہی یہ اپنے مشرک آباؤ اجداد آل فرعون اور جو ان سے پہلے تھے کی مثل ہلاک کیے جانے والے ہیں لیکن انہیں اس بات کا شعور نہیں ہے۔

یوں آپ آج خود دیکھ رہے ہیں اور ثابت ہو چکا کہ ایک ہی وجود ہے ایک ہی ذات ہے جو کہ القوی ثابت ہوتی ہے اور وہ ہے یہی وجود جسے آپ فطرت کا یا کائنات کا نام دیتے ہیں جو کہ ربّ ہے اور یہی اللہ ہے نہ کہ اللہ کسی بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کا نام ہے۔

اب اگر اس کے باوجود بھی کوئی یہ کہتا ہے کہ نہیں کائنات الگ ہے اور اللہ الگ ہے جو کہ اوپر آسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہے تو اسے اس آسمانوں پر بیٹھے ہوئے اللہ کو جس کا اپنا کوئی وجود ہی نہیں اسے القوی ثابت کرنا ہوگا؟ اور جب ہر کوئی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ القوی تو فطرت ہے تو پھر فطرت کے علاوہ کوئی اللہ ہے ہی نہیں نہ ہی کسی بھی صورت ہو سکتا ہے یہ فطرت ہی ہے جو آپ کا ربّ ہے اور آسمانوں پر چڑھایا ہوا ملاؤں و مذہبی طبقے کا خود ساختہ و بے بنیاد اللہ القوی ہونا تو بعد کی بات ہے اپنا وجود ہی ثابت کرنے کا اختیار نہیں رکھتا اور الٹا خود اپنے وجود کو زبردستی منوانے کے لیے ملاؤں و مذاہب کا محتاج ہے۔

یوں اس پہلو سے بھی بالکل کھل کر واضح ہو گیا کہ جو کچھ بھی موجود ہے جو بھی آپ کو نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اللہ کا ایک اسم ہے ''الظاہر'' جس کے معنی ہیں جو کچھ بھی کھلم کھلا سامنے نظر آ رہا ہے۔

جو کچھ بھی کھلم کھلا سامنے نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی نظر آ رہا ہے اب اس سے بھی بڑھ کر حق واضح ہو سکتا ہے؟ اب آپ سے ہی سوال کرتے ہیں جسے آج تک اللہ قرار دیا جاتا رہا جو کہ محض بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کا نام ہے کہ کائنات الگ اور اللہ الگ اوپر آسمانوں پر موجود ہے تو کیا وہ الظاہر ہے؟ کیا وہ کھلم کھلا سامنے نظر آ رہا ہے؟ سامنے نظر آنا تو بہت دور کی بات بلکہ آج تک کوئی ایک بھی خلق ایسی نہیں کہ جس نے اسے دیکھا ہو اور پھر دیکھنا تو بعد کی بات ہے اس کا تو کوئی وجود ہی ثابت نہیں ہوتا۔ جس کا کوئی وجود ہی نہیں وہ ظاہر کہاں سے ہوگا اور پھر نظر کہاں آئے گا؟

جو کھلم کھلا سامنے ہے ہی نہیں وہ اللہ ہو ہی نہیں سکتا خواہ کوئی کچھ ہی کیوں نہ کر لے اور جو کھلم کھلا ہر طرف ہر سو نظر آ رہا ہے اس کے علاوہ کوئی اللہ ہو ہی نہیں سکتا خواہ کوئی کچھ ہی کیوں نہ کر لے۔ یوں اس پہلو سے بھی نہ صرف اللہ کیا ہے بالکل کھل کر واضح ہو جاتا ہے بلکہ آج تک اللہ کے نام پر پائے جانے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کو جڑ سے اکھاڑ دیا گیا، کوئی خواہ کچھ ہی کیوں نہ کر لے نہ صرف وہ اپنے ان عقائد و نظریات کو سچا ثابت نہیں کر سکتا بلکہ اسے ہر صورت حق کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ اب یہ اس پر منحصر ہے کہ وہ زبان سے واضح کر دیئے جانے کے بعد اپنی خوشی سے تسلیم کرتے ہوئے دنیا و آخرت میں فلاح کا سودا کرے یا پھر اللہ کے ید یعنی ہاتھ کو حرکت میں آتا دیکھ کر یعنی عذاب عظیم کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر نہ صرف تسلیم کرے بلکہ یہ تسلیم کرنا اسے کچھ نفع نہیں دے گا اور دنیا و آخرت میں ذلت آمیز ہلاکت و رسوائی کا سودا کرے۔

یہ چند اسماء الحسنیٰ ہیں جن سے آپ پر ہر پہلو سے اور ہر لحاظ سے کھل کھل کر واضح ہو چکا کہ اللہ کیا ہے۔ ان کے علاوہ بھی تمام کے تمام اسماء الحسنی سے یہی حق ہی آپ کے سامنے آئے گا اور کوئی ایک بھی اسم ایسا نہیں جس کی بنیاد پر جو اللہ ہے ہی نہیں جسے آسمانوں پر چڑھا دیا گیا اس کا کوئی وجود ثابت ہو یا پھر وہ کسی ایک بھی اسم پر پورا اتر سکے۔

تمام کے تمام اسماء اللہ کے ہیں اور جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے جو کچھ بھی وجود رکھتا ہے یہ اللہ ہی کا وجود آپ کو نظر آ رہا ہے ایک ہی وجود ہے جو کہ اللہ ہے اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا وجود ہے ہی نہیں۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ. الحدید۴

اور ھُوَ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔

اب آپ خود غور کریں اور فیصلہ کریں کہ آپ کہیں بھی چلے جائیں تو وہاں آپ کے ساتھ کون ہوگا؟ کیا یہی وجود نہیں جو کچھ بھی موجود ہے اور اور کرتے جائیں جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا؟ یہ آیت بھی اللہ کی ذات کو اس طرح کھول کر واضح کر دیتی ہے کہ رائی برابر بھی کوئی شک و شبہ نہیں رہتا کہ اللہ کیا ہے۔

آسمانوں میں چلے جائیں تو یہی وجود ہی سامنے آئے گا جو کچھ بھی موجود ہے جنہیں آپ مخلوقات کا نام دیتے ہیں، زمین کی گہرائیوں میں چلے جائیں تو یہی مخلوقات ہی سامنے آئیں گی یہی وجود جو کچھ بھی موجود ہے، سمندروں میں چلے جائیں تو وہاں بھی یہی وجود ہی ساتھ ہوگا، ایسے ہی آپ کہیں بھی چلے جائیں تو وہاں اسی وجود کو ہی اپنے ساتھ پائیں گے اور یہی تو کہا گیا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو جو تمہارے ساتھ ہے وہ ہے اللہ۔

یوں اس پہلو سے بھی بالکل کھل کر واضح ہو گیا کہ اللہ کیا ہے۔ جو کچھ بھی اپنا وجود رکھتا ہے اور آپ کو نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود ہے جو آپ کو نظر آ رہا ہے اور اگر بات کی جائے مشرکین کے خیالی اللہ کی تو وہ کیسے جہاں بھی ہوں ساتھ ثابت ہو سکتا ہے جو کہ ہے ہی آسمانوں پر چڑھا ہوا؟ یوں مشرکین کے خیالی اللہ کا تو وجود ہی کالعدم ثابت ہو گیا جس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ مشرکین کا خود ساختہ بے بنیاد و باطل عقیدہ و نظریہ ہے جو کہ دجل عظیم ہے جس کا باب لد سے قتل کر دیا گیا۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَا یَکُوْنُ مِنْ نَجْوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ وَلَا خَمْسَۃٍ اِلَّا ھُوَ سَادِسُھُمْ وَلَآ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِکَ وَلَآ اَکْثَرَ اِلَّا ھُوَ مَعَھُمْ اَیْنَ مَا کَانُوْا. المجادلہ ۷

اَلَمْ تَرَ کیا نہیں دیکھا؟ یعنی جیسا کہ پیچھے یہ بات واضح کی جا چکی کہ آپ کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے کس نہ کسی مقصد کے لیے دیا گیا اور پھر کس شئے کا کیا مقصد ہے اسے جاننا ہو تو شئے میں موجود صلاحیتیں اس کے مقصد کو واضح کرتی ہیں۔ آپ کو آنکھیں دیں جن سے دیکھنے کی صلاحیت ہے تو ظاہر ہے دیکھنے کے لیے ہی آنکھیں دیں اور پھر آپ کے دیکھنے کے لیے آپ کے سامنے کیا رکھا؟ یہی وجود جو کچھ بھی آپ کو ہر طرف نظر آ رہا ہے تو یہ جو آپ کو ہر طرف نظر آ رہا ہے اسی کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ کیا نہیں دیکھا؟ یعنی تم دیکھ رہے ہو، تمہیں آنکھیں دیں اور یہ وجود بھی تمہارے سامنے ہے تم ہر لمحے اسی وجود کو ہی تو دیکھ رہے ہو ہر طرف جو بھی تمہیں نظر آ رہا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو دیکھ رہے ہیں جو دیکھا جو کہ یہی وجود ہے آسمانوں وزمین ہیں جو کچھ بھی ان میں موجود سامنے ہے بصارت کی رسائی میں ہے یہ سب دیکھا ہے تو کیا ہے یہ؟ آگے اسی سوال کا جواب دے دیا گیا اَنَّ اللّٰہَ اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تھا یعنی یہ ہے اللہ جسے تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو اور آج تک اللہ کو تھا کیے ہوئے تھے تمہیں علم ہی نہ تھا کہ اللہ ہے کیا۔ پھر آگے دیکھیں اسی بات کو مزید واضح کرنے کے لیے ایک عظیم ثبوت بھی ساتھ ہی پیش کر دیا یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ خود ہی علم رکھ رہا ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے یعنی غور کرو کون ہے جسے خود علم ہے کہ آسمانوں اور زمین میں کیا ہے؟ مثلاً اگر آپ کی مٹھی میں کوئی شئے ہو اور مٹھی بند ہو تو کون ہے جس کو علم ہے کہ مٹھی میں کیا ہے؟ کیا آپ کے علاوہ کوئی دوسرا انسان ہو سکتا ہے؟ نہیں بالکل نہیں تو بالکل اسی طرح جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے اس کا علم اس کے علاوہ کسی اور کو ہو ہی نہیں سکتا جس وجود میں آسمانوں وزمین موجود ہیں۔ جو کہ یہی وجود ہی سامنے آئے گا یعنی ھُوَ ہی سامنے آئے گا اس کے علاوہ کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا اور پھر دیکھیں آگے یہی واضح کیا گیا کہ ھُوَ ہی اللہ ہے مَا یَکُوْنُ مِنْ نَجْوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ نہیں ہو رہا تین میں سے کوئی انتہائی خفیہ بات کرے یعنی جیسے کہ سرگوشی کر کے کسی کو بتایا جاتا ہے تاکہ کوئی سن نہ لے مگر ھُوَ ان کا چوتھا ہوتا ہے وَلَا خَمْسَۃٍ اِلَّا ھُوَ سَادِسُھُمْ اور نہ پانچ مگر ھُوَ ان کا چھٹا ہوتا ہے وَلَآ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِکَ وَلَآ اَکْثَرَ اِلَّا ھُوَ اور نہ ہی اس سے کم اور نہ ہی اس سے زیادہ مگر ھُوَ یعنی کم سے کم بھی ہوں تو ساتھ ھُوَ ہے اور زیادہ سے زیادہ بھی ہوں تو ساتھ ھُوَ ہے ھُوَ مَعَھُمْ اَیْنَ مَا کَانُوْا جہاں کہیں بھی ہیں ھُوَ ان کے ساتھ ہے۔

اس آیت کے پہلے حصے میں تو واضح کر دیا کہ ھُوَ یعنی جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے جس کا بھی وجود ہے اور اور کرتے جائیں جب تک کہ حد نہیں آ جاتی یعنی جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے تو نہ صرف ایک ہی وجود سامنے آئے گا بلکہ یہی اللہ ہے اور اللہ ہی میں ہے جو کچھ بھی ہے، آسمانوں وزمین بھی اللہ ہی کے وجود میں ہیں جب آسمانوں وزمین اللہ ہی کے وجود میں ہیں تو ظاہر ہے پھر اللہ ہی ہے جسے علم ہے کہ آسمانوں وزمین میں کیا کچھ ہے۔ اور آگے مزید انتہائی آسان مثال سے واضح کر دیا کہ ھُوَ اللہ ہے۔ کہیں پر بھی کوئی تین ہوں تو چوتھا ھُوَ ہے اور آپ خود دیکھ رہے ہیں کہ ہاں جہاں کہیں بھی چلے جائیں یا جتنے بھی ہوں وہاں یہی وجود ہو گا ان کیساتھ، ایسے ہی کہا کہ پانچ ہوں تو چھٹا ساتھ ھُوَ ہے اور پھر مزید انتہائی زبردست مثال دے دی کہ ان سے بھی کم سے کم ہوں جتنے کم ہو سکتے ہیں اب ظاہر ہے کم سے کم تو ایک ہوتا ہے، چھوٹے سے چھوٹا ایک، اب اگر اللہ الگ سے کوئی اوپر آسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے تو پہلی بات کہ وہ ساتھ ہے ہی نہیں ایسے جیسے کہ تین ساتھ ہوتے ہیں اور وہ چوتھا ساتھ ہو اور دوسری بات کہ ادنیٰ یعنی چھوٹے سے چھوٹے، نیچے سے نیچے، کم سے کم جو کہ چھوٹے سے چھوٹا ایک ہوتا ہے اگر وہاں اللہ الگ سے موجود ہے تو وہ ادنیٰ تو رہے گا ہی نہیں یعنی وہ چھوٹے سے چھوٹا ایک تو رہے گا ہی نہیں۔ ہاں البتہ ایک ہی صورت پیچھے بچتی ہے کہ نہ صرف اللہ اس کیساتھ ہو بلکہ وہ کم سے کم چھوٹے سے چھوٹا ایک ہی رہے اگر وہ خود اپنے آپ میں اللہ ہی کا وجود ہو اللہ کوئی الگ سے وجود نہ ہو اور یہی حق ہے جو کہ آیت سے بالکل کھل کر واضح ہو گیا۔

ایسے ہی اکثر جس سے زیادہ نہ ہو یعنی جتنا زیادہ ہو سکتا ہے اب اگر اللہ الگ سے وجود ہے تو پھر اللہ کے علاوہ تو کوئی اکثر ہو ہی نہیں سکتا ہاں البتہ ایک صورت ہے کہ اکثر بھی رہے اور اللہ بھی ساتھ موجود ہے وہ یہ کہ اللہ الگ سے وجود نہیں بلکہ اکثر اللہ ہی کا وجود ہو۔

یہ آیت کھول کھول کر واضح کر دیتی ہے کہ جو کچھ بھی موجود ہے اپنا وجود رکھتا ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا اور جب حد آ

جائے یعنی اورختم ہوکر ماضی میں چلا جائے تو جو وجود سامنے آئے گا نہ صرف ایک ہی وجود ہے بلکہ یہی اللہ ہے نہ کہ اللہ ان مشرکین کے مشرک آباؤ اجداد سے نسل درنسل منتقل ہونے والے عقائد ونظریات کا نام ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْلَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ. النور ۳۵

اَللّٰهُ اللہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہے اللہ تو آگے اسی سوال کا جواب ہے نُوْرُ نور ہے یعنی انرجی ہے السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ آسمان اور زمین یعنی جو خلائیں ہیں اور جو مادہ ہے سب کا سب نور یعنی انرجی ہے۔

آپ کو دیکھنے کی صلاحیت دی گئی تو آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟ آپ جو کچھ بھی موجود ہے اس میں سے جو ظاہر ہے دیکھ رہے ہیں یعنی آپ آسمانوں وزمین کو دیکھ رہے ہیں تو جو بھی آپ دیکھ رہے ہیں یہ اللہ ہی کا وجود ہے جو آپ کو نظر آرہا ہے اور یہ وجود یعنی آسمانوں وزمین نور یعنی انرجی ہے۔ جو کچھ بھی آپ کو نظر آرہا ہے یہ نور یعنی انرجی ہی ہے جو آپ کو آسمانوں یعنی گیسوں اور ارض یعنی مادے کی صورت میں نظر آرہی ہے۔ کس طرح یہ سب کا سب انرجی ہے اسی کو ایک مثال سے واضح کیا گیا مَثَلُ نُوْرِهٖ مثل ہے اس نور کی یعنی انرجی کی كَمِشْكٰوةٍ جیسے کہ مشکاۃ ہیں جتنے ہو سکتے ہیں۔ مشکاۃ کہتے ہیں جیسے کہ آپ نے دیکھا ہو گا لالٹین کے گرد شیشے کا ایک خول سا ہوتا ہے بالکل ایسا ہی ہر طرف سے بند خول ہو گویا کہ شیشے کی گیند ہو اس میں سے روشنی تو گزر سکے لیکن دھواں وغیرہ نہ گزرے یعنی جس کی ضرورت ہے وہ تو آگے کو جا سکے لیکن جس کی آگے ضرورت نہیں اگر اس کے باوجود جائے تو نقصان کا باعث بنے اسے اس حالت میں آگے نہ جانے دے بلکہ اسے کسی ایسی حالت میں بدل کر آگے بھیجے کہ وہ نقصان کی بجائے فائدہ مند بن جائے۔ ایسے ہی گویا کہ شیشے کے گول گیند نما بال ہوں جو ایسے ہی ایک دوسرے کے اندر ہوں جیسے گیند کے اندر گیند، اس کے اندر اور گیند، اس کے اندر اور گیند۔ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اس میں ہے چراغ یعنی آگ جل رہی ہے اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ مصباح یعنی جو چراغ جل رہا ہے جو آگ جل رہی ہے وہ شیشوں میں ہے جیسے کہ پیچھے واضح کیا گیا کہ مشکاۃ ہر طرف سے بند گیند نما خول ہے اور بہت سے مشکاۃ جیسے گیند کے اندر گیند، اس کے اندر اور گیند اور جو مشکاۃ ہیں وہ شیشے کے ہیں ان میں چراغ جل رہا ہے اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ جو شیشہ ہے وہ بالکل ایسا ہے جیسے کہ انتہائی روشن اور چمکتا ہوا ستارہ ہے يُّوْقَدُ گویا کہ خود ہی جل رہا ہے مِنْ شَجَرَةٍ جتنے بھی سلسلہ ہیں ان میں سے ہر سلسلہ یعنی جیسے ایک دو میں تقسیم ہو جاتا ہے دو آگے چار میں ایسے ہی جیسے جیسے آگے بڑھتے جانا مزید پھیلتے جانا مُّبٰرَكَةٍ جن میں ہیں ہی برکات یعنی جن میں رائی برابر بھی کسی ایک بھی مخلوق کے لیے نقصان نہیں بلکہ ہر لحاظ سے فائدے ہی فائدے ہیں زَيْتُوْنَةٍ ایک ایسا تیل کہ جتنے بھی تیل ہو سکتے ہیں اس میں ہیں لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ نہ ہی ان میں سے کوئی ایک بھی کچھ بھی شرقی اور نہ ہی ان میں سے کوئی ایک بھی کچھ بھی غربی یعنی مثال کے طور پر اگر آپ کو کسی خاص مقام یا شئے کے لیے حرارت چاہیے جس کے لیے آپ آگ جلائیں تو اس سے خارج ہونے والی حرارت خاص اسی شئے یا اسی مقام پر ہی نہیں جائے گی بلکہ اِدھر اُدھر بھی جائے گی جو کہ آپ کے مقصد میں شامل ہی نہیں تھا ایسے ہی آپ کوئی بھی کام کرتے ہیں تو آپ سے لاتعداد ایسے اعمال سرزد ہوتے ہیں جن کا آپ کے مقصد کیساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن اگر ایسا ہو کہ جو بھی کام کیا جائے اس کا رائی برابر بھی کوئی سائیڈ افیکٹ نہ ہو یعنی صرف اور صرف وہی ہو جو آپ چاہتے ہیں رائی برابر بھی اس کے علاوہ کچھ بھی نہ ہو یہ ہے لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ پھر آگے ہے يَّكَادُ زَيْتُهَا وہ تیل جس کے جلنے سے سلسلے ہیں گویا کہ خود ہی جل رہا ہے يُضِيْٓءُ شعائیں جو کہ اس چراغ سے خارج ہو رہی ہیں جیسے ہی ان کیساتھ ٹکرا رہے ہیں تو ان شعاعوں کے ذرات پھٹ کر ان سے تابکاری بے نقاب ہو رہی ہے وَلَوْلَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ اور اگر ہرگز نہیں جو ہو رہا ہے آگ مس کر رہی یعنی آگ کے اس پر اثر انداز ہونے سے پھٹ کر تابکاری بے نقاب نہیں ہو رہی نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ نور پر نور ہی نور یعنی ایک ذرہ جو کہ بذات خود نور یعنی انرجی ہوتا ہے اس کے پھٹنے

سے کئی اقسام کی انرجی وجود میں آرہی ہے وہ انرجی ہر اگلے مرحلے پر مزید پھیل رہی ہے یَهْدِی راہنمائی کرتا ہے اللّٰهُ اللہ ہے لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اس کے لیے وہ نور ہے جو اس کے قانون پر پورا اتر رہا ہے وَيَضْرِبُ اور جو پہلے سامنے لارکھا تھا پھر چھپا دیئے جانے کے باوجود سامنے لا رہا ہے اللّٰهُ اللہ ہے الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ اسے کس کے لیے اللہ سامنے لا رہا ہے مثالیں لوگوں کے لیے سامنے لا رہا ہے وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور اللہ ہے ہر شئے کیساتھ علم رکھ رہا ہے یعنی وہ ذات اللہ ہے جو ہر شئے سے علم رکھ رہا ہے جو کہ یہی وجود ہی سامنے آتا ہے جو موجود ہے اس کے علاوہ اور کچھ موجود ہے ہی نہیں کسی کا وجود ہے ہی نہیں۔

یہ آیت چونکہ نہ صرف آیت ہے بلکہ مثال بھی ہے تو اب اس کی حقیقت کیا ہے یعنی وہ حقیقت کیا ہے جسے اس مثال سے سامنے لایا گیا اسے بالکل کھول کر آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔ آیت کے شروع میں ہی نہ صرف یہ واضح کر دیا گیا کہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آرہا ہے جو کہ ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں بلکہ یہ بھی کھول کر واضح کر دیا کہ یہ اللہ ہے۔

جو ہر طرف آپ کو نظر آرہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود نظر آرہا ہے یہ تو ہو گیا ''الظاہر'' یعنی جو کچھ بھی نظر آرہا ہے جسے آپ کائنات کہتے ہیں یہ تو ہو گیا ''الظاہر'' تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا صرف الظاہر ہی ہے یا پھر ''الباطن'' بھی ہے یعنی یہ جو ظاہر ہے اس کے پیچھے بھی کچھ ہے؟ اگر ہے تو کیا ہے؟ اسے جاننے کے لیے آپ کو الظاہر میں غور کرنا پڑے گا یعنی اس کی گہرائی میں جانا ہو گا اس کے پیچھے پڑنا ہو گا کہ وہ کہاں لیکر جاتا ہے تب ہی آپ پر واضح ہو گا کہ الباطن کیا ہے۔

اور الباطن کیا ہے جب آپ آسمانوں وزمین یا جو کچھ بھی ظاہر ہے اس میں آپ غور کریں تو آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ الباطن نور ہے یعنی انرجی ہے۔ جو کچھ بھی آپ کو نظر آرہا ہے یہ اصل میں نور یعنی انرجی ہی ہے جو گیسوں جو کہ آسمان ہیں اور مادہ جو کہ ارض ہیں کی صورت میں نظر آرہی ہے۔ نور یعنی انرجی کیسے آسمانوں وزمین یعنی گیسوں اور مادے کی صورت اختیار کرتی ہے اسے واضح کرنے کے لیے اللہ نے سورۃ النور کی اس آیت میں یہ آسمان اور زمین یعنی جس زمین پر آپ موجود ہیں اور اس کے گرد گیسوں کی سات تہوں کی مثال بیان کی کہ ان میں کیسے نور یعنی انرجی گیسوں اور مادے میں بدل رہی ہے۔ سب سے پہلے آپ دیکھیں تو آپکو مشکاۃ نظر آئیں گے جیسے کہ زمین کے گرد گیسوں کی تہیں ہیں اور ان کے دوسری جانب ایک چراغ جل رہا ہے جو کہ سورج ہے آپ زمین پر ہیں آپ کی طرف سے سورج جو کہ ایک چراغ ہے وہ ان تہوں کے اس پار ہے یوں یہ گیسوں کی تہیں سورج کے لیے مشکاۃ ثابت ہو جاتی ہیں اور پھر یہ تہیں بالکل ایسے ہیں جیسے گویا کہ انتہائی شفاف شیشہ ہو کہ آر پار سب ایسے نظر آ رہا ہے گویا کہ درمیان میں کچھ ہے ہی نہیں۔ سورج زمین سے بہت دور ہے لیکن آپ کو وہ بہت قریب نظر آتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسے آپ دوربین یا کیمرے سے زوم کر کے دیکھتے ہیں تو شئے بالکل قریب دکھائی دیتی ہے بالکل اسی طرح زمین سے سورج کو دیکھنے سے زمین کے گرد گیسوں کی تہیں یہی کردار ادا کرتی ہیں کہ سورج بالکل قریب نظر آتا ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ سورج سے جو نور یعنی انرجی خارج ہوتی ہے تو وہ ایسے ہی ہوتی ہے جیسے کہ تابکاری کو کسی خول میں بند کر دیا گیا ہو یعنی سورج سے خارج ہونے والی انرجی جو شعاعوں کی صورت میں زمین کی طرف آتی ہے وہ گرم نہیں بلکہ ٹھنڈی ہوتی ہے اور جیسے ہی وہ زمین کے گرد گیسوں کی پہلی تہہ سے ٹکراتی ہیں تو جیسے بم پھٹتا ہے ایسے ہی ان شعاعوں کے نوری ذرات پھٹتے ہیں ان کے پھٹنے سے ایک قسم کی انرجی مزید کئی اقسام کی انرجی یعنی نور میں تقسیم ہو کر شعاعوں کی صورت میں مزید آگے کو بڑھتی ہے۔ زمین کے گرد گیسوں کی اگلی تہہ ان میں سے کچھ شعاعوں کو واپس منعکس کر دیتی ہے اور جن کی ضرورت ہوتی ہے انہیں آگے بڑھنے دیتی ہے جو نوری شعاعیں آگے بڑھتی ہیں وہ اگلی تہہ میں داخل ہونے سے جب گیسوں سے ٹکراتی ہیں تو ان شعاعوں کے نوری ذرات مزید پھٹتے ہیں اور ایک ایک قسم کا نور یعنی انرجی کئی کئی اقسام کی انرجی میں تقسیم ہو کر مزید بڑھتی اور پھیلتی چلی جاتی ہے اسی طرح سورج سے خارج ہونے والے نور یعنی انرجی کی شعاعیں آگے بڑھتے پھٹ کر مزید نور یعنی انرجی میں تقسیم ہو کر پھیلتے ہوئے زمین کی اس پہلی تہہ جس میں آپ موجود ہیں میں داخل ہوتی ہیں اور پھر اس میں داخل ہونے سے بھی انرجی کے ذرات آکسیجن کیساتھ ٹکرانے سے پھٹتے ہوئے نہ صرف تابکاری خارج کرتے ہوئے جیسے کہ بم پھٹتے ہیں آگے بڑھتی ہیں یہاں تک کہ زمین میں داخل ہو جاتی ہیں پھر زمین میں بھی وہ زمین کے عناصر سے جب ٹکراتی ہیں تو زمین میں بھی انتہائی چھوٹے چھوٹے دھماکے ہوتے ہیں اور تابکاری بے نقاب ہوتی چلی جاتی ہے۔

اسی دوران زمین کے اندر زیتون جسے آپ خام تیل کا نام دیتے ہیں وہ بھی انہی مراحل سے گزرتا ہوا مختلف عناصر کی صورت میں تقسیم ہوتا ہوا آگے بڑھتا چلا آتا ہے یعنی جیسے سورج سے خارج ہونے والی انرجی یعنی نور آگے بڑھتا اور پھیلتا چلا جاتا ہے سلسلوں کی صورت میں بالکل ایسے ہی زمین میں الزیتون یعنی خام تیل بھی ایسے ہی سلسلوں میں آگے بڑھتے ہوئے زمین کی نباتات اگانے والی تہہ تک آجاتا ہے اور یہاں آنے تک وہ سلسلہ درسلسلہ بہت سے عناصر کی صورت میں پھیل چکا ہوتا ہے۔

سورج سے آنے والی نور یعنی انرجی کی شعاعیں جو زمین میں داخل ہوتی ہیں وہ انہی عناصر سے جب ٹکراتی ہیں تو زمین میں تابکاری پیدا ہوتی ہے جس سے وہ عناصر نباتات کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں جو نباتات برکات ہوتی ہیں یعنی ان سے وجود میں آنے والی ہر شئے ہر لحاظ سے مکمل، پرفیکٹ اور ان کے استعمال کرنے والوں کو بھی رائی برابر بھی کسی نقصان کا سامنا نہیں کرنا پڑتا بلکہ صرف اور صرف فائدے ہی ہوتے ہیں۔

آپ پیچھے یہ بات جان چکے ہیں کہ مادہ گیسوں سے ہی وجود میں آیا گیسوں کو مختلف کیمیائی مراحل سے گزارا جائے تو وہ مادے کی صورت اختیار کر لیتی ہیں اور اگر مادہ واپس کیمیائی عوامل یا مراحل سے گزارا جائے تو وہ واپس گیسوں میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ سورج سے آنے والی نور یعنی انرجی کی شعاعوں سے فضا میں یا زمین میں کوئی بھی کیمیائی عوامل وقوع پذیر ہوتے ہیں مادہ کیمیائی عوامل سے گزرتا ہے تو بلاشک وشبہ گیسیں خارج ہوتی ہیں لیکن وہ وہی گیسیں اور اتنی ہی خارج ہوتی ہیں جن کی ضرورت ہوتی ہے ایک رائی برابر بھی نہ تو کچھ زیادہ ہوتا ہے اور نہ ہی رائی برابر کچھ کم، کہیں بھی کسی بھی قسم کا کوئی سائیڈ افیکٹ نہیں ہوتا یہ ایسا بہترین نظام ہے جسے مشکاۃٍ کہا گیا۔

اب آپ خود بھی آسمانوں وزمین میں غور وفکر کریں تو آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ کوئی بھی ایسی ذات نہیں جو اس وجود سے الگ اپنا وجود رکھتی ہے اور وہ باہر سے آکر یا باہر بیٹھے ہی کچھ ایسا کر رہی ہے جس سے یہ سب ہو رہا ہے بلکہ یہی وجود ہے جو کہ ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں اور یہی آیت میں بھی کہا گیا۔

جو بھی وجود ہے جو کچھ آپ کو نظر آرہا ہے یہ نور یعنی انرجی ہے جو مختلف مراحل سے ایسے گزرتی ہے کہ کوئی سائیڈ افیکٹ نہیں ہوتا اور اس سے گیسیں و مادہ وجود میں آرہا ہے اور پھر مادہ و گیسیں واپس مراحل طے کرتے ہوئے نور یعنی انرجی میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یوں یہ ایک سرکل ہے نور یعنی انرجی جو کہ مختلف مراحل سے گزر رہی ہے اور تمام کی تمام مراحل میں یہی نور یعنی انرجی ہی کسی نہ کسی حالت میں ظاہر ہو رہی ہے۔ الباطن نور یعنی انرجی ہے اور ظاہر گیسیں و مادہ یہی سرکل چل رہا ہے الظاہر والباطن۔

جسے آپ گرمی کہتے ہیں یہ ایسا نہیں ہوتا کہ سورج سے گرم شعاعیں خارج ہو کر زمین پر آتی ہیں یعنی سارے رستے وہ گرم ہی رہتی ہیں نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ رستے میں گرم نہیں ہوتیں جب وہ زمین کے گرد گیسوں کی تہوں میں داخل ہوتی ہیں تو ایسے ہی پھٹتی ہیں جیسے بم پھٹتے ہیں یعنی ان شعاعوں کے نور یعنی انرجی پر مشتمل ذرات جب زمین کے گرد گیسوں میں گزرتے ہیں تو پھٹتے چلے جاتے ہیں اور مزید نور کے ذرات میں تقسیم ہوتے چلے جاتے ہیں اور جس آسمان میں آپ رہ رہے ہیں جب یہاں پہنچتے ہیں تو آکسیجن سمیت ان گیسوں کیساتھ ملنے سے جو گیسیں اس فضا میں ہیں پھٹتے ہیں جس وجہ سے ان سے تابکاری بے نقاب ہوتی ہے یعنی حرارت خارج ہوتی ہے جسے آپ گرمی کہتے ہیں۔

اللہ کا نظام یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے نوری یعنی انرجی کے ذرات ایسے ہیں جو شعاعوں کی صورت میں زمین میں داخل ہو کر زمین میں خام تیل کے کیمیائی عوامل سے گزر کر عناصر میں تقسیم ہونے سے جو گیسیں وجود میں آتی ہیں ان کیساتھ مل کر پھٹیں جس سے زمین کے اندر حرارت پیدا ہوئی اور نباتات کے وجود میں آنے سمیت زمین کے اندر یعنی مٹی کی تہوں میں نظام چلے لیکن اگر آپ وہی گیسیں زمین کے باہر خارج کریں گے تو سورج سے آنے والے نور کے وہ ذرات جنہوں نے زمین کے اندر جا کر ان گیسوں سے ٹکرانے سے پھٹنا تھا وہی گیسیں باہر فضا میں موجود ہونے سے فضا میں ہی ان کیساتھ ٹکرا کر پھٹیں گے جس سے زمین پر تابکاری یعنی حرارت بڑھ جاتی ہے۔

آج خام تیل کو مختلف مراحل سے گزار کر جو کچھ بھی خلق کیا جا رہا ہے تو اس سے طرح طرح کی گیسیں خارج ہو رہی ہیں جو فضا میں بھر چکی ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سورج سے آنے والی وہ شعاعیں جو بظاہر ٹھنڈی ہوتی ہیں لیکن ان میں تابکاری بھری ہوئی ہوتی ہے وہ زمین میں جا کر زمین کے اندر ان گیسوں سے ٹکرا کر

تاریکاری بےنقاب کرنے کی بجائے انسانوں کے مفسد اعمال کے سبب خارج کی جانے والی گیسوں کے فضا میں بھر جانے کی وجہ سے ان کیساتھ ٹکرا کر پھٹ رہی ہیں جس سے ان میں موجود تاریکاری بےنقاب ہوکر درجہ حرارت دن بہ دن بڑھتا ہی چلا جارہا ہے۔

یہ ہے آج درجہ حرارت دن بہ بدن بڑھتے ہی چلے جانے کی اصل وجہ اور پھر اس سے مزید فساد در فساد ہو کر ہر سطح پر طرح طرح کی تباہیاں آرہی ہیں۔ یوں اس پہلو سے بھی آپ پر حق بالکل کھول کھول کر واضح کر دیا گیا کہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آرہا ہے جو موجود ہے اللہ ہی کا وجود ہے جو آپ کو ہر طرف نظر آرہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود ہے جو الباطن میں نور یعنی انرجی ہے اور الظاہر میں جو کچھ بھی آپ کو نظر آرہا ہے۔ ایک ہی وجود ہے جو کہ اللہ ہے اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔ واضح ہو چکا کہ ان مشرکین کے مشرک آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کا نام اللہ نہیں ہے ایسا کوئی اللہ اپنا وجود نہیں رکھتا یہ محض مشرکین کے دماغ کی اختراع ہے اس سے بڑھ کر اور کچھ نہیں۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. ابراھیم ۱۰

اس وقت جو لوگ دنیا میں موجود ہیں انہیں مخاطب کرتے ہوئے اللہ کہہ رہا ہے کہ تمہیں کہا جا رہا ہے قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَکٌّ کہا ان کو ان میں انہی سے بھیجے گئے رسولوں نے جیسے آج تم میں تمہی سے رسول بھیج دیا گیا جو حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر رہا ہے، کیا اللہ میں شک کر رہے ہو؟ یعنی جیسے آج اللہ نے ان میں انہی سے رسول بعث کر کے ان کی طرف اپنا بشر رسول بھیج کر حق کھول کھول کر واضح کر دیا کہ اللہ کیا ہے اس کے باوجود بھی اللہ میں شک کر رہے ہیں کہ اپنے باطل و بے بنیاد عقائد و نظریات کو ترک نہیں کر رہے ایسے ہی اللہ نے جب جب بھی رسول بعث کیا تو اللہ کے رسول نے آ کر بالکل کھول کھول کر واضح کر دیا کہ اللہ ہی کا وجود ہے جو تمہیں ہر طرف نظر آرہا ہے کیا تم اب بھی اللہ میں شک کر رہے ہو؟ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں و زمین جب تک فاطر ہیں یعنی بالکل ویسے کہ ویسے ہیں جیسے اول وجود میں لائے گئے تو اللہ ہے اور اگر کوئی فاطر نہیں رہتا یعنی اپنے مقام سے ہٹ جاتا ہے اس میں تبدیلی کر دی جاتی یا تبدیلی کرتا ہے تو وہ اللہ نہیں بلکہ اللہ کا شریک بن جاتا ہے تو دیکھو تم جو رات دن اعمال کر رہے ہو کیا کر رہے ہو؟ اگر تو تم فطرت سے مطابقت رکھتے ہو تو اللہ ہی کا وجود ہے اور کوئی ہے ہی نہیں اور اگر تم فطرت سے مطابقت نہیں رکھتے تم فطرت پر انحصار کرنے کی بجائے اس کیساتھ جڑنے کی بجائے اس کی ضد بن رہے ہو اس میں تبدیلیاں کر رہے ہو فطرت کیساتھ دشمنی کر رہے ہو تو تم اللہ کے شریک ہو اور اللہ یعنی فطرت اپنا شریک یعنی دوسرا وجود برداشت نہیں کرتی فطرت اسے اذیت ناک طریقے سے نشان عبرت بناتے ہوئے جو اس کی سزا ہے اس سے دوچار کرتے ہوئے مٹا دیتی ہے۔ یوں اس پہلو سے بھی آپ پر بالکل کھول کر واضح کر دیا گیا کہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آرہا ہے اللہ ہی کا وجود نظر آرہا ہے، ایک ہی وجود ہے جو کہ اللہ ہے اللہ کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں اور اگر کوئی اللہ کا شریک بنتا ہے الگ سے دوسرا وجود ہونے کا دعویدار بنتا ہے یعنی اپنے مقام سے ہٹ کر الگ سے اپنے وجود کا دعویٰ کرتا ہے فطرت میں تبدیلیاں کر کے اسے فطرت کی ضد دوسرا وجود بنا دیتا ہے تو اللہ اپنا شریک برداشت نہیں کرتا یعنی فطرت دوسرا وجود برداشت نہیں کرتی۔ یعنی اب آپ پر ہے کہ آپ جو کہ ایک ہی وجود ہے اللہ میں اپنے مقام پر قائم ہو کر اسی وجود کا حصہ بن جاتے ہیں آپ کا الگ سے کوئی وجود ہے ہی نہیں جیسے مشین میں پرزے کی طرح اپنے مقام پر فٹ ہو کر بذات خود مشین ہی بن جاتا ہے پرزے کا الگ سے کوئی وجود نہیں یا پھر مشین سے الگ ہو کر پرزہ ایک دوسرا وجود بن جاتا ہے ایسے ہی فطرت سے کٹ کر الگ سے وجود ہونے کے دعویدار بنتے ہیں۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ. ابراھیم ۱۹

اَلَمْ تَرَ کیا نہیں دیکھا؟ یعنی تمہیں جو دیکھنے کی صلاحیت دی گئی تو کیوں دی گئی؟ اسی لیے دی گئی کہ تم دیکھو تو کیا دیکھ رہے ہو؟ کیا ہے جو ہر طرف تمہیں نظر آرہا ہے؟ کیا ہے جو تم نے ہر طرف دیکھا؟ آگے اسی سوال کا اللہ خود ہی جواب دے رہا ہے کیونکہ انسان دیکھ تو رہا ہے انسان نے دیکھا تو ہے لیکن اسے علم

ہی نہیں اس نے غور ہی نہیں کیا کہ یہ کیا ہے جو اس نے ہر طرف دیکھا گیا ہے کس کا وجود ہے اس لیے اللہ خود واضح کر رہا ہے کہ جو دیکھا وہ کیا ہے اَنَّ اللّٰہَ اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تھا یعنی تم جسے اللہ کہہ رہے ہو جو کہ تمہارے آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد و نظریات کا نام ہے وہ اللہ نہیں ہے بلکہ جو اللہ ہے اسے ہی تم ہر طرف دیکھ رہے ہو لیکن تم نے اللہ کو تھا کیا ہوا ہے۔ اب جب یہ کہا گیا کہ جو تم نے دیکھا یہ تھا اللہ تو آگے سے سوال کیا جاتا ہے انسان سوال کرتا ہے تو پھر اس میں تو بہت کچھ ایسا ہے جو کہ خبیث ہے مثلاً سور ہے، سانپ، بچھو، چوہے اور ایسے ہی بہت سا فضلہ اور گند وغیرہ ہے اس لیے یہ اللہ کا وجود کیسے ہو سکتا ہے؟ تو آگے اسی سوال کا جواب بھی دے دیا گیا خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَق آسمانوں وزمین کی خلق بالحق ہے تو اللہ ہے اگر بالحق نہیں تو اللہ نہیں بلکہ اس کا شریک ہے۔ تو کیا یہ سب بالحق ہے؟ جو بھی خبائث ہیں کیا خبائث بالحق ہیں؟ اگر خبائث بالحق ہوتے تو اللہ ان سے بچنے کا حکم کیوں دیتا؟ کیا خبائث کے خلق ہونے کا ذمہ دار اللہ ہے؟ یا پھر اللہ تو ہے ہی طیب یہ تم انسان ہو جنہوں نے طیب کو خبیث میں بدل دیا۔ یہ جن کی بنیاد پر تم کہہ رہے ہو کہ یہ اللہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ زمین پر بہت سی مخلوقات ہیں جو خبیث ہیں تو جان لو خبائث کی حقیقت بالکل ایسے ہی ہے جیسے کہ تمہارے جسم میں کوئی خرابی کر دی جائے کوئی پھوڑا اپھنسی کوئی زخم ہو جائے۔

اللہ نے تو یہ زمین طیب خلق کی تھی تم نے اس میں چھیڑ چھاڑ کر کے اس میں پنگے لیکر اسے خبیث بنا دیا یعنی خراب کر دیا، انسان کی حقیقت جسم میں وائرس کی سی ہے جو نہ صرف اپنے ہی وجود سے کٹ کر الگ سے پورا ایک وجود ہونے کا دعویدار بن جاتا ہے بلکہ اندر سے جسم کو نقصان پہنچاتا ہے خرابیاں کرتا ہے تباہی مچاتا ہے۔ انسان اللہ کے وجود میں وائرس ہے جسے جہاں تک رسائی حاصل ہے تباہی ہی مچا رہا ہے خرابیاں کر رہا ہے۔ یوں اس پہلو سے بھی آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو گیا کہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

قُلِ اللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. الزمر ۴۶

قُل کہو! اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کہو تو آگے سے کہا جا رہا ہے کہو اللّٰہُ یعنی کہو اللہ ہے۔ وہی بات کہ آپ کو دیکھنے کی صلاحیت دی تو آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟ جو آپ دیکھ رہے ہیں اسی کی بات ہو رہی ہے کہ تمہیں یہ کہنا پڑے گا کہ جو تم دیکھ رہے ہو اللہ ہے ہو اللہ کو دیکھ رہے ہو۔ اب آپ خود غور کریں کہ دیکھ تو آپ آسمانوں وزمین سمیت جو بھی اپنا وجود رکھتا ہے انہیں یا ان میں سے ہی دیکھ رہے ہیں تو پھر اللہ کیا ہوا؟ یعنی پھر بھی اگر نہیں مانتے اور اگر یہ سوال کرتے ہیں کہ بہت کچھ خبیث نظر آ رہا ہے، گند نظر آ رہا ہے تو کیا یہ سب اللہ کا وجود ہے؟ یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ جو گند ہے یہ اللہ کا وجود ہے اس لیے یہ جو نظر آ رہا ہے اللہ کا وجود نہیں بلکہ اللہ تو آسمانوں پر ہی چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے تو آگے اسی سوال کا جواب دے دیا اللّٰـهُ اللہ ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہے اللہ؟ تو آگے اسی سوال کا جواب بھی دے دیا گیا مَّ وہ جو یعنی اللہ کیا ہے اللہ وہ ہے جو فَاطِرَ فاطر تھے السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں وزمین۔ یعنی آسمانوں وزمین فاطر تھے تو اللہ ہی کا وجود تھا اور آج اگر کچھ بھی فاطر نہیں ہے تو وہ اللہ نہیں بلکہ اللہ کا شریک بن چکا ہے اور کس نے فطرت سے ہٹایا؟ خبائث کیا ہیں؟ جو کچھ بھی خبیث ہے ان کا ذمہ دار انسان ہے انسان نے فطرت میں تبدیلیاں کیں جب فطرت میں تبدیلی کی جائے گی تو ظاہر ہے پہلے ہی واضح کر دیا کہ فطرت کے لیے تبدیلی ہے ہی نہیں اس لیے اگر تبدیلی کی جائے گی تو خرابی ہو جائے گی اور جس میں بھی تبدیلی کی جائے گی بالآخر وہ خبیث بن جائے گی۔

اس آیت میں یہ بات کھول کھول کر واضح کر دی گئی کہ اللہ طیب ہے اور طیب صرف اور صرف وہ ہے جو کہ فاطر ہے یعنی اپنی اسی اصل حالت میں ہے جس پر وہ اول وجود میں لایا گیا جس پر وہ انسان کو وجود میں لانے سے پہلے تھا اور جو خبیث ہے وہ اللہ نہیں ہے بلکہ وہ ایسے ہی ہے جیسے جسم میں کوئی خرابی ہونے سے جسم کا کچھ حصہ خراب ہو جائے کوئی زخم ہو جائے، کوئی پھوڑا اپھنسی بن جائے۔

یہی آج سے چودہ صدیاں قبل محمد علیہ السلام نے بھی کہا اور یہی ہر رسول نے کہا کہ اللہ طیب ہے اور طیب سے حب کرتا ہے یعنی طیب کو ہی اپنی طرف کھینچتا ہے یہاں تک کہ اپنا وجود بنا لیتا ہے۔

یوں یہ سوال بھی بالکل ختم ہو جاتا ہے کہ جو کچھ بھی خبث ہے کیا وہ بھی اللہ ہے؟ تو اس کا جواب ہے کہ نہیں وہ اللہ نہیں ہے اللہ تو طیب ہے ہاں البتہ وہ تب تک

اللہ ہی کا وجود ہے جب تک کہ اسے مٹا نہیں دیا جاتا اس کا وجود ختم نہیں کر دیا جاتا اور جب تک اس کا وجود ہے اس کی اہمیت وحیثیت ایسے ہی ہے جیسے کہ جسم میں کہیں کوئی پھوڑا، پھنسی وغیرہ نکلی ہو تو جو حصہ جو گوشت اس سے متاثر ہوتا ہے۔
یوں اس پہلو سے بھی بالکل کھل کر واضح ہو گیا کہ فطرت ہی اللہ ہے نہ کہ اللہ کسی بے بنیاد و باطل عقائد ونظریات کا نام ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔
آپ قرآن میں درجنوں مقامات پر دیکھتے ہیں کہ اللہ قرآن میں جگہ جگہ گزشتہ ہلاک شدہ اقوام کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہم نے انہیں ہلاک کیا جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس نے بھی ان قوموں کو ہلاک کیا وہی اللہ ہے اور اگر اللہ کو جاننا ہے تو پھر یہ جان لیا جائے کہ ان قوموں کو کس نے ہلاک کیا؟ اگر یہ جان لیا گیا کہ ان قوموں کو کس نے ہلاک کیا تو بلا شک وشبہ وہی اللہ ہے۔
اگر تو ہلاک کرنے والا وجود وہی سامنے آتا ہے جو ان مشرکین کے مشرک آباؤ اجداد سے نسل درنسل منتقل ہونے والے عقائد ونظریات ہیں تو بلا شک وشبہ وہی اللہ اور اگر وہ سامنے نہیں آتا تو خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے وہ اللہ ہو ہی نہیں سکتا بلکہ اللہ وہی ذات ہے جس نے ان قوموں کو ہلاک کیا صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔
اور جب غور وفکر کیا جائے تو آپ کے سامنے یہی وجود ہی آئے گا جنہیں آپ مخلوقات کا نام دیتے ہیں جنہیں آپ آسمانوں وزمین کا نام دیتے ہیں۔ ان قوموں کو فطرت نے ہلاک کیا اور جب انہیں فطرت نے ہلاک کیا تو پھر ظاہر ہے یہی وجود فطرت ہی اللہ ہے نہ کہ اللہ کوئی الگ سے اپنا وجود رکھتا ہے اور اوپر آسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے جس کا کوئی وجود ہی نہیں۔
یوں اس پہلو سے بھی آپ پر بالکل کھول کر واضح کر دیا گیا کہ آسمانوں وزمین میں جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے جو اپنا وجود رکھتا ہے نہ صرف یہی ایک ہی وجود ہے ایک ہی ذات ہے بلکہ یہ اللہ ہے اللہ ہی کا وجود آپ کو نظر آ رہا ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔
وَمَا مِنْ اِلٰہٍ اِلَّا اللّٰہُ. آل عمران ۶۲
اور نہیں ہے جتنے بھی الٰہ ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی الٰہ مگر اللہ۔
آگے بڑھنے سے پہلے الٰہ کو سمجھنا بہت ضروری ہے آپ کو جو کچھ بھی دیا گیا خواہ وہ آپ کا جسم ہو جسم میں ہاتھ، پاؤں، آنکھیں، ناک، کان سمیت بہت سے اعضاء ہیں وہ سب دیئے گئے، سننے دیکھنے اور جو دیکھتے سنتے ہیں اسے سمجھنے اور عمل کرنے کی بھی صلاحیت دی، آپ کو مال، اولاد، ذہانت، کچھ کرنے کی صلاحیتیں، کوئی عہدہ ومرتبہ یا جو کچھ بھی دیا تو ان میں سے کسی کا بھی جس کے فیصلے کے مطابق استعمال کریں گے وہ آپ کا الٰہ کہلائے گا اور آپ جو اس کی بات مان کر اس کے فیصلہ کے مطابق ان میں سے کسی کا بھی استعمال کریں گے تو یہ آپ اس کی عبادۃ کریں گے یعنی اس کی عبادۃ کہلائے گی جسے اردو میں غلامی کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہے کہ کسی کی بات ماننا اس کی بات مان کر اس کے مطابق عمل کرنا۔
آپ کو جو کچھ بھی دیا گیا تو جو بھی آپ کو یہ بتاتا ہے کہ ان میں سے کس کا کب کہاں کتنا اور کیسے استعمال کرنا ہے کس کے لیے یا کس کے پیچھے استعمال کرنا ہے یعنی آپ کو جو بھی دیا گیا تو اس کا استعمال کب کہاں کتنا اور کیسے کرنا ہے جس کے فیصلے پر عمل کرتے ہوئے آپ ان میں سے کسی کا بھی استعمال کریں گے تو جس کے فیصلے پر عمل کرتے ہوئے ان میں سے کسی کا بھی استعمال کریں گے وہ آپ کا الٰہ کہلائے گا اور آپ جو اس کی بات مانیں گے اس کے فیصلے کے مطابق عمل کریں گے جسے اطاعت کہا جاتا ہے تو ایسا کرنا یعنی اطاعت کرنا اس کی عبادۃ یعنی غلامی ہوگی۔
وَمَا مِنْ اِلٰہٍ اور جتنے بھی الٰہ ہیں یعنی جتنے بھی ایسے ہیں جو یہ فیصلہ کرتے ہیں تمہیں بتاتے ہیں کہ جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا خواہ وہ مال ہو، اولاد ہو، ذہانت ہو، کچھ بھی کرنے کی صلاحیتیں ہوں، سننے دیکھنے سمجھنے اور عمل کرنے کی صلاحیتیں ہوں، کوئی عہدہ، مرتبہ یا کوئی مقام ہو یہ سب کیوں دیا گیا ان کا یا ان میں سے کسی کا بھی کب کہاں کیوں کتنا اور کیسے استعمال کرنا ہے ایسے جتنے بھی ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں کہ جس کی بات مانی جائے، جس کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ ان

میں سے کسی کے بارے میں بھی فیصلہ کرے کہ کیوں دیا گیا اور اس کا استعمال کیا ہے کب کہاں کیوں کتنا کیسے اور کس کے پیچھے استعمال کرنا ہے اِلَّا اللّٰہُ مگر اللہ یعنی صرف اور صرف اللہ ہی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ فیصلہ کرے کہ تمہیں جو کچھ بھی دیا گیا ان میں سے کسی کا بھی کب کہاں کیوں کتنا اور کیسے استعمال کرنا ہے، کس کے پیچھے استعمال کرنا ہے اور کس کے پیچھے استعمال نہیں کرنا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کیا ہے تو یہ جملہ ''اللہ'' اپنی وضاحت خود کر رہا ہے۔

" اللـه " اللہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے ''ال اور الہٰ''۔ الہٰ کے معنی تو آپ پہلے ہی جان چکے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''ال'' کے معنی کیا ہیں؟ کسی بھی لفظ کے شروع میں ''ال'' یعنی الف لام کا استعمال اسے مخصوص کر دیتا ہے۔ جہاں بھی کسی لفظ یا جملے کے شروع میں ''ال'' کا استعمال کیا جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ عام کا نہیں بلکہ خاص کا ذکر کیا جا رہا ہے خاص کی بات کی جا رہی ہے۔

''ال اور الہٰ'' کو جمع کیا جائے تو ''اللہ'' بنتا ہے جس کے معنی بنتے ہیں مخصوص الہٰ یعنی جتنے بھی ایسے ہیں جو یہ فیصلہ کر رہے ہیں جو تمہیں یہ بتاتے ہیں کہ جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا وہ کس مقصد کے لیے دیا گیا اس میں سے کسی کا بھی کب کہاں کیوں کتنا اور کیسے استعمال کرنا ہے، کس کے لیے یا کس کے پیچھے استعمال کرنا ہے اور کس کے پیچھے نہیں۔ جتنے بھی ایسے ہیں جن کی بات مانی جا رہی ہے ان میں سے جو مخصوص ثابت ہو جائے جو خاص ثابت ہو جائے وہ الہٰ ہے یعنی اس کی بات مانی جائے گی اس کے فیصلے کے مطابق جو کچھ بھی دیا گیا اس کا یا اس میں سے کسی کا بھی استعمال کیا جائے گا۔

اب آپ پر فرض ہے کہ آپ غور و فکر کریں اور یہ جانیں کہ جتنے بھی الہٰ ہیں ان میں سے وہ کون ہے جو مخصوص ثابت ہوتا ہے جو خاص ثابت ہوتا ہے؟ اسے جاننے کے لیے ایک مثال آپ کے سامنے رکھتے ہیں مثلاً اگر آپ کو کوئی کچھ دیتا ہے اور بہت سے ایسے ہیں کہ جو آپ کو بتانا شروع ہو جاتے ہیں کہ اس شئے کا استعمال کیا ہے یہ تمہیں کس مقصد کے لیے دی گئی تو یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ ان سب میں سے کس کی بات مانیں گے؟ مثلاً دس افراد ہیں جو کہ آپ کی راہنمائی کے دعویدار ہیں ان میں سے ہر کسی کا یہی کہنا ہے کہ میری بات مانو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اس شئے کا مقصد کیا ہے اسے کس مقصد کے لیے استعمال کرنا ہے اسے کب کہاں کیوں کتنا اور کیسے استعمال کرنا ہے اور انہی دس میں سے ایک ایسا بھی ہے جو نہ صرف آپ کو اس شئے کے دیئے جانے کا مقصد بتا رہا ہے بلکہ وہ بار بار یہ بھی کہہ رہا ہے کہ دیکھو یہ شئے میں نے تمہیں دی ہے اس لیے یہ حق صرف اور صرف مجھے حاصل ہے کہ میری بات مانی جائے، میں نے تمہیں یہ شئے دی ہے تو ظاہر ہے صرف اور صرف مجھے ہی علم ہے کہ میں نے تمہیں یہ شئے کس مقصد کے لیے دی اسے کب کہاں کیوں کیسے اور کتنا استعمال کرنا ہے، کس کے لیے استعمال کرنا ہے اور کس کے لیے استعمال نہیں کرنا۔

اب آپ سے سوال ہے کہ آپ ان دس میں سے کس کی بات مانیں گے؟ یا ان دس میں سے کون ہے جسے یہ حق حاصل ہے کہ صرف اور صرف اسی کی بات مانی جائے؟ یعنی ان دس میں سے کون ہے جو مخصوص ثابت ہوتا ہے؟ اگر ان دس کو ایک دوسرے پر ترجیح دی جائے تو کون ہے جو ان سب سے اوپر آئے گا؟ تو اس کا جواب نہ صرف انتہائی آسان ہے بلکہ بالکل واضح ہے آپ نہ صرف سننے دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں بلکہ جو سنتے اور دیکھتے ہیں اسے سمجھنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں، آپ سن اور دیکھ رہے ہیں اور آپ کا دماغ آپ کو یہ فیصلہ سنا رہا ہے کہ جس نے یہ شئے تمہیں دی صرف اور صرف اسی کو حق حاصل ہے کہ اس کی بات مانی جائے اسی کے کہے ہوئے کے مطابق اس کا استعمال کیا جائے اس کے علاوہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔ کیونکہ جب شئے اس نے دی تو ظاہر ہے اس نے بغیر کسی مقصد کے تو دی نہیں اور پھر اس نے کس مقصد کے لیے دی اس کے علاوہ کوئی دوسرا یہ راہنمائی نہیں کر سکتا اس لیے اس کے علاوہ کسی دوسرے کی بات نہیں مانی جائے گی اور اگر مانی گئی تو پھر یہ بات بھی پہلے سے ہی نہ صرف طے شدہ ہے بلکہ واضح ہے کہ شئے جس مقصد کے لیے دی گئی وہ مقصد پورا نہیں ہوگا۔

بالکل ایسے ہی آپ غور و فکر کریں اور جانیں کہ جتنے بھی الہٰ ہیں ان میں سے کون سا ایسا ہے جو مخصوص الہٰ ثابت ہوتا ہے؟

سب سے پہلے تو آپ کو یہ جاننا ہوگا کہ آپ کو جو کچھ بھی دیا گیا مال، اولاد، جسم، جسم میں تمام کے تمام اعضاء، صحت، سننے دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت، کچھ کرنے کی صلاحیتیں، کوئی عہدہ، مرتبہ یا مقام یا پھر کچھ بھی دیا گیا تو یہ سب کا سب کس نے دیا؟ جس نے بھی یہ سب کا سب دیا وہ مخصوص الہٰ ثابت ہو جائے گا کیوں کہ ظاہر ہے جس نے بھی دیا تو اس نے بغیر کسی مقصد کے تو نہیں دیا اور پھر اس نے کس مقصد کے لیے دیا ان میں سے کسی کا بھی استعمال کب کہاں کیوں کتنا اور

کیسے کرنا ہے کس کے پیچھے یا کس کے لیے ان کا یا ان میں سے کسی کا بھی استعمال کرنا ہے اور کس کے لیے یا کس کے پیچھے استعمال نہیں کرنا اس کا علم صرف اور صرف اسی کو ہے اس کے علاوہ کسی کو نہیں ہو سکتا اور اگر اس کے علاوہ کسی اور کی مانی گئی کسی اور کے کہے کے مطابق ان کا یا ان میں سے کسی کا بھی استعمال کیا گیا تو جس مقصد کے لیے یہ سب دیا گیا وہ مقصد پورا نہیں ہوگا جس کا نتیجہ سوائے ہلاکت وتباہی کے کچھ نہیں ہوگا یوں نہ صرف فساد ہوگا بلکہ آپ نے مخصوص الہٰ جسے عربوں کی زبان میں اللہ کہا جائے گا اس کے ساتھ اس کا شریک لا کھڑا کر دیا۔

اب جب غور وفکر کیا جائے اور یہ جانا جائے کہ وہ کون ہے جس نے آپ کو وجود دیا اور یہ سب کا سب دیا یعنی آپ کا ربّ کون ہے؟ تو بالکل کھل کر واضح ہو جاتا ہے کہ جو وجود نظر آ رہا ہے یہی وجود ہے جس نے نہ صرف آپ کو وجود دیا بلکہ جو کچھ بھی آپ کے پاس ہے وہ سب کا سب اسی وجود نے ہی آپ کو دیا، جو کچھ بھی موجود ہے اور اور کرتے جائیں جب اور ختم ہو کر ماضی کا صیغہ بن جائے تو ایک ہی وجود سامنے آئے گا اس کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں اور یہی وجود ہے جو آپ کو عدم سے وجود میں لایا آپ کو تمام کے تمام اعضاء دیئے، آپ کو سننے دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت دی، کچھ کرنے کی صلاحیت دی، آپ کو مال، اولاد دیا، آپ کو ذہانت دی کوئی عہدہ ومرتبہ یا کوئی مقام دیا یعنی جو کچھ بھی آپ کو حاصل ہے اسی وجود نے آپ کو دیا جسے آپ مخلوقات کا نام دیتے ہیں جو آپ کو ہر طرف نظر آ رہی ہیں جسے آپ فطرت اور انگلش میں نیچر کہتے ہیں۔

اب جب یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو چکی کہ یہی وجود جو آپ کو ہر طرف مخلوقات کی صورت میں نظر آ رہا ہے اسی نے آپ کو سب کا سب دیا تو ظاہر ہے اس وجود نے آپ کو جو کچھ بھی دیا تو اس میں سے کچھ بھی کوئی ایک بھی شیئے خواہ وہ چھوٹی سے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو بغیر کسی مقصد کے لیے تو نہیں دیا۔

جب اسی وجود نے آپ کو یہ سب کا سب دیا تو یہی وجود مخصوص الہٰ یعنی اللہ ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ جب اسی وجود نے آپ کو یہ سب دیا تو یہ سب کا سب اسی کا ہے اور اس نے کس مقصد کے لیے یہ سب دیا اس کے علاوہ کسی دوسرے کو علم ہو ہی نہیں سکتا جس وجہ سے صرف اور صرف اسی وجود کو ہی حق حاصل ہے کہ اس کی ہی بات مانی جائے اس کے کہے ہوئے کے مطابق ہی جو کچھ بھی دیا ان میں سے کسی کا بھی استعمال کیا جائے ورنہ اگر اس کے علاوہ کسی دوسرے کی بات مانی گئی کسی دوسرے کے پیچھے اس کا استعمال کیا گیا تو پھر جس مقصد کے لیے یہ سب آپ کو دیا گیا کبھی بھی کسی بھی صورت وہ مقصد پورا نہیں ہوگا بلکہ اس کے بالکل برعکس ہوگا جو کہ تباہ کن اور انتہائی ہلاکت خیز ہوگا۔

یوں بالکل کھل کر واضح ہو گیا کہ جتنے بھی الہٰ ہیں ان میں صرف اور صرف یہی ''ال الہٰ'' یعنی اللہ ثابت ہوتا ہے اس لیے اللہ کے علاوہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادۃ یعنی غلامی کی جائے کسی کی بھی بات مانی جائے۔

اور آپ جان کر حیران ہوں گے کہ پورے قرآن میں اسی بات کو پھیر پھیر کر ہر پہلو سے سامنے لا رکھا گیا جیسا کہ درج ذیل آیات آپ کے سامنے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّىۡ وَرَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ. الزخرف ۶۴

اس میں کچھ شک نہیں اللہ تعالیٰ یعنی جسے تم اللہ کہہ رہے ہو ایسا کوئی اللہ وجود ہی نہیں رکھتا جو اللہ ہے اسے تم نے اللہ تھا کیا ہوا ہے جو اللہ ہے اس کے ساتھ دشمنی کر رہے ہو۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہے اللہ تو آگے اسی سوال کا جواب ہے هُوَ اللہ ہے۔ هُوَ دو الفاظ کا مجموعہ ہے گول والی '' ہ '' اور '' و ''۔ گول والی '' ہ '' کسی شیئے کی طرف اشارہ کے لیے استعمال ہوتی ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے انسان کے لیے تین حالتیں وجود رکھتی ہیں ماضی حال اور مستقبل اس لیے کس کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے یہ واضح کرنا بہت ضروری ہے۔ کسی ماضی کی شیئے کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے حال والی شیئے کی طرف یا پھر مستقبل والی شیئے کی طرف اس کو واضح کرنا لازم ہے جس کے لیے زبر پیش اور زیر استعمال کیا جاتا ہے۔ زبر کا استعمال ماضی میں لے جاتا ہے زیر کا استعمال مستقبل میں اور پیش کا استعمال حال کا اظہار کرتا ہے۔ هُوَ میں گول والی '' هُ '' پر پیش ہے جس کا معنی بنتا ہے کہ اس شیئے کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے جو موجود ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا موجود ہے تو آپ کو بہت کچھ موجود نظر آئے گا مثلاً درخت تو کیا درخت اللہ ہے؟ تو اس کا جواب آپ سے اس سوال میں ہے کہ کیا صرف درخت ہی موجود ہیں تو اس کا جواب ہوگا کہ نہیں اور بھی بہت کچھ موجود ہے تو یہی آگے کہا گیا '' وَ '' و کے معنی ہیں اور، و پر زبر آ جانے سے یہ ماضی کا صیغہ بن جاتا ہے یوں '' هُوَ '' کے معنی بنتے ہیں کہ کیا ہے جو موجود ہے جو موجود ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی کا صیغہ نہیں بن جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے یعنی حد آ جائے تو ایک ہی وجود ایک ہی ذات

سامنے آئے گی جو کہ اللہ ہے اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں۔

آج انسان اپنے اپنے خود ساختہ عقائد ونظریات کو اللہ کا نام دیئے ہوئے ہیں جس کا کوئی وجود ہی نہیں اسے اللہ بنائے ہوئے ہیں اور جو اللہ ہے جو کہ حق ہے اسے تھا کیا ہوا ہے انسانوں کے اللہ کے نام پر تمام تر عقائد ونظریات کا رد کرتے ہوئے اللہ کا اپنے رسول کے ذریعے کہنا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ اس میں کچھ شک نہیں اللہ تھا جو کچھ بھی تمہیں نظر آ رہا ہے جو بھی موجود ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا اور جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے تو اللہ ہی کی ذات سامنے آئے گی اور کچھ ہے ہی نہیں سوائے اللہ کے۔

جو موجود ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی کا صیغہ نہیں بن جاتا تو جو وجود سامنے آئے یہی وجود رَبِّــیْ میرا ربّ ہے یعنی یہی وجود ہے یہی ذات ہے جس نے مجھے عدم سے وجود میں لایا، جو کچھ بھی میرے پاس ہے اسی وجود نے ہی دیا یہاں تک کہ میری تمام تر ضروریات یہی وجود ہی خلق کر کے فراہم کر رہا ہے اور وَ رَبُّكُمْ اور تمہارا ربّ یعنی غور کرو جب تمہارا وجود نہیں تھا تو کون ہے جو تمہیں وجود میں لایا؟ کیا یہی ذات تمہیں وجود میں نہیں لائی؟ اور تمہاری جتنی بھی ضروریات ہیں ذرا غور کرو کون ہے جو خلق کر کے تمہیں فراہم کر رہا ہے؟ کیا یہی وجود یہی ذات نہیں یعنی کیا '' هُوَ '' نہیں ہے؟ تمہیں جو کچھ بھی دیا گیا کیا اسی وجود نے نہیں دیا؟

ذرا غور کرو تمہاری ضروریات میں تمہیں سانس لینے کے لیے آکسیجن کی ضرورت ہے تو کون ہے جو تمہیں آکسیجن فراہم کر رہا ہے آکسیجن دیکر تم پر احسان کر رہا ہے؟ کیا یہی درخت تمہیں آکسیجن فراہم نہیں کر رہے؟ کیا تمہارے کھانے کے لیے نباتات یہی زمین نہیں اگا رہی جس میں سمندروں کا اپنا کردار ہے، ہواؤں کا اپنا کردار، سورج کا اپنا، چاند کا اپنا اسی طرح کیا ہر لحاظ سے یہی وجود یہی ذات سامنے نہیں آتی؟ فَاعْبُدُوْهُ جب ہر لحاظ سے یہی ذات ہی سامنے آتی ہے ایک ہی وجود ہے اور جو وجود ہے اللہ ہی کی ذات ہے کوئی دوسرا ہے ہی نہیں اسی نے نہ صرف تمہیں وجود دیا بلکہ جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے اسی نے تمہیں دیا تو پھر ان سب کا استعمال کس کے لیے کر رہے ہو؟ کس کے پیچھے استعمال کر رہے ہو؟ کس کی بات مان رہے ہو؟ کس کے فیصلے کے مطابق اپنی اولاد کی تربیت کر رہے ہو؟ مال و دولت استعمال کر رہے ہو؟ اپنی صلاحیتوں کا استعمال کر رہے ہو؟ یا جو کچھ بھی دیا گیا اسکا استعمال کر رہے ہو؟ کس کے لیے سننے دیکھنے سمجھنے اور کرنے کی صلاحیتوں کا استعمال کر رہے ہو؟ جب یہ سب کا سب هُوَ نے دیا تو پھر ظاہر ہے اس کے علاوہ کسی کو حق حاصل نہیں کہ اسے الٰہ بنایا جائے یعنی اس کی عبادۃ کی جائے اس لیے پس اسی کی عبادۃ کرو یعنی هُوَ کو ہی الٰہ بناؤ اسی کی غلامی کرو اسی کے لیے اور اس کے پیچھے ان سب کا یا ان میں سے کسی کا بھی استعمال کرو۔

یوں اس پہلو سے بھی آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہوگئی کہ اللہ یعنی مخصوص الٰہ یہی وجود ہے آپ خود غور وفکر کریں کہ آپ کا ربّ کون ہے یعنی وہ کون سی ذات ہے جس نے آپ کو وجود دیا؟ تو یہی وجود آپ کے سامنے آئے گا جسے آپ فطرت کہتے ہیں جنہیں آپ مخلوقات کا ہی نام دیتے ہیں اسی طرح آپ غور وفکر کریں کہ آپ کی جتنی بھی ضروریات ہیں کون ہے جو آپ کو خلق کر کے مہیا کر رہا ہے تو یہی وجود ہی سامنے آئے گا آپ کو اسی وجود نے مال، اولاد، سننے دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت جو سمجھتے ہیں اس پر عمل کرنے کی صلاحیتیں دی اس کے علاوہ بھی جو کچھ بھی ہے اسی وجود نے ہی آپ کو دیا۔ جب یہی وجود ہی جو کچھ بھی ہے سب کا ربّ ثابت ہوتا ہے تو پھر ظاہر ہے ربّ ہی تو اللہ ہے یہی وجود مخصوص الٰہ یعنی اللہ ثابت ہوتا ہے۔

اب یہاں ایک اور سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ '' هُوَ '' میں تو ہر کوئی آ جاتا ہے تو اس کا مطلب کہ ہر کسی کی بات مانی جائے؟ یعنی هُوَ میں تو جو کچھ بھی موجود ہے سب کا سب آ جاتا ہے جس میں آج جتنے بھی انسان موجود ہیں وہ بھی آ جاتے ہیں تو کیا ان سب کی بھی بات مانی جائے؟ اگر ایسا ہے تو پھر اور بات مانی کس کی جا رہی ہے؟ جب ایک ہی وجود ہے دوسرا کوئی ہے ہی نہیں تو پھر ظاہر ہے هُوَ ہی کی تو مانی جا رہی ہے اسی کو تو الٰہ بنایا ہوا ہے ہر کسی نے۔

تو اس کا جواب بہت آسان ہے مثلاً آپ اپنے ہی وجود کی مثال لے لیں اگر آپ کا نام عمران ہو تو عمران کیا ہے؟ کسی بھی عضو سے اور اور کرنا شروع کریں مثلاً ناخن سے شروع کریں تو ناخن پور کی طرف لے جائے گا، پور انگلی کی طرف، انگلی ہاتھ کی طرف، ہاتھ بازوں کی طرف اس طرح اور اور کرتے کرتے پورا وجود سامنے آئے گا لیکن اگر کوئی بھی عضو جسم سے الگ ہو دوسرا وجود بن جائے تو کیا وہ هُوَ یعنی جو بھی اعضاء ہیں اور اور کرنے سے ان میں آئے گا؟

مثلاً اگر ہاتھ جسم سے کٹ کر الگ ہو جائے ایک دوسرا وجود بن جائے تو کیا کٹا ہوا ہاتھ جو کہ الگ سے وجود بن چکا ہوگا وہ اور اور میں آئے گا؟ نہیں بلکہ جب

وہ ہے ہی کٹا ہوا تو وہ اوراور میں کیسے آ سکتا ہے اوراور میں تو وہی آئے گا جو جسم کیساتھ نہ صرف اپنے مقام پر موجود ہو بلکہ مربوط بھی ہو اپنا کام کر رہا ہو اور اگر کوئی وجود کیساتھ جڑا ہوا ہی نہیں وہ الگ سے وجود بنا ہوا ہے تو وہ دوسرا وجود ہے نہ کہ آپ کا وجود کہ وہ آپ ہو۔

ایسے ہی جب آپ اوراور کریں تو اوراور میں وہی آئے گا جو نہ صرف اپنے مقام پر ہو گا بلکہ جیسے مشین میں ہر پرزہ اپنے مقام پر ہوتا ہے اور اپنا کام کر رہا ہوتا ہے کوئی الگ سے وجود نہیں ہوتا بلکہ ایسے ہی اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو پورا کر رہا ہوگا اور جو اپنے مقام پر نہیں ہوگا اپنی ذمہ داری کو پورا نہیں کر رہا ہوگا تو وہ ھُوَ میں نہیں آئے گا بلکہ وہ الگ سے دوسرا وجود ہونے کا دعویدار ہوگا جسے شریک کہتے ہیں۔

اسی کو اللہ نے قرآن میں کئی مقامات پر واضح کر دیا جیسا کہ درج ذیل آیات آپ کے سامنے ہیں۔

الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ . آل عمران ۱، ۲

الف لام میم اللہ ہے۔ سورۃ آل عمران کے شروع میں یہاں کہا جا رہا ہے کہ ''الم'' اللہ ہے لیکن اس سے پچھلی سورۃ البقرۃ کے شروع میں کہا گیا ''الم'' وہ الکتاب ہے یعنی آسمانوں وزمین کو ''الم'' کہا گیا۔ یعنی جب پہلے ہی یہ بات واضح ہو چکی کہ جو نظر آ رہا ہے اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے تو ظاہر ہے پھر سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران میں دو مختلف باتیں نہیں کی گئیں بلکہ ایک ہی بات کو دو مختلف پہلوؤں سے دو مختلف مقامات پر پھیر کر سامنے لایا گیا اور اگر اس کے باوجود کسی کو کوئی شک وشبہ ہو تو آل عمران کی آیت ۲ بالکل کھول کر واضح کر دیتی ہے

الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ''الم'' اللہ ہے یعنی یہی جو وجود آپ کو نظر آ رہا ہے یہی وجود ہی مخصوص الٰہ ہے نہیں الٰہ مگر ھُوَ۔ یعنی ھُوَ ہی اللہ یعنی مخصوص الٰہ ہے

اب وہی سوال کہ اگر ھُوَ ہی اللہ ہے تو پھر ھُوَ میں تو جو بھی موجود ہے سب کا سب آ جاتا ہے اس میں اگر انسانوں کی بات کی جائے تو زانی، شرابی، قاتل، چور، ڈاکو سمیت بڑے بڑے مجرم آ جاتے ہیں تو کیا یہ سب بھی اللہ کا وجود ہے ان کی بھی بات مانی جائے؟ تو آگے اسی سوال کا جواب دے دیا گیا کہ نہیں آپ کو سمجھنے میں غلطی ہوئی آپ نے جو الگ سے وجود کے دعویدار ہیں جو شریک بنے ہوئے ہیں ان کو بھی اللہ ہی سمجھ لیا جو کہ ایسا نہیں بلکہ ذرا غور کریں اور دیکھیں کہ کیا وہ اللہ ثابت ہوتے ہیں؟ کیونکہ ھُوَ میں کون آئے گا وہ آپ پر واضح کر دیتے ہیں۔

سب سے پہلی شرط **هُوَ** دیکھیں کیا موجود ہے تو جو کچھ بھی موجود ہے ان میں کون ھُوَ میں شمار ہوگا اور کون نہیں اس کے لیے یہ ذہن میں رکھیں **الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ** آیا وہ الحی ہے یعنی مخصوص حیا ہے مخصوص حیا یعنی زندہ ہونے کا مطلب ہے کہ اسے جس مقصد کے لیے وجود دیا وہ اس مقصد کو جان کر پہچان کر اس پر قائم ہے؟ اگر تو جس مقصد کے لیے اسے وجود میں لایا اس مقصد پر قائم ہے اسے پورا کر رہا ہے اپنے مقام پر قائم ہے تو وہ مخصوص الٰہ ہے ورنہ وہ مخصوص الٰہ یعنی اللہ ثابت نہیں ہوتا اس لیے اسے کوئی حق حاصل نہیں کہ اسے الٰہ بنایا جائے۔ یوں اس پہلو سے بھی بالکل کھل کر واضح ہو گیا کہ یہی وجود اللہ ہے نہ کہ اللہ ان مشرکین کے مشرک آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد ونظریات کا نام ہے۔ حق یہ ہے کہ آپ کو ہر طرف اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے نہ کہ اللہ کے علاوہ کچھ بھی اپنا وجود رکھتا ہے۔

پھر مزید اور پہلو سے بھی آپ پر کھول کر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ کیا ہے۔

اللہ اوپر آسمانوں پر اپنے عرش یعنی کہ تخت پر ہے اس کے لیے جن دلائل کے نام پر خرافات کے ذریعے آج تک دھوکا دیا جاتا رہا ان کی حقیقت بھی بالکل کھول کر آپ پر واضح کرتے ہیں۔

سب سے پہلے تو آپ یہ جان لیں کہ اللہ کا تخت اوپر آسمانوں پر ہے اور اللہ اوپر آسمانوں میں اپنے تخت پر بیٹھا ہے، متمکن ہے، جلوہ گر ہے، جلوہ افروز ہے یا جو بھی الفاظ استعمال کریں یہ عقیدہ ونظریہ کہاں سے وجود میں آیا؟ کیونکہ آج تک اکثریت کو یہ کہہ کر دھوکا دیا جاتا رہا کہ یہ عقیدہ ونظریہ قرآن کا بیان کردہ ہے جو محمد علیہ السلام نے دیا یعنی یہ عقیدہ ونظریہ محمد علیہ السلام سے اخذ کیا گیا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ عقیدہ ونظریہ تو محمد علیہ السلام کی بعثت سے پہلے سے ہی نہ صرف موجود تھا بلکہ محمد علیہ السلام کو جب بعث کیا گیا تب نہ صرف مشرکین عرب، بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ ونظریہ تھا۔ اسی عقیدے ونظریے کی بنیاد پر ان کے ہاں یہ بات موجود ہے کہ ایلیاء یعنی الیاس نبی کو اللہ نے

زندہ اپنے پاس آسمانوں پر بلا لیا، الیاس نبی زندہ اوپر اللہ کے پاس آسمانوں میں چلا گیا اور وہ واپس تب آئے گا جب اللہ اس مسیح رسول کو بعث کرے گا جس کا اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے الیاس آکر اس رسول کی نشاندہی کرے گا کہ یہ وہ مسیح رسول ہے جس کا اللہ نے تم سے وعدہ کر رکھا تھا اور پھر اسی عقیدے ونظریے کی بنیاد پر عیسائیوں کے ہاں اس عقیدے نے جنم لیا کہ عیسیٰ ابن مریم کو اللہ نے اپنے پاس زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا۔

یعنی یہودیوں اور عیسائیوں میں اس عقیدے ونظریے کا پایا جانا جو کہ بائبل عہد نامہ قدیم میں بھی مذکور ہے کہ ایلیا نبی زندہ اوپر آسمانوں پر اللہ کے پاس چلا گیا اور عیسائیوں میں اس کے علاوہ عیسیٰ ابن مریم کا زندہ اوپر آسمانوں پر اللہ کے پاس چڑھ جانا ان عقائد ونظریات کی موجودگی میں رائی برابر بھی یہ شک نہیں رہتا کہ محمد علیہ السلام کی بعثت سے پہلے سے ہی یہ عقیدہ ونظریہ پایا جاتا تھا کہ اللہ اوپر آسمانوں پر موجود ہے۔

جیسے آج قرآن کے تراجم وتفاسیر کے نام پر گمراہیوں وذلت کا سودا کیا گیا بالکل عین اسی طرح بنی اسرائیل نے بھی کیا۔ بنی اسرائیل کے ملاؤں نے اللہ کے نبیوں ورسولوں کے لٹریچر کے اصل متن کو نہ صرف غائب کر دیا بلکہ تراجم وتفاسیر کے نام پر اپنے عقائد ونظریات کو عام کر دیا۔ ایک طرف آسمانوں وزمین کے بارے میں اصل متن تھا رسولوں کی طرف سے کی گئی راہنمائی تھی، اللہ پر کی گئی راہنمائی تھی تو دوسری طرف بنی اسرائیل کی ذہنی سطح اور علم ایسا نہ تھا کہ وہ رسولوں کی بات کو سمجھ سکتے وہ حق کو سمجھ سکتے اس لیے انہوں نے خود کو معیار بناتے ہوئے اپنے خیالات کو اپنے نظریات کو اپنے عقائد کو تراجم وتفاسیر کی صورت میں رسولوں کے کلام یعنی اللہ کے کلام کے نام پر اکثریت کو گمراہ کر دیا یہاں تک کہ سب کے سب ہی ضلالٍ مبینٍ میں چلے گئے حق کیا ہے کسی ایک کو بھی علم نہ رہا یہاں تک کہ رائی برابر بھی حق کا علم نہ رہا کسی کو اس کے باوجود ہر کوئی خود کو اہل حق ہی سمجھتا رہا۔

آسمانوں وزمین کے بارے میں، اللہ کے بارے میں وہی تراجم وتفاسیر کیے گئے جو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے جس کا وہ مشاہدہ کر رہے تھے اور جس کا انہوں نے مشاہدہ ہی نہیں کیا بھلا اسے وہ کیسے سمجھ اور بیان کر سکتے ہیں؟ جو کہ ممکن ہی نہیں اس لیے انہوں نے اپنے مشاہدات، اپنے خیالات، عقائد ونظریات کو ہی اللہ کے نام پر اللہ ہی پر فٹ کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو اللہ ہے ہی نہیں اسے اکثریت اللہ بنا بیٹھی اور جو اللہ ہے اسے تھا کر دیا اس کا کسی کو علم ہی نہ رہا۔

اس وقت وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ زمین روٹی کی طرح گول اور چپٹی نظر آ رہی ہے، زمین ساکت ہے اور زمین کے کنارے ہیں، آسمان الٹے پیالے کی مانند ہے جو کہ زمین کے کناروں پر ٹکا ہوا ہے، آسمان میں سورج اور ستارے سب کے سب زمین کے گرد گھوم رہے ہیں دوسری طرف ان کے پاس جو رسولوں کا لٹریچر تھا اس میں سات آسمانوں اور ان ہی کی مثل زمین کا ذکر تھا، ربّ عرش پر استویٰ ہے اور عرش پانی پر ہے تو انہوں نے اپنے مشاہدات کی بنیاد پر آسمانوں وزمین، سورج، چاند ستاروں وغیرہ کے بارے میں عقائد ونظریات گھڑ کر پھیلا دیئے، عرش کے بارے میں، عرش کا پانی پر ہونا اور ایسے ہی اللہ کے بارے میں اپنے مشاہدات کی بنیاد پر عقائد ونظریات گھڑ کر پھیلا دیئے۔

مشرکین عرب، یہودیوں اور عیسائیوں کا نہ صرف آسمانوں وزمین جو کہ ان کے نزدیک کل کائنات تھی کے بارے میں بلکہ اللہ کے بارے میں جو عقیدہ ونظریہ پایا جاتا تھا وہ یہ تھا کہ محمد رسول اللہ کو جب بعث کیا گیا تو اس وقت پوری دنیا کے اکثر لوگوں کا سورج اور زمین کے حوالے سے ایک ہی نظریہ تھا اور وہ یہ کہ زمین روٹی کی طرح گول اور چپٹی ہے خشکی اس کے وسط یعنی درمیان میں ہے اس کے گرد پانی اور پانی کے گرد زمین کے کنارے ہیں ان کناروں پر پہاڑوں کی باڑ ہے جن پر آسمان اس طرح ٹکا ہوا ہے جیسے کوئی گنبد ہوتا ہے بالکل اسی طرح پہاڑوں پر پڑا ہوا ہے یعنی زمین کے گرد پہاڑ وہ ستون ہیں جن پر آسمان کے کنارے ٹکے ہوئے ہیں اور سورج آسمان کے اندر مشرق سے مغرب کی طرف سفر کرتا ہے۔

سات اوپر تلے روٹیوں کی مانند زمینیں ہیں جن پر سات آسمان ہیں آسمانوں کے اوپر عین سر پر ایک تخت ہے جس پر اللہ بیٹھا ہوا نظام چلا رہا ہے جب سورج غروب ہوتا ہے تو عین اللہ کے تخت کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے دوبارہ طلوع ہونے کی اجازت مانگتا ہے اور اسے اجازت مل جاتی ہے یوں وہ دوسرے دن پھر وہیں سے طلوع ہوتا ہے اور یہ کہ زمین حرکت کر رہی ہے یہ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا جیسا کہ ان عقائد ونظریات کو واضح کرتی تصویر کو آگے آپ دیکھ رہے ہیں۔

اب جبکہ یہ تو ثابت ہو چکا کہ محمد علیہ السلام کی بعثت سے قبل نہ صرف مشرکین عرب بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں کا متفقہ عقیدہ ونظریہ تھا کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ، اللہ کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر اپنے عرش یعنی تخت پر بیٹھا ہوا ہے، جلوہ گر ہے، جلوہ فرما ہے، جلوہ افروز ہے یا پھر متمکن ہے کہیں اگر یہ عقیدہ ونظریہ حق تھا تو کیا محمد علیہ السلام کو مشرکین عرب، یہودیوں اور عیسائیوں کی تائید وتصدیق کے لیے بھیجا گیا تھا؟

اگر وہ اپنے اس عقیدے ونظریے میں سچے تھے تو اس کا مطلب کہ محمد اللہ کا رسول تھا ہی نہیں کیونکہ آپ پر پیچھے یہ بات کھول کھول کر واضح کر دی گئی کہ اللہ نے یہ قدر میں کر دیا، اللہ کا یہ قانون ہے کہ اللہ صرف اور صرف تب ہی رسول بعث کرتا ہے جب لوگ ہر لحاظ سے، سو فیصد کھلم کھلا گمراہیوں میں ہوں اگر نور کی ایک کرن بھی ہو ہدایت کی ایک کرن بھی ہو حق کا ذرا بھی ہو تو اللہ رسول بعث نہیں کرتا۔ اس لیے اگر محمد کی بعثت سے پہلے مشرکین عرب، یہودی اور عیسائی اپنے اس عقیدے ونظریے میں سچے تھے حق پر تھے تو محمد اللہ کا رسول ہو ہی نہیں سکتا۔

محمد ایک ہی صورت میں اللہ کا رسول ثابت ہوتا ہے اور وہ یہ کہ محمد کی بعثت سے قبل لوگ ضلالٍ مبینٍ میں تھے کسی کو بھی حق کا رائی برابر بھی علم نہ تھا۔

اور جب محمد اللہ کا رسول تھا تو پھر کیسے ممکن ہے کہ محمد مشرکین عرب، یہودیوں اور عیسائیوں کے بے بنیاد و باطل عقائد ونظریات کی تائید وتصدیق کرتا؟ محمد اسے ہی حق کہتا جسے اس سے پہلے حق کہا اور سمجھا جار ہا تھا؟ نہیں ایسا کسی بھی صورت ممکن نہیں ہے اس لیے یہ بات ثابت ہو چکی کہ کائنات الگ ہے اور اللہ الگ اور اللہ اوپر آسمانوں پر اپنے عرش نامی تخت پر بیٹھا ہے یہ نہ صرف محمد کی بعثت سے پہلے مشرکین عرب، یہودیوں اور عیسائیوں کا عقیدہ تھا جو آج تک چلا آ رہا ہے بلکہ یہ بالکل بے بنیاد اور باطل تھا یہ اللہ پر افتراءِ عظیم تھا اور آج بھی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر محمد علیہ السلام نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا بلکہ اس کے بالکل برعکس کہا تھا تو پھر یہ عقیدہ ونظریہ چودہ صدیوں سے مسلمانوں میں کہاں سے آیا اور نسل در نسل چلا آ رہا ہے؟

تو اس کا جواب بھی آج سے چودہ صدیاں قبل ہی دے دیا گیا قرآن میں اللہ نے یہ بات بالکل کھول کر واضح کر دی کہ آج سے چودہ صدیاں قبل جب محمد اپنے رسول کے ذریعے اللہ نے حق کھول کھول کر واضح کر دیا تو انگلیوں پر گنی جانے والی تعداد جو کہ چند لوگ تھے ان کے علاوہ کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس نے محمد کی دعوت کو تسلیم کیا جو ایمان لایا ہو بلکہ تب بھی اکثریت نے نہ صرف تکذیب کی بلکہ یہی کہا کہ ہم تو اسی پر رہیں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا یوں کسی نے بھی محمد کی دعوت کو دل سے تسلیم نہیں کیا تھا سوائے چند کے۔

لیکن جب اللہ کا ید یعنی ہاتھ حرکت میں آیا تو موت کے خوف سے سب کے سب اسلام لے آئے یعنی انہوں نے خود کو محمد کے آگے جھکا دیا یعنی ایمان تب بھی کوئی نہیں لایا بلکہ اسلام لائے، دل سے نہیں مانا صرف زبان سے اقرار کیا وہ بھی اس لیے تا کہ گردن بچ جائے اور تب اللہ نے کہا تھا کہ آج جب کہ حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر تم پر واضح کیا جا چکا اس کے باوجود تم نہیں مان رہے تو جان لو جب تم اپنی ہی ذات میں اور الآفاق میں ہماری آیات دیکھو گے یعنی ان مقامات میں جہاں آج تمہاری رسائی نہیں تب تم مان جاؤ گے کہ یہ حق ہے۔

یعنی جب تک تم یہ سب اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لیتے تب تک تم نہیں مانو گے تب تک تم اسی پر ڈٹے رہو گے جس پر تم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا۔

اب جب اللہ خود کہہ رہا ہے اور کھول کھول کر واضح کر رہا ہے کہ تب کوئی ایمان نہیں لایا تھا سوائے چند کے تو ظاہر ہے تمام کے تمام عقائد ونظریات تو وہی تھے جو نسل در نسل چلتے آ رہے تھے ہاں اگر فرق پڑا تو وہ یہ کہ انہیں اسلام لانا پڑا یعنی موت کے ڈر سے خود کو محمد علیہ السلام کی قائم کردہ ریاست کے آگے سرنڈر کرنا پڑا خود کو فطرت کا ماتحت کرنا پڑا فطرت کے آگے خود کو جھکانا پڑا۔ اب جب سرنڈر کیے ہوئے کہلا رہے ہیں یعنی اسلام لانے والے مسلم کہلوا رہے ہیں تو ایک دو نسلوں بعد وہی نسل در نسل منتقل ہونے والی عقائد ونظریات پر اسلام کا لیبل لگ گیا اور آج تک وہی عقائد ونظریات موجود ہیں جس نے بھی آ کر ان عقائد و نظریات کے خلاف یا برعکس بات کی تو ان لوگوں نے اس کو یا تو قتل کر دیا اور اگر قتل پر دسترس نہ پائی تو اس کی تکذیب کی اس کی کوئی ایک بھی بات نہ مانی اس کی دعوت کا سرے سے ہی انکار کر دیا۔

یہ ہے وہ وجہ جس وجہ سے آج تک یہی کہا جاتا رہا کہ اللہ اوپر آسمانوں پر اپنے عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور آج جب انہیں ان کی اپنی ہی ذات اور ان مقامات میں جہاں اس وقت ان کی رسائی نہیں تھی وہاں آیات دیکھا دی گئیں تو پھر آج کے لیے ہی اللہ کا یہ وعدہ تھا کہ آج جب کہ وہ وقت آ چکا ہے تم آج اسی وقت میں موجود ہو تو آج تم پر اللہ کے بارے میں بھی ایک بار پھر حق کھول کھول کر واضح کیا جائے گا اور تمہیں بالآخر ماننا پڑے گا جو کہ آج اللہ اپنے اسی وعدے کو پورا کر رہا ہے اپنے رسول کے ذریعے حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر رہا ہے۔

وہ جو پہلے مشرکین عرب تھے، یہودی اور عیسائی تھے جنہیں محمد علیہ السلام کی قائم کردہ ریاست کے آگے موت کے ڈر سے سرنڈر کرنا پڑا یعنی اسلام لانا پڑا جس سے وہ مسلم کہلوائے گئے انہی لوگوں نے اور ان کی نسلوں نے بعد میں اپنے انہی آباؤ اجداد سے نسل در نسل ہونے والے عقائد ونظریات کو قرآن کے تراجم و تفاسیر کی صورت میں قرآن اور محمد علیہ السلام سے منسوب کر دیا جو آج تک چلتے آ رہے ہیں۔ خود کو مسلمان کہلوانے والے جن کو دین کا علم ہی نہیں تھا اور نہ ہی اللہ کا علم تھا وہ لوگ آج تک درج ذیل آیت کو بنیاد بنا کر تراجم وتفاسیر کے نام پر بطور دلیل پیش کرتے ہوئے کہتے رہے اور آج بھی کہہ رہے ہیں کہ دیکھو اللہ اوپر آسمانوں پر اپنے تخت پر ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى. طٰہٰ ۵

وہ رحمان (کائنات کے) تحت سلطنت پر جلوہ فرما ہے۔ ابوالاعلی مودودی

(یعنی خدائے) رحمٰن جس نے عرش پر قرار پکڑا۔ فتح محمد جالندھری

یہ سورۃ طٰہٰ کی آیت نمبر ۵ ہے جس کو بنیاد بناتے ہوئے تراجم وتفاسیر کے نام پر یہ دلیل پیش کی جاتی رہی کہ اللہ کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر عرش جو کہ تخت ہے اس پر ہے۔ دو شخصیات کے تراجم آپ کے سامنے ہیں دونوں تراجم میں ایک ہی عقیدہ ونظریہ ہے جسے پیش کیا گیا محض الفاظ کے چناؤ کا فرق ہے جیسا کہ فتح محمد جالندھری کے ترجمے میں ہے ''رحمٰن جس نے عرش پر قرار پکڑا'' قرار کہتے ہیں ٹھہرنے کو اور قرار پکڑا یعنی اوپر آسمانوں پر اپنے تخت پر جا ٹھہرا اور تب سے وہ اوپر آسمانوں پر تخت پر ہے۔ یعنی بالکل واضح طور پر کہا جا رہا ہے کہ اللہ الگ ہے اور کائنات الگ ہے اللہ نے آسمان وزمین بنائے پھر اس کے بعد اوپر آسمانوں پر چڑھ کر تخت پر جا بیٹھا۔

اصل حقیقت کیا ہے اسے اور ان کے دجل عظیم کو بالکل کھول کر واضح کرنے سے پہلے ان کے اس عقیدے ونظریے پر کچھ سوالات پیدا ہوتے ہیں جنہیں سامنے لانا بہت ضروری ہے۔

اگر ان سے سوال کیا جائے کہ اکبر کون ہے یعنی کون ہے جس سے بڑا کوئی نہیں تو بذات خود ان کا جواب ہوتا ہے کہ ''اللہ اکبر'' اللہ ہے جس سے بڑا کوئی نہیں۔ اب جب اللہ اکبر ہے یعنی اللہ ایسی ذات ہے جس سے بڑا کوئی نہیں تو پھر اللہ نے آسمانوں پر پڑے تخت پر قرار کیسے جا پکڑا؟ یعنی اگر اللہ عرش جو کہ ان کے مطابق تخت ہے پر جا ٹھہرا تو پھر اللہ اکبر ہوا یا عرش؟ اگر اللہ اکبر ہے اور ان کے عقیدے ونظریے کے مطابق عرش ایک تخت ہے جیسے بادشاہ کا تخت ہوتا ہے جس پر بادشاہ بیٹھتا ہے تو پھر اللہ اس تخت پر کیسے جا ٹھہرا؟ اور اس کے باوجود اگر اللہ تخت پر جا ٹھہرا تو پھر اللہ نہیں بلکہ تخت اکبر ثابت ہو جاتا ہے۔ اور پھر کہتے ہیں کہ عرش آسمانوں پر ہے جب عرش آسمانوں پر ہے تو اس کا مطلب کہ عرش جو کہ ان کے عقائد ونظریات کے مطابق تخت ہے وہ آسمانوں سے بھی چھوٹا ثابت ہو جاتا ہے آسمان اس سے بڑے ثابت ہو جاتے ہیں یوں اکبر تو آسمان ثابت ہو جاتے ہیں اور اگر واقعتاً اللہ اکبر ہے تو پھر اللہ کا آسمانوں پر تخت پر قرار پکڑنا بالکل بے بنیاد و باطل ثابت ہو جاتا ہے۔

پھر آج تک جو بات چھپائی گئی وہ یہ ہے کہ اس آیت کو تو بطور دلیل بہت بڑھ چڑھ کر پیش کیا جاتا ہے لیکن یہ نہیں بتایا جاتا کہ اگر استوی کے معنی قرار پکڑنا ہے، بیٹھنا ہے تو پھر وہ تخت پر بیٹھنے سے پہلے کہاں بیٹھا تھا؟

تخت تو ان کے مطابق آسمانوں پر ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب آسمانوں کا وجود ہی نہیں تھا تو تب ان کا اللہ کہاں تھا؟ پہلی بات تو یہ کہ اس سوال کا جواب ہی نہیں دیتے اور اگر کوئی جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ مزید دھوکے پر دھوکہ دینے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں اور قرآن کی درج ذیل آیت کے تراجم وتفاسیر کے نام پر دلیل پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلے اس کا عرش پانی پر تھا اور تب اللہ پانی پر اپنے عرش پر تھا جیسا کہ سورۃ ھود کی آیت نمبر ۷ درج ذیل ہے۔

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ. ھود ۷

اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا اور (اس وقت) اس کا عرش پانی پر تھا۔ فتح محمد جالندھری

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا جبکہ اس سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا۔ ابوالاعلیٰ مودودی

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ احمد رضا خان بریلوی

آپ نے دیکھا اس آیت کے تینوں تراجم کے نام پر شیاطین کے کلام میں ایک ہی بات کی گئی کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں بنایا یا پیدا کیا اور اس سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا۔ یعنی ان کے مطابق آسمانوں وزمین کی تخلیق سے پہلے ہی پانی موجود تھا نہ صرف پانی موجود تھا بلکہ تب اللہ کا عرش جو کہ ان کے مطابق تخت جس پر ان کا اللہ بیٹھا ہوا تھا پانی پر تھا اور پھر جب آسمانوں وزمین کو پیدا کر لیا تو اپنا عرش پانی سے اٹھا کر آسمانوں پر لے گیا۔

اگر ان کی بات کو ایک لمحے کے لیے مان بھی لیا جائے تو بہت سے ایسے سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کا کوئی جواب ہے ہی نہیں جیسا کہ مثلاً پھر وہی بات کہ اللہ کی بجائے تو پانی اکبر ثابت ہو جاتا ہے جس پر تخت موجود تھا پھر دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا آیت میں واقعتاً ماضی کی بات کی گئی؟ کہ اللہ کا عرش پانی پر تھا؟ کیونکہ محمد

علیہ السلام کے بعثت سے پہلے ہی یہ عقیدہ ونظریہ پایا جاتا تھا کہ اللہ کا عرش پہلے پانی پر تھا جو کہ یہودیوں وعیسائیوں کا متفقہ عقیدہ تھا اب اگر قرآن بھی وہی بات کرتا ہے تو پھر ظاہر ہے قرآن اپنے ہی دعوے میں جھوٹا ثابت ہو جاتا ہے ایک طرف قرآن یہ کہتا ہے کہ رسول بعث ہی تب کیا جاتا ہے جب نور کی ایک کرن بھی نہیں ہوتی لوگ سو فیصد گمراہیوں میں ہوتے ہیں اور دوسری طرف اتنے اہم موضوع پر نہ صرف حق موجود تھا بلکہ یہودی ہوں یا عیسائی سب کا ماننا بھی تھا۔
ایک طرف قرآن کہتا ہے کہ رسول جب بعث ہوتا ہے تو وہ صرف اور صرف اسی موضوع یا مسئلے پر لب کشائی کرتا ہے جس میں اس سے پہلے اختلاف کیا جا رہا ہوتا ہے لوگ فرقوں میں تقسیم ہوتے ہیں ہر فرقے کا دعویٰ ہوتا ہے کہ وہی حق پر ہے اور دوسرے باطل حالانکہ سب کے سب ہی باطل پر ہوتے ہیں اور رسول آ کر حق کھول کھول کر واضح کرتا ہے جس میں اختلاف میں پڑے ہوئے تھے یا پھر اگر سب کے ہاں متفقہ بات پائی جاتی ہے جسے حق سمجھ رہے ہوتے ہیں لیکن وہ حق نہیں باطل ہوتا ہے یوں رسول اس پر لب کشائی کرتا ہے۔ تو پھر ایسا کیسے ممکن ہے کہ قرآن اپنے ہی دعوے کے برعکس کرے؟
قرآن کے نزول سے پہلے یہ عقیدہ ونظریہ پایا جاتا تھا کہ اللہ کا عرش پانی پر تھا اور اللہ نے اس عقیدے ونظریے کو غلط ثابت کرتے ہوئے اس کے بالکل برعکس حق بیان کیا نہ کہ اللہ نے یہ کہا کہ عرش پہلے پانی پر تھا۔
اور پھر اگر یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ پانی تو بعد میں وجود میں آیا پہلے پانی کا تو کوئی وجود ہی نہ تھا تو یوں بھی یہ عقیدہ ونظریہ بے بنیاد و باطل ثابت ہو جاتا ہے جو آج تک اللہ پر افتراء کیا جاتا رہا۔

اب آتے ہیں حقیقت کی طرف اور آج تک جو دجل ودھوکے کا شکار کیا جاتا رہا ان دین کے ٹھیکیداروں کے اس دجل وفریب کو چاک کر کے اس کی حقیقت آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔
اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى. طٰہٰ ۵
وہ رحمان (کائنات کے) تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہے۔ ابوالاعلیٰ مودودی
(یعنی خدائے) رحمٰن جس نے عرش پر قرار پکڑا۔ فتح محمد جالندھری
آیت اور تراجم آپ کے سامنے ہیں ان تراجم میں الرحمٰن کا ترجمہ نہیں کیا گیا نہ ہی معنی بیان کیا گیا کہ آخر الرحمٰن کے معنی کیا ہیں؟ کیوں کہ الرحمٰن تو اللہ کا اسم ہے۔ پھر عرش کا معنی تخت اور استویٰ کا معنی جلوا فرما اور قرار پکڑنا یعنی جو ٹھہرنا کیا۔
اگر عرش کا معنی تخت ہی ہے تو انہیں قرآن میں تمام کے تمام مقامات پر عرش کا معنی تخت ہی کرنا پڑے گا ایسے ہی اگر استویٰ کا معنی جلوا فرما ہونا یا قرار پکڑنا ہے تو پورے قرآن میں جہاں جہاں بھی اس لفظ کا استعمال کیا گیا وہاں انہیں یہی معنی کرنا ہوگا اگر تو قرآن اس معنی کی تصدیق کرتا ہے اسے قبول کرتا ہے یعنی تمام مقامات پر اس معنی کو قبول کرتا ہے تو بلاشک وشبہ استویٰ کا یہی معنی ہے اور اگر قرآن اس معنی کو قبول نہیں کرتا تو پھر انہیں کس نے یہ حق دیا کہ یہ اپنے آباؤ اجداد سے منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد ونظریات کو ہی قرآن پر چسپاں کریں؟
قرآن کی کچھ آیات جن میں اسی لفظ جو کہ جملہ ہے کا استعمال ہوا نہ صرف انہیں آپ کے سامنے رکھتے ہیں بلکہ انہی لوگوں کے تراجم بھی آپ کے سامنے رکھتے ہیں تاکہ آپ خود اپنی آنکھوں سے ان کے دجل وفریب کو دیکھ سکیں۔
هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَ لَكُمۡ مَّا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا ج ثُمَّ اسۡتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ. البقرة ۲۹

وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لیے پیدا کیں پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا۔ فتح محمد جالندھری
وہی ہے جس نے تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔ پھر آسمان کی طرف استوا (قصد) فرمایا۔ احمد رضا خان بریلوی
وہی تو ہے، جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں، پھر اوپر کی طرف توجہ فرمائی۔ ابوالاعلیٰ مودودی
آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اس آیت میں بھی وہی لفظ استعمال ہوا ہے لیکن یہاں اس کا ترجمہ یا معنی جلوہ فرما یا قرار پکڑا نہیں کیا بلکہ یہاں اس کے بالکل برعکس ''متوجہ ہوا'' ''قصد فرمایا'' اور قصد کے معنی ہیں اپنا کام کرنے کے لیے اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے کسی کے پیچھے پڑ جانا کہ کام کر کے ہی

رہنا اپنا مقصد پورا کر کے ہی رہنا اور ''توجہ فرمائی'' ترجمہ کیا گیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر استویٰ کے معنی جلوہ فرمانا یا قرار پکڑنا ہوتا ہے یعنی کہیں جا ٹھہرنا ہوتا ہے تو پھر یہاں معنی کیوں بدل گئے؟

پھر اگلی آیت میں دیکھیں۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسۡتَوٰۤى. القصص ۱۴

اور جب موسیٰ جوانی کو پہنچے اور بھرپور (جوان) ہو گئے۔ فتح محمد جالندھری

اور جب اپنی جوانی کو پہنچا اور پورے زور پر آیا۔ احمد رضا خان بریلوی

پھر جب موسیٰ علیہ السلام اپنی پوری جوانی کو پہنچ گیا اور اس کا نشو ونما مکمل ہو گیا۔ ابوالاعلیٰ مودودی

اب آپ اس آیت میں بالکل عین اسی لفظ کے معنی دیکھ سکتے ہیں کہ کیا کیے گئے ''بھرپور جوان ہونا'' ''پورے زور پر آنا'' ''نشو نما مکمل ہونا''۔ اس آیت کے تراجم آپ کی آنکھوں کے سامنے ہیں اور آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ یہاں جو ترجمہ و معنی کیے گئے وہ پہلے دونوں مقامات سے بالکل مختلف کیے گئے جو کہ ان کے دجل وفریب کو چاک کر کے رکھ دیتے ہیں۔

پھر اگلی آیت میں دیکھیں۔

فَاسۡتَوٰى عَلٰى سُوۡقِهٖ. الفتح ۲۹

اور پھر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی ۔ فتح محمد جالندھری

پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی ۔ احمد رضا خان بریلوی

پھر اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی۔ ابوالاعلیٰ مودودی

اب اس آیت میں تینوں مترجمین نے استویٰ کا ترجمہ ''سیدھا کھڑا ہونا'' کر دیا۔ اب آپ سے ہی سوال ہے کہ کیا یہی ترجمہ و معنی اس آیت میں کیا جا سکتا ہے یا باقی آیات میں کیا جا سکتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر یہاں کیوں کر دیا گیا؟ اور کیا وہ ترجمہ جو وہاں اس آیت میں کیا گیا وہ یہاں اس آیت میں یا باقی آیات میں کیا جا سکتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر وہاں وہ کیسے کر دیا گیا؟

پھر اگلی آیت میں دیکھیں۔

ذُوۡ مِرَّةٍ فَاسۡتَوٰى. النجم ۶

(یعنی جبرائیل) طاقتور نے پھر وہ پورے نظر آئے ۔ فتح محمد جالندھری

پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا۔ احمد رضا خان بریلوی

جو بڑا صاحب حکمت ہے۔ ابوالاعلیٰ مودودی

اب اس آیت میں اسی لفظ کے ساتھ جو کیا گیا آپ جان کر چونک جائیں گے فتح محمد جالندھری نے ترجمہ کیا ''پورا نظر آنا'' احمد رضا خان بریلوی نے ترجمہ کیا ''قصد فرمانا'' اور ابوالاعلیٰ مودودی تو پورا لفظ جو کہ اپنے آپ میں جملہ ہے اسے کھا ہی گئے اسے غائب ہی کر دیا گویا کہ اللہ سے غلطی ہو گئی اور ابوالاعلیٰ مودودی کو وحی کی کہ میں یہ غلطی کر بیٹھا ہوں ذرا اسے سدھار دینا یعنی اس سے بڑا بہتان اللہ پر ہو سکتا ہے؟ جب ایسا کیا ہی ہے اور اگر مان لیا جائے کہ غلطی ہو گئی تو کیا اس شخص نے اپنی موت تک اپنی اس غلطی کو تسلیم کیا؟ یا پھر قرآن کیساتھ کھلواڑ کر کے ایسے بھول گیا جیسے کہ کچھ کیا ہی نہ ہو؟ اور باقی مترجمین کے تراجم کو بھی دیکھ لیں کہ نہ تو تینوں مترجمین کے اس آیت کے تراجم کا آپس میں کوئی تعلق ہے اور نہ ہی ان کے اپنے ہی معنوں سے کوئی تعلق ہے جو گزشتہ آیات میں اسی لفظ کے تراجم و معنی کر چکے ہیں۔ اب آپ سے سوال ہے اور ایسے تمام کے تمام قرآن کے ترجمان ہونے کے دعویداروں کے پیچھے چلنے والوں سے سوال ہے کہ ان کے کون سے ترجمے کو ٹھیک قرار دیا جائے اور کون سے کو غلط؟

اگر ان میں سے کسی کو بھی ٹھیک قرار دیا جاتا ہے تو اس کی بنیاد کیا ہو گی اور جنہیں غلط قرار دیا جاتا ہے تو انہیں کس بنیاد پر غلط قرار دیا جائے؟

اور پھر ان لوگوں سے بھی سوال ہے جو اپنی زبانوں سے بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں جن کا کہنا ہے کہ تمام کے تمام تراجم میں صرف الفاظ کے چناؤ کا فرق ہے باقی معنی ومطلب سب کا ایک ہی ہے اگر تم لوگ اپنے اس دعوے میں سچے ہوتو آؤ اب ان آیات کے تراجم سے ایک ہی معنی ومطلب ثابت کر کے دکھاؤ؟ ایک ہی پیغام ثابت کر کے دکھاؤ؟

اور پھر اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ تمام کے تمام تراجم ہی ٹھیک ہیں جہاں جہاں جو جو ترجمہ کیا گیا بے شک اختلاف ہے مگر ترجمہ ٹھیک ہے یہ اللہ ہی کا کلام ہے تو پھر ایسوں کے لیے اللہ نے اسی قرآن میں ہی بالکل کھول کر واضح کر دیا کہ یہ اللہ کا کلام ہو ہی نہیں سکتا نہ اللہ کا کلام ہے بلکہ یہ اللہ کے دشمنوں شیاطین مجرمین کا کلام ہے جن کا اللہ کے کلام کیساتھ کوئی تعلق نہیں۔

اَفَلاَ يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا. النساء ۸۲

کیا پس نہیں تدبر کر رہے القرآن اور اگر تھا کسی اور کے ہاں سے اللہ کے علاوہ تو اس کے لیے تھا کہ تم پاتے اس میں کثیر اختلاف یعنی ایک مقام پر کچھ کہا جا رہا ہے اور دوسرے مقام پر کچھ اور کہا جا رہا ہے۔

اس آیت میں اللہ نے بالکل دوٹوک الفاظ میں یہ بات بالکل کھول کر واضح کر دی کہ جس میں چھوٹے سے چھوٹا اختلاف بھی نہ ہو وہ قرآن اللہ کے ہاں سے ہے اور جو اللہ کے ہاں سے نہیں بلکہ غیر اللہ کے ہاں سے ہے اس میں تمہیں بہت زیادہ اختلاف ملے گا۔ اب آپ خود غور کریں کہ کس قرآن کی بات ہو رہی ہے جس کے بارے میں اللہ کہہ رہا ہے کہ جس میں چھوٹے سے چھوٹا اختلاف بھی نہیں وہ اللہ کے ہاں سے ہے وہ اللہ کا اتارا ہوا ہے اور جو اللہ کا اتارا ہوا نہیں جو اللہ کے ہاں سے نہیں اس میں تمہیں اختلاف کثیر ملے گا اس میں تم اختلاف کثیر پاؤ گے؟

ذرا غور کریں کتنے قرآن موجود ہیں؟ کیا بظاہر ایک ہی قرآن موجود نہیں لیکن ایک ہونے کے باوجود ایک نہیں ہے جنہیں آپ تراجم وتفاسیر کہتے ہیں وہ کیا ہیں؟ جب آپ اردو میں یا دنیا کی کسی بھی زبان میں کسی آیت کا ترجمہ پیش کرتے ہیں تو کیا اس کو قرآن کی آیت نہیں قرار دیتے کہ اللہ قرآن کی فلاں آیت میں یہ کہہ رہا ہے؟

تو پھر اور کون سے قرآن ہیں؟ کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ جو عربی متن میں ہے عین وہی تراجم میں ہے رائی برابر بھی کوئی کمی وزیادتی نہیں؟ حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی ایک بھی ترجمہ ایسا نہیں ہے جو قرآن کا ترجمان ہونے کی بجائے قرآن کی ضد نہ ہو، تمام کے تمام تراجم قرآن کی ضد ہیں بالکل ایسے ہی ہے جیسے کہ اوپر عربی متن میں اللہ کا کلام ہے اور نیچے تراجم کی صورت میں شیاطین کا کلام اور اب تو آپ کے سامنے ہیں مختلف تراجم تو بہت دور کی بات ایک ہی مترجم کے ترجمے میں اختلاف کثیر موجود ہے۔

جب اختلاف کثیر موجود ہے جو کہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں تو پھر کیا یہ تراجم کی صورت میں جتنے بھی قرآن ہیں یہ اللہ کے ہاں سے ہوئے یا پھر غیر اللہ کی ہاں سے؟ جب اختلاف کثیر ثابت ہو چکا ہے تو پھر یہ اللہ کا کلام نہیں اللہ کے ہاں سے نہیں بلکہ اللہ کے دشمن شیاطین کا کلام ہے یہ شیاطین کے ہاں سے ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اس بات کو غلط ثابت نہیں کر سکتی خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔

یہ تو محض چند آیات ہیں ان کے علاوہ پورے قرآن میں کوئی ایک بھی آیت ایسی نہیں جس کا ترجمے کیساتھ کوئی تعلق ہو بلکہ ایک ایک آیت کا ترجمہ اس کی ضد ہے۔

پھر ایک اور پہلو سے ان کا دجل وفریب آپ پر واضح کرتے ہیں۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى. طٰهٰ ۵

وہ رحمان (کائنات کے) تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہے۔ ابوالاعلیٰ مودودی

(یعنی خدائے) رحمٰن جس نے عرش پر قرار پکڑا۔ فتح محمد جالندھری

اس ایک آیت کو پیش کرتے ہوئے تو کہا جاتا ہے کہ عرش پر استویٰ ہوا لیکن اس کے علاوہ بھی قرآن میں آیات ہیں جیسا کہ قرآن میں چھ مقامات پر درج ذیل

آیت آئی ہے۔

ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ. الاعراف ۵۴، یونس ۳، الرعد ۲، الفرقان ۵۹، السجدۃ ۴، الحدید ۴

اس آیت میں آپ دیکھ سکتے ہیں اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡش سے پہلے ثُمَّ کے الفاظ کا استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں مابعد یعنی پہلے کچھ کیا اس کے بعد پھر کیا۔ تو قرآن میں چھ مقامات پر جو کہا گیا کہ ''پھر استویٰ العرش ہوا'' یہ ان لوگوں کو نظر نہ آیا؟ اور نہ ہی کبھی اس پر بات کی جو کہ بہت بڑا سوال پیدا ہوتا ہے کہ العرش پر استویٰ ہونے سے پہلے بھی وہ استویٰ تھا تو العرش پر استویٰ ہونے سے پہلے کہاں استویٰ تھا جو پھر استویٰ ہوا العرش پر؟ ان لوگوں کو علم تھا کہ ان آیات میں سے اگر کوئی ایک آیت بھی سامنے لائی گئی اسے اپنے آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقیدے و نظریے کے لیے بطور دلیل پیش کیا تو یہ بہت بڑا سوال سامنے آجائے گا جس کا ان کے پاس جواب نہیں ہوگا اس لیے ان لوگوں نے اس آیت کو بطور دلیل استعمال کرنے کی بجائے صرف اس ایک آیت پر ہی اکتفاء کیا ورنہ تو یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ان کی تائید میں کہیں ایک سے زیادہ بار بات آئے تو یہ شور مچا دیتے ہیں لیکن یہاں یہ لوگ چھ آیات کو بھول گئے صرف ایک ہی انہیں نظر آئی۔

اب آپ سے بھی سوال ہے اور اس عقیدے و نظریے کے حامل تمام کے تمام لوگوں سے سوال ہے کہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡش العرش پر استویٰ ہونے سے پہلے بھی وہ کہیں استویٰ تھا تو العرش سے پہلے وہ کہاں استویٰ تھا اور پھر اگر استویٰ کے معنی جلوہ فرمانا یا قرار پکڑنا ہیں تو کیا وہاں بھی یہ معنی لیے جا سکتے ہیں؟

اب جب قرآن سے ہی سوال کیا جائے کہ العرش پر استویٰ سے پہلے کہاں استویٰ تھا تو قرآن کیا جواب دیتا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَهُمَا فِیۡ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡش. السجدۃ ۴

اس آیت میں بالکل کھلم کھلا واضح ہے کہ استویٰ علی العرش سے پہلے اس نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے انہیں خلق کیا تو پھر ظاہر ہے **استویٰ علی العرش** سے پہلے **استویٰ الی السماوات والارض وما بینهما** تھا

یعنی اگر کل وجود کی بات کی جائے تو ترتیب یہ بنے گی **استوی الی السماء ثم استویٰ الی الارض ثم استویٰ الی بینهما ثم استویٰ علی العرش.** اور اگر بات کی جائے اس زمین جس پر آپ رہتے ہیں اس کی اور اس کے گرد گیسوں کی سات تہیں جو کہ زمین کے سات آسمان سات طبقات ہیں تو پھر ترتیب یوں بنے گی **ثم استویٰ الی الارض خلق الارض ثم استویٰ الی السماء خلق السماوات ثم استویٰ علی العرش.**

اور پھر دیکھیں یہی بات قرآن میں بھی بیان کر دی گئی جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے۔

هُوَالَّذِیۡ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ. البقرۃ ۲۹

اس آیت میں واضح کر دیا گیا کہ **استویٰ علی العرش** سے پہلے استویٰ ہوا آسمان کی طرف جو کہ ایک آسمان تھا اور استویٰ ہونے کے بعد انہیں سات آسمان کر دیا بنا دیا۔ آیت میں آیا ہے **ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ** پھر استویٰ ہوا آسمان کی طرف یعنی آسمان کی طرف استویٰ ہونے سے پہلے بھی کہیں استویٰ تھا اور کہاں تھا اس کا جواب بھی اسی آیت میں پیچھے موجود ہے **هُوَالَّذِیۡ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا** یعنی **استویٰ الی السماء** سے قبل **استویٰ الی الارض** تھا یوں اس آیت میں یہ ترتیب سامنے لائی گئی **ثم استویٰ الی الارض خلق الارض ثم استویٰ الی السماء خلق السماوات ثم استویٰ علی العرش.**

اب آپ سے سوال کرتے ہیں اور ان تمام لوگوں سے بھی سوال ہیں جنہوں نے ایسے تراجم و تفاسیر کیے جو اس عقیدے و نظریے کے حامل ہیں کہ اگر **ثم استویٰ علی العرش** کے معنی یہ ہے کہ پھر تخت پر جلوہ فرما ہوا، قرار پکڑا یعنی جا ٹھہرا، متمکن ہوا تو پھر **ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ** کے معنی کیا کیے جائیں گے؟ کیا یہاں وہی معنی کیے جانے ممکن ہیں؟ اگر نہیں جو کہ کسی بھی صورت ممکن نہیں تو پھر آپ کو کس نے اختیار دیا کہ آپ اتنا بڑا دجل و فریب کریں؟ آپ نے یہ تراجم و معنی کہاں سے گھڑ لیے؟ کیا ہر لحاظ سے یہ بات ثابت نہیں ہو جاتی کہ ان لوگوں نے تراجم و تفاسیر کے نام پر نہ صرف اللہ سے دشمنی کرتے ہوئے قرآن کیساتھ کھلواڑ کیا، دجل و فریب سے کام لیا، بلکہ اپنے مشرک آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کو ہی سچا ثابت

کرنے کے لیے قرآن کو من پسند تراجم ومعنی پہنائے جن کا قرآن کیساتھ دور دور تک کوئی تعلق نہیں بلکہ الٹاان کے تمام کے تمام تراجم ومعنی اور تفاسیر قرآن کی ضد ہیں شیاطین کا کلام ہے جس سے انہوں نے انسانوں کو نہ صرف گمراہ کیا ضلالٍ مبینٍ یعنی سو فیصد گمراہیوں میں دھکیل دیا بلکہ ان کی ذلت ورسوائی کا بھی سبب بنے آج دنیا کی جو حالت ہے انہی کے ان کرتوتوں کے سبب ہے۔

یہاں تک ان لوگوں کی جڑیں ہی کاٹ کر رکھ دی گئیں ان مشرکین کے مشرک آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد ونظریات کو بنیادوں سے ہی اکھاڑ کر رکھ دیا اور دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہیں جو اس حق کو غلط ثابت کر سکے یا اس کا انکار کر سکے، ہر کوئی جان لے یہ حق ہے اور حق کو حق حاصل ہے کہ اسے مانا جائے حق خود کو منوا کر ہی رہتا ہے اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ اپنے دل سے اپنی مرضی سے مانتے ہوئے نہ صرف دنیا بلکہ آخرت میں بھی فلاح کا سودا کریں ورنہ جب زبان اپنا کام مکمل کر چکے گی تو ہاتھ حرکت میں آئیں گے اور جب ہاتھ حرکت میں آئیں گے تو آپ کو ماننا ہی پڑے گا لیکن وہ ماننا آل فرعون اور جو ان سے پہلے تھے ان کے ماننے کی مثل ہوگا۔

اب آپ پر واضح کرتے ہیں کہ استویٰ کے معنی کیا ہیں **ثم استویٰ الی الارض ثم استویٰ الی السماء ثم استویٰ علی العرش** کیا ہے؟ آخر حق کیا ہے؟ اس کے علاوہ جو آج تک کہا جاتا رہا کہ اللہ کا عرش آسمانوں وزمین کی تخلیق سے پہلے پانی پر تھا اس حق کو بھی کھول کر آپ پر واضح کرتے ہیں سب سے پہلے جان لیں کہ استویٰ کے معنی کیا ہیں۔ استویٰ ''سَوَ'' سے ہے جس کے معنی ہیں کرنا یعنی کوئی کام وغیرہ کرنا اور استویٰ کے معنی ہیں کیا ہے جو کام کرنا ہے یا کیا ہے جو کام کیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا گارنٹی ہے یہ معنی درست ہیں؟ تو اس کا جواب بہت ہی آسان ہے قرآن میں ہی اللہ نے حق کی پہچان کا بہترین طریقہ بیان کر دیا کہ کوئی بھی بات کرتا ہے تو اس کی بات کو قرآن پر پیش کیا جائے اگر تو قرآن میں اس کی تصدیق موجود ہے تو وہ حق ہے اور اگر قرآن اس کی تصدیق نہیں کرتا تو وہ حق نہیں بلکہ باطل ہے۔

تو ایسا کرتے ہیں کہ اس معنی کو قرآن پر پیش کرتے ہیں اور پھر دیکھتے ہیں کہ آیا قرآن اس معنی کو قبول کرتے ہوئے تصدیق کرتا ہے یا پھر اس معنی کو رد کرتے ہوئے تصدیق کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔

تو قرآن میں جہاں جہاں بھی یہ لفظ استعمال ہوا اگر آپ ان تمام مقامات پر ان معنوں کو پیش کریں تو قرآن میں کوئی بھی مقام ایسا نہیں ہے کہ جو ان معنوں کو قبول نہ کرے بلکہ تمام کے تمام مقامات اس معنی کو قبول کرتے ہوئے تصدیق کر دیں گے کہ یہی حق ہے جیسا کہ درج ذیل آیات میں آپ دیکھ سکتے۔

هُوَالَّذِیۡ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ. البقرة ۲۹

هُـوَ جو بھی موجود ہے جو اپنا وجود رکھتا ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے تو نہ صرف ایک ہی وجود سامنے آئے گا اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں بلکہ الَّذِیۡ یہی وجود ہے وہ ذات ہے خَلَقَ لَکُمۡ خلق کیا تم ہی کو مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ارض میں یعنی زمین میں جو ہے وہ سب باقاعدہ پوری ترتیب میں ہے ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ پھر استویٰ ہوا آسمان کی طرف یعنی زمین میں جو کچھ بھی ہے اسے تم ہی کو خلق کرنے کے بعد کیا تھا جو کرنا تھا؟ کیا تھا جو کیا؟ ایک آسمان تھا اسے کرنے کے لیے جو کیا فَسَوّٰىهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰت پس انہیں سات آسمان کر دیا۔

اس آیت میں نہ صرف اللہ کی ذات کیا ہے کھول کر واضح کر دیا کہ ھُوَ یعنی جو کچھ بھی اپنا وجود رکھتا ہے یہ اللہ ہی کی ذات ہے اللہ ہی کا وجود ہے بلکہ استویٰ کے معنی کیا ہیں وہ بھی بالکل کھل کر واضح ہو جاتے ہیں کہ پہلے زمین میں جو کچھ ہے اسے خلق کیا اور جب زمین میں وہ سب خلق کر لیا تو پھر زمین کے گرد گیسوں کے مرکب کی ایک ہی تہہ تھی جو کہ ایک آسمان تھا تو اس آسمان کو جب کرنا شروع کیا اسے کیا تو پس سات آسمان کر دیا یوں استویٰ کے معنی بالکل کھل کر واضح ہو جاتے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَهَا ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ کُلٌّ یَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی. الرعد ۲

اَللّٰہُ اللہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کیا ہے تو آگے اسی سوال کا جواب موجود ہے اَلَّذِیۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ بلند ہیں آسمان کسی ایک بھی ستون کہ یہ ذات ہے اللہ تَـرَوۡنَهَـا ہمیں دیکھ رہے ہو یہ جو آسمانوں کو بغیر کسی ایک بھی ستون کے بلند دیکھ رہے ہو۔ یعنی یہ جو تم آسمانوں کو بغیر کسی ایک بھی ستون کے بلند دیکھ رہے ہو یہ اللہ ہی کی ذات ہے جسے دیکھ رہے ہو تو غور کرو آسمان کیسے بغیر کسی ایک بھی ستون کے بلند ہیں؟ کیسے بغیر کسی ایک بھی ستون کے بلند ہوئے؟ کیا کوئی باہر سے آیا جس نے ان کو آ کر بلند کیا بغیر کسی ایک بھی ستون کے؟ کیا کوئی باہر سے آ کر آسمانوں کو تھامے ہوئے ہے؟ غور کرو کیا آسمانوں کو بغیر کسی ایک بھی ستون کے رفع کرنے والی ذات یہی وجود ہی نہیں ہے جس میں بذات خود آسمان بھی آتے ہیں؟ یہی ذات ہے یہ تم اللہ ہی کی ذات کو دیکھ رہے ہو جو تم آسمانوں کو بغیر کسی ایک بھی ستون کے بلند دیکھ رہے ہو ثُـمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ یہی وجود ہے یعنی یہی ذات ہے جو کچھ بھی موجود ہے جب اس وجود نے آسمانوں کو بغیر کسی ایک بھی ستون کے رفع کیا تو پھر استویٰ ہوا العرش پر۔

عرش کے معنی ہیں نظام چلانا، مثلاً اگر آپ کوئی مشین بناتے ہیں تو بنانے کے بعد آپ کیا کریں گے؟ ظاہر ہے بنانے کے بعد اسے چلایا جائے گا تو مشین کے چلانے کو اس کا نظام چلانے کو عرش کہتے ہیں ثُـمَّ اسۡتَـوٰی عَـلَـی الۡعَرۡشِ یعنی آسمانوں کو بغیر کسی ایک بھی ستون کے بلند کرنے کے بعد آسمانوں وزمین یعنی زمین اور اس کے گرد گیسوں کی سات تہوں پر مشتمل آسمانوں کا نظام چلانے پر معمور ہوا اور پھر کون ہے جو نظام چلانے پر معمور ہے آگے مزید اسے بھی کھول کر واضح کر دیا کہ یہی ذات ہی ہے جو کہ ایک ہی ذات ہے اس کے علاوہ کسی اور کا وجود ہے ہی نہیں وَسَـخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجۡرِىۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى اور سورج اور چاند اپنے اپنے کام پر لگے ہوئے ہیں تمام کے تمام یعنی تمام کے تمام ستارے و سیارے بہہ رہے ہیں جو جوان کے خاتمے کا وقت ہے تب تک کے لیے جس سے زمین کا نظام چل رہا ہے

آپ آسمانوں وزمین کی خلق میں غور وفکر کریں گے تو آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ ان کو خلق کرنے والا کوئی باہر سے نہیں آیا بلکہ یہی وجود ہے جسے آپ کائنات کہتے ہیں اسی نے آسمانوں وزمین کو وجود دیا اور یہی وجود ہی ہے جو انہیں وجود میں لانے کے بعد ان کا نظام چلانے پر معمور ہے یعنی مخلوقات ہی ہیں جو نظام چلانے پر معمور ہیں نہ کہ کوئی ایسا اللہ اپنا وجود رکھتا ہے جو کائنات سے الگ اوپر آسمانوں پر موجود ہے۔

حق ہر لحاظ سے آپ پر کھول کھول کر واضح کر دیا گیا اور آج تک اللہ کے عرش پر استویٰ ہونے سے مراد جو لیا جاتا رہا اور اس بنیاد پر جو دھوکہ دیا جاتا رہا وہ بھی چاک کر کے رکھ دیا گیا۔ عرش کوئی تخت نہیں ہے جو کہ اوپر آسمانوں پر موجود ہے جس پر اللہ بیٹھا ہے بلکہ عرش تو کہتے ہیں نظام چلانے کو اور آسمانوں وزمین کا نظام چلانے پر جو معمور ہے جو آسمانوں وزمین کا نظام چلا رہا ہے وہ ہی ذات ہے جس کا وجود آپ کو ہر طرف نظر آ رہا ہے جنہیں آپ مخلوقات کا نام دیتے
کائنات کا نام دیتے ہیں۔

سورج اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو پورا کر رہا ہے، چاند اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو پورا کر رہا ہے، فضا اپنی
ہے، سمندر اپنی ذمہ داری پوری کر رہے ہیں ایسے ہی تمام کی تمام مخلوقات اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی اپنی ذمہ داری کو پورا
وزمین کا نظام چل رہا ہے یوں کھل کر واضح ہو جاتا ہے کہ یہی وجود ہی ہے جو کہ اللہ ہے اس کے علاوہ کوئی اور ہے ہی نہیں
وہ بھی خود ہی ہے اور جس سے خلق کیا جا رہا ہے وہ بھی خود ہی ہے کوئی دوسرا ہے ہی نہیں، اور یہ وجود خود ہی نظام چلا

اب ان کے اس دجل وفریب کو بھی بالکل چاک کر کے رکھتے ہیں جو آج تک کہا جاتا رہا

خواہشات کواللہ بنائے ہوئے ہیں، اپنے اپنے فرقے کوحق قرار دیتے ہوئے اسی کی طرف دعوت دینے میں رات دن ایک کیے ہوئے ہیں حالانکہ اگر ان سے کوئی سوال کیا جائے تو بجائے یہ کہ اس سوال کا علم کی روشنی میں جواب دیں بلکہ منافق کی طرح گالم گلوچ اور جھگڑا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ تھا عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں حق اب جس کا جی چاہے وہ اسے تسلیم کرے اور جس کا جی چاہے اس کا کفر کرے لیکن کفر کرنے والا جان لے کہ وہ مانے گا لیکن تب اسے ماننا کوئی نفع نہیں دے گا بلکہ تب اس کا ماننا آل فرعون اور جو ان سے پہلے ہلاک کر دیئے گئے ان کے ماننے کی ہی مثل ہوگا۔ آج تمہاری صلیب توڑ کر رکھ دی گئی اور حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیا گیا۔

عقیدہ ختم نبوت نامی بت اور احمد عیسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد رسول اللہ وخاتم النبیّن اور عقیدہ ختم نبوت

کیا محمد علیہ السلام آخری رسول و نبی تھے؟ کیا ان پر رسالت و نبوت ختم ہو چکی؟

خود کو مسلمان کہلوانے والوں کی اکثریت کا یہ عقیدہ ہے کہ محمد علیہ السلام اللہ کے آخری رسول و نبی تھے ان کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں محمد علیہ السلام پر رسالت و نبوت کا دروازہ بند ہو چکا۔ اگر محمد علیہ السلام کے بعد کوئی بھی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ نبی یا رسول ہے تو ایسا شخص مرتد اور گستاخ رسول ہے اس کے لیے کسی بھی قسم کی کوئی نرمی و معافی نہیں ایسے شخص کی سزا صرف اور صرف موت ہے۔

عقیدہ لفظ کے معنی ہیں کہ ایک بات جسے آپ نے سچ مان لیا اس کو اپنے دماغ میں ڈال کر دماغ کے دروازوں جن کے ذریعے دماغ میں کوئی بات داخل کی جاتی ہے ان پر تالے لگا دینا کہ اب اس حوالے سے نہ ہی کوئی بات دماغ سے باہر لائی جائے گی اور نہ ہی کوئی اندر جانے دی جائے گی خواہ اس کے خلاف کتنے ہی دلائل سامنے کیوں نہ آ جائیں یہاں تک کہ اگر وہ بات غلط ہی ثابت کیوں نہ ہو جائے اس کے خلاف ایک حرف تک بھی سنا یا دیکھا نہیں جائے گا۔

اور مسلمان کہلوانے والوں کی اکثریت کے نزدیک محمد علیہ السلام آخری رسول و نبی ہیں انہوں نے اس بات کو اپنے دماغوں میں ڈال کر اس پر تالہ لگا دیا ہوا ہے۔

اس موضوع پر خواہ کوئی بھی بات ہو کوئی بھی دلیل ہو وہ سنی دیکھی نہیں جائے گی خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔

یہ ہے مسلمان کہلوانے والوں کے نزدیک عقیدہ ختم نبوت۔

آگے اس موضوع پر بات کرنے سے پہلے اس بات کو جاننا بہت ضروری ہے کہ کیا اللہ یا قرآن عقیدہ اخذ کرنے کی اجازت دیتا ہے؟ کیا دین الاسلام میں عقیدہ اخذ کرنے کی اجازت ہے؟

لفظ عقیدہ کی جمع عقائد ہے اور عقائد کے حامل لوگوں کو لسان العرب یعنی عربوں کی زبان میں اہل العقائد کہا جاتا ہے اور اہل العقائد ضد ہے اولی الالباب یا اولوالالباب کی۔ اگر کسی ذات، شئے، بات یا لفظ کی سمجھ نہ آئے یا اسے سمجھنے میں مشکل پیش آئے تو اس کی ضد کو سمجھ لینا چاہیے اگر اس کی ضد سمجھ آ جائے تو وہ ذات، شئے، بات یا لفظ خود بخود کھل کر واضح ہو جائے گا جسے سمجھنے میں رائی برابر بھی مشکل نہیں رہے گی۔ تو ہم ایسا کرتے ہیں کہ لفظ عقیدہ کی بجائے اس کی ضد اولی الالباب کو قرآن سے ہی آپ کے سامنے رکھتے ہیں اور کھول کر واضح کرتے ہیں۔

اولی الالباب۔ پہلے لفظ آتا ہے اولی جو کہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ ایک حرف پر مشتمل ہے ''الف'' اور دوسرا لفظ ''ولی'' ہے۔ جب بھی کسی لفظ کے شروع میں الف آ جائے جو کہ اس لفظ کے اصلی حروف میں سے نہ ہو تو الف اسے سوالیہ بنا دیتا ہے جسے ایک مثال سے سمجھ لیجیے۔

آپ دن میں کئی بار سنتے ہیں اور اپنی زبان سے بھی یہ الفاظ ادا کرتے ہیں ''اللہ اکبر''۔ اس کا ترجمہ کر دیا جاتا ہے اللہ بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے یا اللہ سب سے بڑا ہے لیکن یہ ترجمہ ٹھیک نہیں ہے۔

''اللہ اکبر'' میں نہ صرف یہ سوال ہے کہ اللہ کیا ہے بلکہ اس سوال کا جواب بھی موجود ہے۔

اللہ۔ اللہ کی ہ پر پیش ہے جو اسے حال کا صیغہ بنا دیتی ہے یوں اللہُ کے معنی بنتے ہیں اللہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کیا ہے؟ تو آگے اسی سوال کا جواب موجود ہے۔ اکبر۔ یہ بھی دو الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ ایک حرف ''الف'' اور دوسرا لفظ ''کبر'' ہے۔ ''کبر'' کی ضد ''صغر'' ہے جس کے معنی وجودی، صلاحیتوں وخصوصیات کے اعتبار سے چھوٹا ہونے کے ہیں اور کبر کے معنی وجودی، صلاحیتوں وخصوصیات کے اعتبار سے بڑا ہونے کے ہیں اور شروع میں الف اسے سوالیہ بنا دیتا ہے اکبر جس کے معنی بنیں گے کیا ہے بڑا؟ یعنی جو بڑا ثابت ہو جائے وہی اللہ ہے۔ مثلاً اگر کوئی کہتا ہے کہ فلاں اللہ ہے تو دیکھو

کیا وہ بڑا ہے؟ مثلاً اگر ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ ہے تو اس سے تو بڑا درخت ہے تو اس کا مطلب کیا درخت اللہ ہے؟ نہیں درختوں سے بڑے تو پہاڑ ہیں تو پھر کیا پہاڑ اللہ ہیں؟ نہیں پہاڑوں سے بڑا تو سمندر ہے تو کیا سمندر اللہ ہے؟ نہیں سمندروں سے بڑی تو زمین ہے تو کیا زمین اللہ ہے؟ نہیں زمین سے بڑا تو سورج ہے تو کیا سورج اللہ ہے؟ نہیں سورج سے بڑا تو نظام شمسی ہے تو کیا نظام شمسی اللہ ہے؟ نہیں نظام شمسی سے بڑی تو کہکشائیں ہیں تو کیا کہکشائیں اللہ ہے؟ نہیں کہکشاؤں سے بڑی تو کائنات دنیا ہے تو کیا کائنات دنیا اللہ ہے؟ نہیں کائنات دنیا سے بڑی تو دوسری کائنات یعنی دوسرا آسمان ہے کیا وہ اللہ ہے؟ نہیں اس سے بڑا تو تیسرا آسمان یعنی تیسری کائنات ہے تو کیا وہ اللہ ہے؟ نہیں بلکہ اس سے بڑی تو چوتھی کائنات یعنی چوتھا آسمان اس سے بڑا پانچواں اس سے بڑا چھٹا اس سے بڑا ساتواں ساتویں سے بڑا کُل کا کُل جو کچھ بھی ہے وہ بطور ایک وجود۔ یوں جو بڑا ثابت ہو جائے وہ اللہ ہے۔

آپ نے جان لیا کہ اللہ اکبر کے معنی کیا ہیں نہ صرف اس میں سوال ہے کہ اللہ ہے اور کیا ہے اللہ بلکہ اس سوال کا جواب بھی موجود ہے۔

اور آپ کو یہ بھی پتہ چل گیا کہ جب الف کسی لفظ کے شروع میں آتا ہے تو اسے سوالیہ بنا دیتا ہے اور اگلا لفظ اسی سوال کا جواب دیتا ہے بالکل اسی طرح اولی الالباب ہے اس میں نہ صرف سوال ہے کہ اولی الالباب کیا ہے کون ہیں بلکہ اس سوال کا جواب بھی موجود ہے۔

اگر الف کسی لفظ کے شروع میں آتا ہے تو اس کے کیا معنی بنیں گے یہ تو آپ نے جان لیا کہ وہ اسے سوالیہ بنا دیتا ہے۔

اگلا لفظ ہے ولی۔ اور ولی وَلَ سے ہے جس کے معنی ہیں اپنے مقصد، اپنے مشن، اپنے ٹارگٹ وغیرہ میں کسی کو اپنا معاونت کار بنانا۔ جس سے بھی کسی بھی سطح پر معاونت حاصل کی جائے گی اسے عربی میں ولی کہا جاتا ہے۔

''وَلَ'' کی ضد ''بَرَ'' ہے جسے عرف عام میں برأت کہتے ہیں مثلاً اگر کوئی آپ سے کسی بھی قسم کی معاونت طلب کرتا ہے تو آپ اس کی معاونت کرنے سے انکار کر دیتے ہیں کہ میرا تجھ سے کوئی تعلق نہیں یوں اگر آپ ''ولی'' کی ضد ''برا'' کو بھی جان لیتے ہیں تو لفظ ولی کے معنی آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو جاتے ہیں کہ ولی کے معنی ہیں جسے اپنے مقصد و مشن میں اپنا معاونت کار بنایا جائے۔

اب آتے ہیں پورے لفظ کی طرف۔ اولی جس کے معنی بنتے ہیں کیا ہے ولی یعنی کیا ہے وہ جسے اپنے مقصد میں اپنے مشن میں اپنا معاونت کار بنایا جانا ہے، بنایا جا سکتا ہے یا اولو کیا ہے جسے اپنے مقصد و مشن میں معاونت کار بنایا جا رہا ہے، اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لیے اپنے مشن کو پورا کرنے کے لیے اپنے مطلوب کے حصول کے لیے کس سے معاونت حاصل کی جا رہی ہے کسے معاونت کار یا سہولت کار بنایا جا رہا ہے۔ آگے اسی سوال کا جواب آ جاتا ہے۔

الباب۔ یہ بھی دو الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ ''ال'' اور دوسرا لفظ ''باب''۔ جب بھی کسی لفظ کے شروع میں ''ال'' کا استعمال ہوتا ہے تو ''ال'' مخصوص کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی مخصوص شئے کا ذکر کیا جا رہا ہے نہ کہ عام شئے کا۔ اور باب کہتے ہیں داخل ہونے اور نکلنے کے مقام کو، وہ مادی بھی ہو سکتا ہے، غیر مادی بھی اور شعوری بھی۔ کہاں مادی نکلنے اور داخل ہونے کے مقام کا ذکر ہے اور کہاں غیر مادی اور کہاں شعوری اس کا فیصلہ بات کا پس منظر کرتا ہے۔

باب کہتے ہیں دروازے یعنی نکلنے و داخل ہونے کے مقام کو، جو کہ بہت سے نکلنے و داخل ہونے کے مقامات ہیں یعنی دروازے ہیں تو آیا ان میں سے کن کا ذکر کیا جا رہا ہے تو لفظ کے شروع میں ال کے استعمال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں عام دروازوں یعنی داخلے وخروج کے مقامات کا ذکر نہیں کیا جا رہا بلکہ یہ خاص ایسے مقامات کا ذکر کیا جا رہا ہے، جتنے بھی ایسے مقامات ہیں ذرا غور کریں ان میں سے کون سے خاص ایسے مقامات ہیں اور انہیں آسانی سے سمجھنے کے لیے بات کا پس منظر یا سیاق وسباق بھی واضح کر دیتا ہے کہ آیا یہاں کن مخصوص باب کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ مثلاً اسے قرآن ہی کی آیات سے سمجھ لیتے ہیں۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ. آل عمران ۱۹۰

اس میں کچھ شک نہیں آسمانوں اور زمین کی خلق میں اور رات اور دن کے اختلاف میں کی آیات ہیں اولی الالباب کے لیے یعنی کس کی آیات ہیں؟ جو اولی الالباب ہیں ان پر واضح ہو جاتا ہے کہ آسمانوں و زمین کی خلق میں اور رات اور دن کے اختلاف میں کس کی آیات ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں آسمانوں اور زمین کی خلق میں اور رات اور دن کے اختلاف میں اللہ کی آیات ہیں ان کے لیے جو اولی الالباب ہیں۔

آیات جمع کا صیغہ ہے اور اس کا واحد ہے آیت ۔لفظ آیت ضد ہے بیّن کی اور بیّن کہتے ہیں کسی بھی بات، ذات یا کسی بھی شیئے کا ہر پہلو سے بالکل واضح ہونا کھلم کھلا ہونا اس کا انگ انگ واضح ہونا یعنی اس کا رائی برابر بھی کوئی پہلو چھپا ہوا نہ ہونا اور اس کے برعکس اس کی ضد آیت کے معنی ہیں کہ بات، ذات یا شیئے کا ہر لحاظ سے چھپا ہوا ہونا سوائے اس کے چھوٹے سے حصے یا پہلو کے جس میں غور کرنے یعنی جس کی گہرائی میں جانے سے اصل شیئے یا ذات جو کہ چھپادی گئی تھی وہ سامنے آجائے۔

اس آیت میں اللہ نے کہا کہ آسمانوں اور زمین کی خلق میں رات اور دن کا اختلاف اولی الالباب کے لیے آیات ہیں یعنی کہ یہ آسمانوں وزمین میں جو کچھ بھی نظر آرہا ہے جو نظر آرہا ہے حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ حقیقت چھپی ہوئی ہے جو تب ہی سامنے آسکتی ہے جب آپ ان میں غور کریں گے رات اور دن کا اختلاف جو کہ سورج کے گھومنے سے نظر آرہا ہے یہ اصل حقیقت نہیں ہے بلکہ اصل حقیقت اس کے پردے میں اس کے پیچھے چھپی ہوئی ہے یہ آیات ہیں نہ کہ بیّنات اور اس آیت میں یہ بات بھی کھلم کھلا موجود ہے کہ جو اولی الالباب نہیں ہیں ان کے لیے آیات نہیں ہیں یہ صرف اولی الالباب کے لیے آیات ہیں ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو اولی الالباب نہیں ہیں ان کے لیے آیات نہیں ہیں تو پھر ان کے لیے کیا ہیں؟ تو اس کا جواب بھی بالکل واضح ہے ان کے لیے آیات کی ضد بیّنات ہیں۔

جو اولی الالباب ہیں ان کا کہنا اور ان کا سمجھنا یہ ہے کہ جو وہ اپنی آنکھوں سے مناظر دیکھ رہے ہیں وہ دیکھ رہے ہیں کہ یہ سب مخلوقات ہیں لیکن اصل حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ یہ تو آیات ہیں اصل حقیقت کیا ہے وہ چھپی ہوئی ہے جب تک کہ ان میں غور نہیں کیا جاتا یعنی ان کے پیچھے پڑتے ہوئے ان کی گہرائی میں نہیں جایا جاتا تب تک اصل حقیقت سامنے نہیں آسکتی، رات اور دن کے بارے میں اصل حقائق یہ نہیں ہیں جو نظر آرہا ہے کہ زمین روٹی کی طرح گول اور چپٹی ہے زمین ساکت ہے اور سورج اس کے گرد گھوم رہا ہے جس سے رات اور دن آجا رہے ہیں بلکہ اصل حقائق کچھ اور ہیں جو کہ ان سے پیچھے پوشیدہ ہیں اور وہ اس وقت تک نہیں جانے جاسکتے اس وقت تک سامنے نہیں آسکتے جب تک کہ ان آیات میں غور وفکر نہیں کیا جاتا ان کی گہرائی میں جا کر نہیں جان نہیں لیا جاتا اور اولی الالباب کے برعکس جو اولی الالباب نہیں ہیں ان کا کہنا اور سمجھنا یہ ہے کہ رات اور دن کے اختلاف کے حوالے سے جو کچھ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں یہی کھلم کھلا حقیقت ہے اس کے خلاف وہ نہیں سوچتے نہ اس میں غور کرتے ہیں۔اسی طرح آسمانوں وزمین میں جو کچھ بھی ہے یہ اللہ کی آیات ہیں یعنی اصل حقیقت اللہ ہے جو چھپا ہوا ہے یہ اللہ کی آیات ہیں اس لیے اگر ان کیساتھ دشمنی کی جائے گی تو یہ ان مخلوقات کیساتھ دشمنی نہیں بلکہ اللہ کیساتھ دشمنی ہے تو جو اولی الالباب نہیں ہیں وہ اس بات کو ماننے کو تیار ہی نہیں ہیں کہ یہ اللہ کی آیات ہیں بلکہ ان کا کہنا ہے کہ یہ تو جو کچھ نظر آرہا ہے یہی حقیقت ہے یعنی یہ تو محض مخلوقات ہیں ان کیساتھ جو جی چاہے کرو یہ تو انسانوں کے لیے ہی بنائی گئی ہیں یہ اللہ کی آیات نہیں ہیں یعنی یہ جو کچھ بھی نظر آرہا ہے یہ اللہ کی ذات نہیں ہے بلکہ اللہ تو اس کائنات سے الگ آسمانوں پر چڑھ کر بیٹھا ہوا ہے۔

یہاں اولی الالباب کا پس منظر آسمانوں اور زمین کی مخلوقات، رات اور دن کے اختلاف کی حقیقت کیا ہے اس کو سمجھنا ہے اور ظاہر ہے سمجھا تو دماغ سے جاتا ہے اور اس کے لیے کان، آنکھیں اور دل وہ باب ہیں جہاں سے معلومات دماغ تک جاتی ہیں۔اگر ان ابواب کو بند کر لیا جائے کسی بھی معاملے کی حقیقت کو جاننے کے لیے کانوں، آنکھوں اور دل کا استعمال کرنے کی بجائے ان کا استعمال بند کر دیا جائے سنا ان سنا کر دیا جائے دیکھا ان دیکھا کر دیا جائے دل مردہ اندھا ہو جائے تو پھر ایسے لوگ اولی الالباب کیسے ہو سکتے ہیں؟ جب انہوں نے الباب یہ دروازے بند کر دیئے تو دماغ تک معلومات کیسے جائیں گی اور دماغ اصل نتیجے تک کیسے پہنچے گا؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ باب بند کیسے کیے جاتے ہیں؟ یہ باب بند اس طرح کیے جاتے ہیں کہ کسی بھی بات کو عقیدہ بنا لینا یعنی کسی بھی معاملے میں کسی بات کو دماغ میں ڈال کر اس پر تالے لگا دینا اس کے لیے اپنے کانوں، آنکھوں اور دل کو بند کر لینا کہ اب اس معاملے پر اس کے خلاف کسی بھی قسم کی نہ تو کوئی بات سنی جائے گی نہ دیکھی جائے گی نہ دل کا استعمال کر کے غور کیا جائے گا۔بات سنی ان سنی کر دی جائے گی دیکھا ان دیکھا کر دیا جائے گا یوں اس میں غور کرنے کی نوبت نہیں آئے گی۔

اور اولی الالباب وہ لوگ جو اپنے مشن میں اپنے مقصد میں جو کہ کسی بھی بات کو کسی بھی نکتے کو یا کسی بھی معاملے کو سمجھنا مقصد ہوتا ہے اسے سمجھنے کے لیے اپنے ان

رستوں کو ان باب کو بند نہیں کرتے بلکہ وہ ہر وقت ہر لمحے ان باب کو اپنے کانوں اور آنکھوں کو کھلا رکھتے ہیں دل سے اس بارے میں غور کرتے ہیں دماغ کو تفکر کرنے کا موقع فراہم کرتے ہیں ان کا کہنا اور ماننا یہ ہوتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ بات کا کوئی پہلو پہلے ہم سے پوشیدہ رہ گیا ہو جس وجہ سے جو نتیجہ پہلے ہمارے سامنے آیا یا لایا گیا وہ حق نہ ہو اس میں کوئی خامی ہو کوئی نقص ہو اس لیے اگر اس معاملے میں کوئی نیا پہلو نئی بات نئی شئے سامنے آتی ہے جو پہلے سامنے نہیں آئی تو اس کو سننے دیکھنے اور اس میں غور کرنے میں حرج ہی کیا ہو سکتا ہے اگر کوئی سوال کھڑا ہو رہا ہے یا اٹھایا جا رہا ہے تو اس میں غور کرنے میں حرج ہی کیا ہے؟ لہٰذا اس میں غور کرتے ہیں اگر تو وہ بات وہ سوال غلط ثابت ہوتا ہے تو مزید اطمینان حاصل ہو جائے گا اور اگر وہ سچ ثابت ہو جائے تو اس حوالے سے پہلے نظریے کو دماغ سے نکال باہر کریں گے اور حق کو تسلیم کر لیں گے جس سے بعد میں خسارے اور پچھتاوے سے بچ کر فلاح کا سودا ہو گا۔

اب تک یہ بات بھی آپ پر واضح ہو چکی کہ اولی الالباب کی ضد اہل العقائد ہیں عقائد کے حامل لوگ۔ عقائد جمع کا صیغہ ہے اور اس کا واحد عقیدہ ہے۔ عقیدہ کہتے ہیں کہ کسی بھی بات کو کسی بھی معاملے کو سچ سمجھ کر اپنے دماغ میں ڈال کر اس پر تالا لگا دینا کہ اب اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں سنا جائے گا اس کے خلاف سامنے آنے والی کسی بھی بات کو نہیں دیکھا جائے گا خواہ کچھ بھی ہو جائے اس پر خواہ کتنے ہی دلائل سامنے کیوں نہ آجائیں خواہ وہ غلط ہی ثابت کیوں نہ ہو جائے اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں سنی دیکھی جائے گی یعنی ایک بات کو کُل سمجھ کر دماغ میں ڈال کر تالا لگا دینا اب نہ ہی اسے دماغ سے باہر نکالا جائے گا اور نہ ہی اس کے مقابلے پر کوئی دوسری بات دماغ میں آنے دی جائے گی خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے ایسے لوگوں کو اہل العقائد کہا جاتا ہے۔

اور اولی الالباب وہ لوگ جو کسی بھی بات یا معاملے کے بارے میں سامنے آنے والے نتیجے کو آخری نہیں سمجھتے بلکہ وہ اسے فی الحال تو اپنے دماغ میں جگہ دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی اپنے کان اور آنکھیں کھلی رکھیں گے دل سے کام لیتے رہیں گے اگر کل کو کوئی ایسی بات یا ایسی شئے سامنے آتی ہے جو اسے غلط ثابت کر دیتی ہے یا اس میں نقص ثابت کر دیتی ہے تو پہلی بات کو دماغ سے نکال باہر کیا جائے گا اور سامنے آنے والے حق کو تسلیم کیا جائے گا یوں کبھی بھی کسی بھی بات کو کسی بھی نتیجے کو آخر نہیں سمجھا جائے گا جب تک کہ اس کے بارے میں راسخ علم نہ آجائے یعنی ایسا علم کے جو تمام کے تمام سوالات و اعتراضات کے دروازے بند کر دے کوئی چاہ کر بھی کوئی سوال کھڑا نہ کر سکے اور اگر کوئی سوال یا اعتراض اٹھانے کی کوشش کرتا بھی ہے تو وہ عاجز آجائے۔

قرآن میں اللہ نے ایک نہیں دو نہیں بلکہ کئی مقامات پر کہا کہ ہدایت صرف اور صرف اولی الالباب کے لیے ہے نہ کہ ان کے لیے جو عقیدے بنا لیتے ہیں جو اہل العقائد ہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت عقیدے والوں کو ہدایت نہیں دے سکتی خواہ کچھ بھی ہو جائے۔

جیسا کہ آپ تفصیل کیساتھ یہ بات جان چکے ہیں کہ نہ تو قرآن اور نہ ہی اللہ کی ذات اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ عقیدہ اخذ کیا جائے بلکہ اللہ نے بہت ہی سختی کیساتھ اس سے منع کیا ہے۔ جب اللہ نے اس سے منع کیا ہے اس سے روکا ہے تو پھر کس طرح کسی بھی قسم کا کوئی عقیدہ اخذ کیا جا سکتا ہے؟ اور اس قدر وضاحت ہو جانے کے باوجود بھی اگر کوئی عقیدہ اخذ کرتا ہے تو پہلی بات یہ کہ وہ اللہ کے حکم کا کفر کرتے ہوئے کھلم کھلا بغاوت پر اتر رہا ہے اور دوسری بات کہ ایسے شخص کا دین کیساتھ دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہو سکتا ایسا شخص صرف اور صرف اپنی خواہشات کی ہی اتباع کر رہا ہے۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ نے عقیدہ اخذ کرنے کی اجازت ہی نہیں دی تو پھر اکثریت نے یہ عقیدہ کیسے اخذ کر لیا کہ محمد آخری رسول و نبی ہیں ان کے بعد کوئی نبی و رسول نہیں اگر کوئی اس کا انکار کرتا ہے یا نبوت و رسالت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ نہ صرف توہین رسالت کے زمرے میں آئے گا بلکہ اس کی سزا ہر حال میں قتل ہی ہو گی اسے قتل ہی کیا جائے گا؟

اور پھر چونکہ اکثریت کا یہ عقیدہ ہے یعنی خود کو مسلمان کہلوانے والوں کی اکثریت کے نزدیک محمد علیہ السلام آخری رسول و نبی ہیں اس لیے ہر کسی پر یہ فرض ہے کہ وہ اس عقیدے کو اختیار کرے ورنہ وہ کافر، مرتد، گستاخ رسول اور واجب القتل قرار پائے گا۔

یعنی چونکہ اکثریت اس بات کی قائل ہے اس لیے اس بات کو ماننا اس عقیدے کو اختیار کرنا لازم ہے۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی بھی بات کے حق ہونے یا اس کے تسلیم کیے جانے کا معیار اکثریت ہے اکثریت کا متفق ہونا ہے اکثریت کا اسے تسلیم کرنا ہے تو پھر یہ جان لیں کہ یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل نے بھی خوبخو یہی عقیدہ اخذ کیا تھا جیسا کہ آپ اس آیت میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَازِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلاً

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ. غافر ۳۴

یہ موسیٰ نے اس وقت بنی اسرائیل کو کہا تھا جب موسیٰ کو بعث کیا گیا اور بنی اسرائیل رسولوں کا دروازہ بند کر کے بیٹھے ہوئے تھے۔ اور تحقیق کہ یعنی تم اپنے گھوڑے دوڑا لو اپنی تحقیق کر لو جو قدر میں کر دیا گیا وہی ہوگا اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ آ گیا تم میں تمہی سے یوسف اس سے پہلے البیّنات کیساتھ یعنی اس سے پہلے بھی نہ صرف یوسف تمہارے عقائد و نظریات کے برعکس تم میں تمہی سے آیا بلکہ جو تم کہتے ہو کہ رسول معجزات کیساتھ آتا ہے اس لیے معجزات کیساتھ آئے گا نہیں بلکہ رسول البیّنات کیساتھ آتا ہے اس لیے یوسف البیّنات کیساتھ آیا تمہاری توقعات اور خواہشات کے برعکس فَمَا زِلْتُمْ پس جو تم ذل ہوئے یعنی یوسف کے ذریعے تمہیں بلند مقام دیا تھا لیکن تم اس مقام سے آج اس مقام پر آ چکے جو کہ پستیوں کی اتھاہ گہرائیاں ہیں تم پر ذلت و مسکنت ڈال دی گئی تم عذاب مھین کا شکار ہو یعنی ایک دوسری قوم کو تم پر ایسے مسلط کر دیا گیا کہ تم انتہائی ذلیل اور حقیر ترین قوم بن چکے ہو اور یہ جو تم ذل ہوئے یعنی یہ جو تم بلند مقام سے آج اس ذلت و مسکنت والے مقام پر آ گئے تو یہ اس وجہ سے ہوا فِي شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ تم شکوک میں رہے تم نے شکوک ہی کیے جب بھی تم میں تمہی سے کوئی اللہ کا بھیجا ہوا آیا البیّنات کیساتھ یعنی جس نے بھی آ کر حق کھول کھول کر واضح کیا تمہاری حالت کی وجوہات کو تم پر کھول کھول کر واضح کیا تو تم لوگوں نے اس کی دعوت کو تسلیم کر کے اس پر عمل کر کے بلندیوں پر جانے کی بجائے شکوک ہی کیے اسے دشمنوں کا ایجنٹ قرار دیا ایسے جتنے بھی آئے ان کی تکذیب کیا انہیں قتل کیا حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ یہاں تک کہ تم ہلاک ہو گئے یعنی تم پر ذلت و مسکنت ڈال دی گئی تم ذلیل ترین قوم بن گئے قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا تم نے کہا کہ اللہ یوسف کے بعد ہرگز کوئی رسول بعث نہیں کرے گا یعنی یوسف اللہ کا آخری رسول تھا اس پر اللہ نے دروازہ بند کر دیا یہ وہ وجہ تھی جس وجہ سے تم ہلاک ہو گئے ذلت کا شکار ہو گئے تم ذلیل ترین قوم بن گئے جو تم اللہ کی طرف سے راہنمائی کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے اور ظاہر ہے جب اللہ کی طرف سے راہنمائی کو ٹھکرا دیا جائے گا دروازہ بند کر لیا جائے گا تو کون ہے جو تمہیں بلندیوں کی طرف لے جائے اور ذلت و رسوائی سے بچا سکے؟ پھر ذلت و رسوائی تمہارا مقدر ہے اللہ نے قدر میں کر دیا کہ جب اللہ کی بجائے شیاطین مجرمین کو اپنا راہنما بناؤ گے تو تمہارا یہی انجام ہوگا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ بالکل اسی طرح اللہ ضل کر رہا ہے یعنی گمراہیوں کی طرف لے جا رہا ہے۔ اس امت کو آج کہا جا رہا ہے کہ جیسے بنی اسرائیل یوسف کے بعد ذل ہوئے بلندیوں سے پستیوں کی طرف جاتے جاتے یہاں تک کہ ہلاک ہو گئے بالکل اسی طرح اس امت کو بھی ضل کیا جا رہا ہے اور آج حقیقت آپ کے سامنے ہے مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ جو یہ سمجھ لیتا ہے کہ وہ اب اللہ کا چہیتا ہے وہ جو چاہے کرے اللہ اس سے کچھ پوچھنے والا نہیں، جو اس کے دیئے ہوئے کا غلط استعمال کر رہا ہے مس یوز کر رہا ہے جو ذمہ داری دی اس سے لاپرواہی برت رہا ہے مُّرْتَابُ جب ہم اپنے رسول کے ذریعے حق ہر پہلو سے کھول کھول کر رکھ دیں حق اس قدر واضح کر دیں کہ کوئی چاہ کر بھی اس کا رد نہ کر سکے اس پر واضح ہو جائے کہ یہ حق ہے لیکن اس کے باوجود وہ شکوک میں پڑا رہے اپنے بڑوں اپنے ملاؤں اپنے مفسروں اپنے آباؤ اجداد کو سامنے لا رکھے کہ یہ اکیلا سچا اور باقی سب کے سب غلط ایسا کیسے ہو سکتا ہے اس اکیلے کو ہی حق سمجھ میں آ گیا ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ تو بالکل ہماری ہی طرح ہے کھاتا پیتا ہے اس کے بیوی بچے ہیں اس کو وہی تمام حاجات لاحق ہیں جو ہمیں ہیں اس لیے یہ کس طرح رسول ہو سکتا ہے؟ رسول اور وہ بھی ہمارے درمیان؟ نہیں نہیں دل نہیں مان رہا تو جو بھی ایسا کر رہے ہیں جو حق ہر لحاظ سے کھل جانے کے باوجود بھی شکوک میں ہیں ان کو اللہ اس طرح گمراہ کر رہا ہے وہ لوگ حق اس قدر واضح ہو جانے کے باوجود خود گمراہی کا سودا کر رہے ہیں۔ اس آیت میں یہ بات بالکل کھول کر واضح کر دی گئی کہ موسیٰ کی بعثت سے پہلے بنی اسرائیل نے نہ صرف یوسف کو آخری رسول و نبی قرار دے کر رسالت و نبوت کا دروازہ بند کر لیا بلکہ اگر کوئی بھی اللہ کا بھیجا ہوا سامنے آتا تو اس کا کذب کرتے اسے قتل کر دیتے اور پھر تمام کے تمام بنی اسرائیل اس پر متفق تھے ان کا اس پر اجماع تھا اکثریت کا یہی عقیدہ و نظریہ تھا لیکن کیا اکثریت کا یہ عقیدہ اخذ کر لینا اور اس پر ڈٹ جانا کیا حق ثابت ہوا؟ کیا حق ہونے کی دلیل بن گیا؟

بنی اسرائیل نے بھی یہی کہا یہی عقیدہ اخذ کر لیا تھا کہ یوسف کے بعد اب کوئی رسول و نبی نہیں آئے گا رسالت و نبوت کا دروازہ بند ہو چکا اور پھر پورے کے پورے بنی اسرائیل اس پر متفق ہو گئے پورے کے پورے بنی اسرائیل نے یہ عقیدہ اخذ کر لیا اور جو بھی ایسی شخصیت سامنے آئی یعنی اللہ نے جسے بھی ان کی راہنمائی کے لیے کھڑا کیا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا یا اس کی تکذیب کی لیکن کیا سارے کے سارے بنی اسرائیل کے اس بات پر متفق ہونے سے یہ عقیدہ اخذ

کر لینے سے اللہ کا قانون بدل گیا؟

اکثریت کے ماننے کی وجہ سے اللہ نے اپنا قانون بدل دیا؟ اکثریت کا کسی بات پر متفق ہونا حق بن گیا؟ اللہ نے بھی اسے حق کا درجہ دے دیا اور ان کی خواہشات کی اتباع میں اللہ نے بھی دروازہ بند کر دیا اور پھر کوئی رسول و نبی نہ بھیجا؟ نہیں بالکل نہیں۔

تو پھر کسی بھی بات کے حق ہونے کا معیار کسی بھی بات کو تسلیم کیے جانے کا معیار اکثریت کا اس پر متفق ہونا یا اکثریت کا تسلیم کر لینا نہیں ہو سکتا اس لیے محض اس بنیاد پر یہ کہنا کہ اس عقیدے کو سچ مان لیا جائے کہ اکثریت اس بات پر متفق ہے اکثریت اسے تسلیم کرتی ہے اکثریت کا عقیدہ ہے کہ محمد علیہ السلام آخری رسول و نبی تھے ان کے بعد کوئی نبی و رسول نہیں یہ معیار کہاں سے آ گیا؟ یہ معیار کس نے طے کیا؟ کیا اللہ نے یہ معیار طے کیا؟

اگر کسی بھی بات کے حق و سچ ہونے کا معیار اکثریت کا اجماع ہے اکثریت کا تسلیم کرنا ہے اکثریت کا عقیدہ بنانا ہے تو پھر جتنے بھی رسول آئے ان میں سے کوئی ایک بھی سچا نہیں تھا سب کے سب جھوٹے ثابت ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ محمد علیہ السلام بھی جھوٹے اور باطل ثابت ہو جاتے ہیں کیونکہ ایک طرف پوری دنیا کے انسان تھے اور دوسری طرف اکیلے محمد علیہ السلام۔

جس جس موضوع پر بھی محمد علیہ السلام نے لب کشائی کی اس اس موضوع پر مشرکین مکہ ہوں یا یہودی و عیسائی وہ سب کے سب محمد علیہ السلام کے خلاف اس پر متفق تھے ان کے عقائد تھے اور محمد علیہ السلام کی بعثت سے بہت پہلے سے ان میں وہ سب عقائد چلے آ رہے تھے تو کیا وہ سب کے سب سچے اور محمد علیہ السلام جھوٹے تھے غلط تھے کیونکہ اکثریت پہلے سے ہی ان کے خلاف عقائد و نظریات پر ڈٹی ہوئی تھی۔

اور پھر ظاہر ہے جب ان کے بھی مختلف موضوعات پر عقائد و نظریات تھے تو انہوں نے بھی کوئی نہ کوئی بنیاد اور دلائل تو ضرور گھڑ رکھے ہوں گے جن کی بنیاد پر وہ عقائد اخذ کر کے ان پر متفق اور ڈٹے ہوئے تھے۔

اس کے باوجود بھی اگر کوئی اکثریت کو ہی معیار حق سمجھتا ہے تو پھر دیکھیں اللہ نے قرآن میں اکثریت کے حوالے سے کیا فیصلہ سنایا۔

اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ. البقرة ۱۰۰

یہ جو اس وقت دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت یعنی زیادہ سے زیادہ ایسے ہیں جو حق کو تسلیم نہیں کر رہے اکثریت حق سے کفر ہی کر رہی ہے اکثریت حق کو دل سے تسلیم کرتے ہوئے اسی طرح عمل نہیں کر رہی۔

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ. البقرة ۲۴۳

لوگوں کی اکثریت نہیں شکر کر رہی یعنی انہیں جو بھی دیا گیا سننے، دیکھنے، سمجھنے کی صلاحیتیں دی گئیں مال و اولاد دیا گیا، زمین میں اختیار دیا گیا یا جو کچھ بھی دیا گیا یہ ان کا یا ان میں سے کسی کا بھی اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کر رہے جس مقصد کے لیے انہیں یہ سب دیا گیا بلکہ اس کے برعکس اپنی خواہشات کی اتباع میں ان کا استعمال کر رہے ہیں۔

اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ. آل عمران ۱۱۰

یہ جو اس وقت دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت یعنی زیادہ سے زیادہ ایسے ہیں جو فسق کر رہے ہیں یعنی اللہ کی بات کو اللہ کے کلام کو بدل رہے ہیں بات کو اس کے مقام سے بدل رہے ہیں اس میں ملاوٹ کر رہے ہیں حق کو بدل رہے ہیں۔

اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ. المائده ۵۹

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ تمہاری اکثریت فسق کر رہی ہے یعنی حق کو بدل رہی ہے۔

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ. المائده ۱۰۳

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت نہیں سمجھ رہی یعنی ان کو سننے دیکھنے اور جو سن دیکھ رہے ہیں اسے سمجھنے کی صلاحیت دی گئی لیکن یہ لوگ جو بھی سن اور دیکھ رہے ہیں اسے سمجھ نہیں رہے بلکہ بغیر سمجھے ہی جو سنتے اور دیکھتے ہیں وہی کر رہے ہیں۔

اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ. الانعام ۳۷

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت غور وفکر نہیں کر رہی جس وجہ سے یہ علم نہیں رکھ رہے یعنی انہیں حق کا علم ہی نہیں ہے کیونکہ اکثریت غور وفکر نہیں کر رہی۔

اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ. الانعام ۱۱۱

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت جہل کر رہی ہے یعنی اکثریت جو بھی اعمال کر رہی ہے بغیر علم کے ہی کیے جا رہی ہے کسی کو حق کا علم ہی نہیں ہے بغیر سوچے سمجھے ہی اعمال کیے جا رہے ہیں کسی کو حق کا علم نہیں جسے یہ علم کا نام دے رہے ہیں وہ علم نہیں بلکہ سو فیصد جہالت ہے جس کا حق کیساتھ کوئی تعلق نہیں۔

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ. الاعراف ۱۸۷

اکثریت لوگوں کی غور وفکر نہیں کر رہی جس وجہ سے علم نہیں رکھ رہی یعنی اکثریت کو حق کا علم نہیں ہے۔

اَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ. النحل ۸۳

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت حق کا انکار کر رہی ہے۔

اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا. الاسراء ۸۹

لوگوں کی اکثریت جو کچھ بھی انہیں دیا ان کا اس مقصد کے لیے استعمال کرنے سے انکار کر رہی ہے جس مقصد کے لیے انہیں سب دیا اور اپنی خواہشات کی اتباع میں استعمال کر رہی ہے یعنی انہیں سننے دیکھنے اور جو سن اور دیکھ رہے ہیں اسے سمجھنے کی صلاحیت دی اور عمل کرنے کی بھی صلاحیت دی تو اسی لیے کہ سنیں دیکھیں اسے سمجھیں اور سمجھنے کے بعد ہی کوئی عمل کریں اس وقت تک عمل کے قریب بھی نہ جائیں جب تک کہ اطمینان حاصل نہ ہو جائے لیکن زیادہ سے زیادہ لوگ ان صلاحیتوں کا اس مقصد کے لیے استعمال کرنے کی بجائے اپنی خواہشات کی اتباع میں استعمال کر رہے ہیں اس کے علاوہ جو بھی انہیں دیا گیا سب کے سب کا اپنی خواہشات کے پیچھے استعمال کر رہے ہیں۔

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. الشعراء ۸

اور یہ تو اللہ کے قانون میں ہو چکا کہ اکثریت ان لوگوں کی جو اس وقت دنیا میں آباد ہے مومن نہیں ہے یعنی اکثریت مومنین نہیں ہیں اور جب مومنین نہیں تو پھر ظاہر ہے مشرکین ہیں۔

اَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ. الشعراء ۲۲۳

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت کذب کر رہی ہے اکثریت جھوٹوں کی ہے جو جھوٹ بول رہی ہے۔

اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ . الروم ۴۲

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت مشرکین کی ہے یعنی اکثریت مشرک ہے۔

اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ. الزخرف ۷۸

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں اللہ ان سے خطاب کرتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ تمہاری اکثریت کے لیے حق کراہت والا ہے یعنی اکثریت کو حق ناگوار گزر رہا ہے کہ حق کے سامنے آنے پر اسے تسلیم کرنے کی بجائے پھدک رہے ہو گالم گلوچ کر رہے ہو تمہیں حق تکلیف دے رہا ہے۔

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا . الفرقان ۴۴

کیا تم جو نہیں دیکھ رہے ہو اور یہ گمان کر رہے ہو کہ اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں یہ تیری بات کو سن رہے ہیں یعنی آج جب حق کھول کھول کر واضح کیا جا رہا ہے تو یہ لوگ حق کو سن رہے ہیں اور کیا ہے کہ حق کو سمجھ رہے ہیں؟ نہیں ہیں یہ مگر بالکل ایسے کہ جیسے پالتو جانور ہیں جن کے گلے میں پٹے ڈالے ہوئے ہوتے ہیں بلکہ یہ تو ایسے گمراہ ہیں کہ ان سے بڑھ کر کوئی گمراہ ہے ہی نہیں یعنی ان کا جانوروں سے موازنہ کرنا جانوروں کی توہین ہے کیونکہ انہیں جس مقصد کے لیے خلق کیا گیا وہ تو اس مقصد کو پورا کر رہے ہیں لیکن یہ لوگ تو گمراہ ہیں انہیں علم ہی نہیں کہ انہیں کس مقصد کے لیے وجود میں لایا گیا اس لیے یہ لوگ ایسے گمراہ ہیں کہ ان سے بڑھ کر کوئی گمراہ ہے ہی نہیں کیونکہ جو حق ہے اس کا کفر کر رہے ہیں اور جو باطل ہے اسے حق کا نام دے کر جہل کر رہے ہیں یہ ماننے کو تیار ہی نہیں کہ یہ گمراہ

ہیں اور ظاہر ہے جو خود کو ہدایت یافتہ کہے اور حقیقت میں وہ گمراہ ہو تو اسے ہدایت کیسے مل سکتی ہے ہدایت تو اسے ملے گی جو ہدایت کا طالب ہو اس لیے یہ ایسے گمراہ ہیں کہ ان سے بڑھ کر کوئی گمراہ ہے ہی نہیں۔

جَآءَ هُمْ بِالْحَقِّ وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ. المومنون ۷۰

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں آ گیا ان کے پاس حق یعنی ان میں انہی سے ایک بشر رسول کو بعث کیا جو ان پر حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر رہا ہے اور ان کی اکثریت کے لیے حق کراہت والا ہے اکثریت کو حق ناگوار گزر رہا ہے اکثریت کو حق تکلیف دے رہا ہے کہ حق کیساتھ دشمنی کر رہے ہیں۔

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ. الانبیاء ۲۴

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت کو حق کا علم ہی نہیں پس آج جب ان پر حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کیا جا رہا ہے تو یہ لوگ حق سے اعراض کر رہے ہیں یعنی حق کو کوئی اہمیت ہی نہیں دے رہے حق کو کوئی توجہ ہی نہیں دے رہے حق سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْن. یوسف ۱۰۶

اس وقت جو دنیا میں آباد ہیں ان کی اکثریت نہیں مان رہی جو اللہ سے ہے مگر ان کی اکثریت مشرکوں کی ہے اکثریت شرک کر رہی ہے یعنی اللہ جو کہ فطرت ہے کیساتھ اس کے کاموں میں اکثریت مداخلت کر رہی ہے۔

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا. یونس ۳۶

اور نہیں اتباع کر رہی ان کی اکثریت جو اس وقت دنیا میں آباد ہیں مگر ظن کی اتباع کر رہے ہیں۔ ظن کہتے ہیں اسے جو سنائی دے رہا ہے دکھائی دے رہا ہے اور جو سنائی اور دکھائی دے رہا ہے اسے بغیر سمجھے تسلیم کر کے اس پر عمل کرنے کو ظن کی اتباع کرنا کہتے ہیں تو اللہ اکثریت کے بارے میں کہہ رہا ہے کہ اکثریت ظن کی اتباع کر رہی ہے یعنی یہ جو سن اور دیکھ رہے ہیں اسی کو حق تسلیم کرتے ہوئے اس پر عمل کر رہے ہیں حالانکہ انہیں جو سن اور دیکھ رہے ہیں اسے سمجھنے کی صلاحیت بھی دی اور بار بار یہ واضح کر دیا کہ اس وقت تک کسی بھی عمل کے قریب مت جاؤ جب تک کہ اس کے بارے میں مکمل علم حاصل نہ کر لو یعنی جو سن اور دیکھ رہے ہو پہلے اسے مکمل طور پر سمجھو اس کے بعد عمل کرو لیکن اکثریت کا معاملہ یہ ہے کہ اکثریت جو سن اور دیکھ رہی ہے بغیر سمجھے اسکو تسلیم کرتے ہوئے اس پر عمل کر رہی ہے اور ظن کی اتباع تو صرف مشرک ہی کرتے ہیں اس لیے اکثریت ہے ہی مشرکین کی۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ. الانعام ۱۱۶

اللہ اپنے رسول کو کہہ رہا ہے اور رسول مومنوں کو کہہ رہا ہے جو اس کی دعوت کو تسلیم کر رہے ہیں کہ اگر تم نے بات مان لی اکثریت کی جو زمین میں ہیں تو تجھے گمراہ کر رہے ہیں اللہ کی راہ سے۔ نہیں اکثریت اتباع کر رہی مگر ظن کی یعنی اکثریت جو کچھ بھی کر رہی ہے جس کے پیچھے بھی چل رہی ہے ظن کے پیچھے چل رہی ہے اکثریت جو سن اور دیکھ رہی ہے اسے بغیر سمجھے نہ صرف تسلیم کر رہی ہے بلکہ وہی کر رہی ہے اور نہیں ہیں یہ یعنی جو اس وقت دنیا میں آباد ہیں جو بھی زمین میں ہیں مگر ان کی اکثریت جھوٹی ہے اور جھوٹوں کو ہی پسند کرتی ہے غلط و بے بنیاد باتیں کرنے والے اور ایسی باتیں کرنے والوں کو ہی پسند کرتے ہیں۔

یہ چند آیات ہیں ان کے علاوہ قرآن بھرا پڑا ہے ایسی آیات سے اور آپ نے دیکھ لیا کہ اکثریت کے بارے میں اللہ نے قرآن میں کس طرح کھول کھول کر ہر پہلو سے اپنا فیصلہ سنا دیا جس سے ان مشرکین کا ختم نبوت کے نام پر عقیدہ بالکل بے بنیاد و باطل ثابت ہو گیا اور اگر حق اس قدر کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود بھی یہ اپنے بے بنیاد و باطل عقیدہ و نظریے پر محض اس لیے ڈٹے رہتے ہیں کہ اکثریت کا یہ عقیدہ ہے تو پھر ان کا شمار بھی اللہ کے ہاں اکثریت میں ہے جس کے بارے میں اللہ نے اپنا فیصلہ سنا دیا اور یہ بھی واضح کر دیا کہ حق اکثریت کے لیے ہے ہی کراہت والا اس لیے ظاہر ہے جو مشرکین ہیں ان کو حق ناگوار ہی گزرے گا ان کو حق تکلیف ہی دے گا۔

یعنی آپ کسی بھی لحاظ سے غور کر لیں یہ کہنا چونکہ اکثریت کا یہ عقیدہ ہے تو مان لیا جائے یہ بات بے بنیاد کھوکھلی اور باطل ہے۔ آپ کچھ بھی کہیں ہم ماننے کو تیار ہیں لیکن اس وقت جب آپ اسے حق ثابت بھی کریں اس کے خلاف اٹھنے والے ہر سوال کا جواب دیکر مطمئن کر دیں۔

قرآن میں ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے یہی بات اللہ نے بیان کی ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے دل کے اطمینان کے لیے یہ جاننا چاہا کہ جو حیات وجود میں آرہی ہے اس کی موت کیسے وجود میں آئی تو ربّ نے کہا کیا تم مانتے نہیں یعنی تم تسلیم نہیں کر رہے ابراہیم علیہ السلام نے جواباً کہا کہ نہیں ایسی بات نہیں ہے بلکہ دل کے اطمینان کے لیے دیکھنا چاہتا ہوں تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ نے آگے سے سختی کی کہ نہیں میں اللہ ہوں میں تیرا ربّ ہوں جو کہہ رہا ہوں بس وہ آنکھیں بند کر کے ماننا پڑے گا یا پھر اللہ نے وہ سب دل کی آنکھوں سے دکھا کر ابراہیم کو مطمئن کر دیا؟ جیسا کہ آپ اس آیت میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَ لٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا وَ اعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ. البقرۃ ۲۶۰

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ اور تب کہا تھا جس نے کہا تھا ابراہیم ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کب کہا تھا تو اس کا جواب اسی قرآن میں اس سے پچھلی آیات میں موجود ہے کہ جب ابراہیم کا نمرود سے آمنا سامنا ہوا تھا کہ جب ابراہیم نے کہا کہ میرا ربّ موت کو حیات کر رہا ہے تو نمرود نے کہا کہ یہ تو میں بھی کر رہا ہوں یعنی میں بھی پانی برسا رہا ہوں زمین سے نباتات اگا کر مخلوقات کو وجود میں لا رہا ہوں اس کے علاوہ دیکھو میں طرح طرح کی مخلوقات کو وجود میں لا رہا ہوں اس میں کون سی بڑی بات ہے اگر ربّ ہونے کی یہی دلیل ہے تو میں ہی تو ربّ ثابت ہوتا ہوں تو اس وقت ابراہیم لاجواب ہو گئے وہ اس سے آگے اسے کوئی جواب نہ دے سکے تب ابراہیم نے کہا تھا رَبِّ میرے ربّ یعنی فطرت کو کہا تھا اور کیسے اور کیا کہا تھا یہ بھی آگے واضح کر دیا گیا اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى میں کیا کر رہا ہوں؟ میں دیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ کس طرح موت وجود میں آئی یعنی وہ مواد وجود میں آیا جسے حیاء کیا جا رہا ہے یعنی یہ جو زمین پر مخلوقات وجود میں آرہی ہیں جس مواد سے یہ مخلوقات وجود میں آرہی ہیں آخر یہ مواد کہاں سے اور کیسے وجود میں آیا۔ ابراہیم اپنے ربّ سے سوال کر رہے تھے اور ربّ فطرت ہے فطرت سے کچھ بھی پوچھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنی زبان سے سوال کیا جائے بلکہ فطرت سے اسی کی زبان میں یعنی عملی زبان میں بات کی جاتی ہے۔ ابراہیم فطرت کی زبان میں یعنی عملی طور پر فطرت سے پوچھ رہے تھے یعنی فطرت میں آسمانوں وزمین میں غوروفکر کر رہے تھے کہ یہ جو زمین پر حیات وجود میں آرہی ہے جہاں تک آنکھوں سے نظر آرہا ہے یہاں تک تو پتہ چل گیا لیکن اس سے پیچھے کے جو مراحل ہیں جنہیں آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا وہ کون سے مراحل ہیں یہ مواد کیسے وجود میں آیا؟ یوں ابراہیم آسمانوں وزمین میں غوروفکر کر رہے تھے لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو پا رہے تھے یعنی حق واضح نہیں ہو رہا تھا بہت جدوجہد کرنا پڑ رہی تھی گویا کہ آگے سے فطرت یہ کہہ رہی ہے یعنی ربّ یہ کہہ رہا ہے کہ کیوں تُو جاننا چاہتا ہے کیا جو آنکھوں سے دکھائی دے رہا ہے تُو اسے تسلیم نہیں کرتا؟ کیا اصل ربّ جو کہ فطرت ہے کی پہچان کے لیے اتنا کافی نہیں ہے؟ کیا تجھے اب بھی فطرت کے ربّ ہونے پر شک ہے؟ تو ابراہیم نے اپنے عمل سے یہ جواب دیا یعنی عاجزی وانکساری اختیار کرتے ہوئے غوروفکر جاری رکھا کہ نہیں ایسا نہیں ہے کہ جب میری نمرود سے بحث ہوئی تو لاجواب ہونے پر میں حق سے کفر کر رہا ہوں بلکہ میں حق کو تسلیم کر رہا ہوں لیکن میں اپنے دل کے اطمینان کے لیے جاننا چاہتا ہوں جیسا کہ یہی بات آیت میں بطور تاریخ اتاری گئی قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ یعنی آگے سے فطرت نے عملی طور پر یہ کہا کہ کیا نہیں تُو تسلیم کر رہا؟ یعنی اب تک جو حق تیرے سامنے آچکا ہے کیا تُو اسے تسلیم نہیں کر رہا؟ کیا تجھے اس میں شکوک ہیں کہ یہی تیرا ربّ نہیں ہے؟ تو آگے سے ابراہیم نے بھی اپنے عمل سے ہی یہ جواب دیا کہ نہیں ایسی بات نہیں، جو حق اب تک سامنے آچکا میں اسے تسلیم کرتا ہوں کہ یہی میرا ربّ ہے جو ہر طرف نظر آرہا ہے لیکن میں جو آنکھوں سے نظر نہیں آرہا اسے دل کے اطمینان کے لیے دیکھنا چاہتا ہوں یعنی میرا دل دیکھنا چاہتا ہے۔ ابراہیم آسمانوں وزمین میں غوروفکر کر رہے تھے یہ جو زمین پر حیات وجود میں آرہی ہے جہاں تک کانوں آنکھوں اور دماغ تک جایا جا سکتا ہے وہاں تک تو حق واضح ہو چکا تھا لیکن جہاں دماغ کی رسائی نہیں جہاں صرف دل سے ہی سفر کیا جا سکتا ہے وہاں تک نہیں جا پا رہے تھے اور پھر بالآخر جب غوروفکر جاری رکھا تو ربّ نے یعنی فطرت نے اسی وجود نے وہ حق بھی کھول کر واضح کر دیا قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ کہا پس اخذ کر چار ان میں سے جو مخصوص خلاء میں تیر رہے ہیں۔

ابراہیم نے جب اپنی ہی ذات میں غوروفکر کیا کہ میں کیسے خلق ہوا تو دیکھا کہ میں جو کھاتا ہوں اسی سے بنتا ہوں یہ زمین پر جو بھی جاندار مخلوقات ہیں وہ اسی سے وجود میں آرہی ہیں جو ان کا رزق ہے اور رزق زمین سے نباتات کی صورت میں وجود میں آرہا ہے۔ اب نباتات جس مواد سے وجود میں آرہی ہیں وہ مواد

کہاں ہے اور کیسے وجود میں آیا یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا لیکن بالآخر فطرت نے یہ راز بھی کھول دیا کہ اپنی ہی ذات میں غور کرو یہ جو جسم پر بالوں کی صورت میں نائیلون ہے یہ کہاں سے وجود میں آیا؟ ناخنوں کی صورت میں پلاسٹک ہے یہ کہاں سے آیا؟ ایسے ہی جسم جن جن عناصر سے وجود میں آیا جن میں تیل وغیرہ بھی ہے تو غور وفکر کرنے پر یہ راز کھل گیا کہ زمین میں ان کا خام مال طین یعنی خام تیل کی صورت میں موجود ہے وہ طین یعنی خام تیل چٹانوں میں وجود میں آیا اور چٹانوں میں وہ عناصر پہاڑوں سے گئے، پہاڑوں میں وہ تمام عناصر موجود ہیں اور پہاڑ اور یہ زمین کی تہیں خلاء سے آنے والے شہابیوں جو کہ الطیر ہیں یعنی خلاء میں تیر رہے ہیں ان کی بارشوں سے وجود میں آئیں تو یہ ربّ یعنی فطرت نے کہا کہ یہ جوزمین وجود میں آئی تھی تو کیسے وجود میں آئی تھی؟ خلاء میں جو الطیر ہیں یعنی جو خلاء میں تیر رہے ہیں ان کے صرررررر صرررررکر کے زمین پر آنے سے زمین کی تہیں وجود میں آئیں تو کہا ان خلاء میں تیر رہے شہابیوں میں سے چار اخذ کر یعنی زمین پر جو آخری چار مراحل میں شہابیے آئے ان میں ان تمام مخلوقات کی موت تھی وہ چار اقسام کے شہابیے زمین پر جو حیات کا نظام چل رہا ہے اس کی موت ہیں فَصُرۡهُنَّ اِلَیۡکَ پس وہ چار الطیر یعنی خلاء میں تیر رہے چار اقسام کے شہابیے صرررررر ہوئے تیری طرف یعنی تُو کہاں موجود ہے؟ زمین پر تو اس وقت تُو جہاں موجود ہے وہ اس طرف یعنی زمین کی طرف صرررررکر کے آئے جیسے کوئی شہابیہ گرتا ہے یا جیسے کوئی میزائل آ کر گرتا ہے ثُمَّ اجۡعَلۡ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنۡهُنَّ جُزۡءًا جب خلاء سے آخری چار اقسام کے شہابیے زمین پر صرررر صرررر کر کے آئے تو پھر کر دیا تمام کے تمام پہاڑوں پر ان سے اجزاء یعنی یہ جوزمین پر مخلوقات وجود میں آ رہی ہیں جن اجزاء یعنی عناصر سے وجود میں آ رہی ہیں وہ عناصر پہاڑوں کی صورت میں ذخیرہ کر دیئے ان عناصر کو فراہم کرنے کی ذمہ داری پہاڑوں پر عائد کر دی ثُمَّ ادۡعُهُنَّ یَاۡتِیۡنَکَ سَعۡیًا پھر جہاں اس وقت تُو کھڑا ہے یعنی یہ جوزمین پر حیات کا نظام چل رہا ہے یہاں تک وہ مختلف مراحل طے کرتے کرتے جو کہ ان کی سعی ہے کرتے کرتے آئے اور آ رہے ہیں یعنی پہاڑوں سے وہ عناصر چٹانوں میں جاتے ہیں چٹانوں میں نیچے پانی کی شکل میں آگ ہے یعنی لاوا ہے اور اوپر برف یعنی ٹھنڈ ہے اور ان میں یہ عناصر پک پک کر خام تیل کی صورت اختیار کر لیتے ہیں جسے قرآن میں "من صلصالٍ من حماءٍ مسنون" کہا گیا پھر وہ خام تیل زمین کی اسی چٹانی تہہ میں پوری زمین میں پھیلتا ہے نیچے لاوا ہونے کی وجہ سے وہ خام تیل یعنی طین گیسوں میں بدلتا ہے اور زمین کی اوپر والی تہوں کی طرف سفر کرتا ہے اور بالآخر ان عناصر پانی اور سورج کی توانائی سے نباتات وجود میں آئیں اور دوسری طرف جب انہیں چار اقسام کے شہابیوں سے پانی وجود میں آیا جس سے سمندر وجود میں آئے اور بارشوں کا نظام وجود میں آیا اس پانی میں انہی عناصر سے زندگی وجود میں آئی جو سعی کرتے کرتے یعنی آہستہ آہستہ آگے کو بڑھنے کی کوشش کرتے کرتے یہ حیات وجود میں آئی یہ بشر وجود میں آیا وَاعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ اور یہ کیا علم دیا؟ اس میں کچھ شک نہیں یہی اللہ تھا اللہ عزیز حکیم ہے یعنی جو عزیز حکیم ہے وہی اللہ ہے۔ یوں ربّ یعنی فطرت نے ابراہیم کو اس کے تمام تر سوالات کے جوابات دیکر ابراہیم کے دل کو مطمئن کر دیا۔

اب حقیقت آپ کے سامنے ہے آپ خود فیصلہ کریں کہ اللہ کا قانون کیا ہے؟ کیا اللہ سختی کیساتھ اپنی بات منواتا ہے یا پھر سامنے والے کو مطمئن کرتا ہے اس کے ہر سوال کا جواب دیتا ہے یہاں تک کہ سامنے والے کے پاس کوئی سوال نہیں رہتا اور حق اس قدر واضح ہو جاتا ہے کہ ماننا اس کی مجبوری بن جاتا ہے وہ چاہ کر بھی انکار نہیں کر سکتا اس کے باوجود بھی وہ انکار کرتا ہے تو اس کے لیے کوئی عذر نہیں رہتا بلکہ اس پر حجت ہو جاتی ہے۔

بالکل اسی طرح آپ ایک بات پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں آپ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ حق ہے تو پھر آپ پر فرض ہے کہ آپ اسے حق ثابت کریں آپ ہمیں اس حوالے سے مطمئن کریں ہمارے ہر سوال کا جواب دیں یہاں تک کہ ہم لاجواب ہو جائیں اور اس بات کا حق ہونا ہم پر اس قدر واضح ہو جائے کہ ہم چاہ کر بھی اس کا انکار نہ کر سکیں۔

یہی بات آپ قرآن میں بار بار دیکھ سکتے ہیں کہ اللہ کی سنت اللہ کا طریقہ اللہ کا قانون یہ ہے کہ اللہ جب بھی کوئی بات کرتا ہے تو اپنی بات سامنے رکھنے سے پہلے قد، لقد، ولقد کے الفاظ کا استعمال کرتا ہے جیسا کہ آپ درج ذیل آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَلَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ۚ وَمَا یَکۡفُرُ بِهَاۤ اِلَّا الۡفٰسِقُوۡنَ. البقرة ۹۹

قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ سُنَنٌ ۙ فَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَةُ الۡمُکَذِّبِیۡنَ . آل عمران ۱۳۷

لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَکِّیۡهِمۡ وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ ۚ وَ اِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ

لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ۔ آل عمران ۱۶۴

مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ ۚ وَ مَنۡ تَوَلّٰی فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡہِمۡ حَفِیۡظًا ۔ النساء ۸۰

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَکُمُ الرَّسُوۡلُ بِالۡحَقِّ مِنۡ رَّبِّکُمۡ فَاٰمِنُوۡا خَیۡرًا لَّکُمۡ ؕ وَ اِنۡ تَکۡفُرُوۡا فَاِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ۔النساء ۱۷۰

وَ لَقَدۡ صَرَّفۡنَا لِلنَّاسِ فِیۡ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ کُلِّ مَثَلٍ ۫ فَاَبٰۤی اَکۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوۡرًا ۔ الاسراء ۸۹

وَ لَقَدۡ صَرَّفۡنَا فِیۡ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لِلنَّاسِ مِنۡ کُلِّ مَثَلٍ ؕ وَ کَانَ الۡاِنۡسَانُ اَکۡثَرَ شَیۡءٍ جَدَلًا ۔ الکہف ۵۴

یہ چند آیات آپ کے سامنے ہیں اوران میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اللہ نے جب بھی اپنی بات پیش کی اپنا دعویٰ پیش کیا تو پہلے تحقیق کرنے کی دعوت دی کہ اگر اس کے مقابلے پر کہیں سے حق ملتا ہے یا کوئی اور حق ثابت ہوتا ہے تو اپنے گھوڑے دوڑا کر دیکھ لو اپنی تحقیق کر کے دیکھ لو بالآخر تم پر واضح ہو جائے گا کہ جو ہم کہہ رہے ہیں یہی حق ہے۔ یہ چند آیات ہیں ان کے علاوہ قرآن ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے۔

یعنی تم اپنی طرف سے جتنی چاہے تحقیق کرلو اپنے گھوڑے دوڑالو اگر کوئی ہمارے مقابلے پر حق کا دعویٰ کرتا ہے کوئی بھی حق کا دعویدار ہے تو اس کی بات سن لو اسے دیکھ لو پرکھ لو بالآخر تم پر واضح ہو جائے گا کہ حق یہی ہے جو ہم کہہ رہے ہیں۔

جب اللہ کی سنت یہ ہے تو پھر کیا اللہ کا اسم المومن نہیں ہے؟ اللہ مومنوں کو یہی حکم نہیں دیتا کہ اللہ کا رنگ اختیار کرو؟ جیسا کہ آپ سورت البقرۃ کی درج ذیل آیت میں دیکھ سکتے ہیں۔

صِبۡغَۃَ اللّٰہِ ۚ وَ مَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبۡغَۃً ۫ وَّ نَحۡنُ لَہٗ عٰبِدُوۡنَ ۔ البقرۃ ۱۳۸

رنگ تھا جو اختیار کرنا تھا اللہ کا رنگ ہے اور کون ہے جو احسن ہے اللہ کے رنگ سے اور ہم اسی کی غلامی کر رہے ہیں۔

اب اگر آپ مومن ہیں اور اپنی بات میں سچے ہیں تو لامحالہ آپ کو اللہ کا رنگ اختیار کرنا ہوگا آپ کو اپنی بات کو حق ثابت کرنا ہوگا آپ کو سامنے والے کو بانگ دہل یہ کہنا ہوگا کہ اگر آپ کے مقابلے پر کوئی حق کا دعویٰ کرتا ہے تو اپنی تحقیق کرلو اگر تم سمجھتے ہو کہ ہم غلط ہیں ہماری بات غلط ہے تو تمہیں اسے غلط ثابت کرنا ہوگا ورنہ اگر یہ حق ثابت ہو جائے تو تمہیں ماننا ہوگی۔ اگر آپ یہ رنگ اختیار کرتے ہیں تو نہ صرف آپ مومن ثابت ہو جاتے ہیں بلکہ آپ کی بات کو کوئی غلط ثابت کر ہی نہیں سکتا وہ بات غلط ثابت ہو ہی نہیں سکتی جس کے حق ہونے کا آپ دعویٰ کریں اور اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو جان لیں کہ اور شرک کیا ہے؟ آپ نے اللہ کے مقابلے پر ایک الگ وجود ہونے کا دعویٰ کر دیا اللہ نے حکم دیا کہ اللہ کا رنگ اختیار کرو لیکن آپ اللہ سے کفر کرتے ہوئے اس کے شریک بن رہے ہیں۔

یہاں تک آپ یہ بات جان چکے ہیں کہ اگر عقیدہ ختم نبوت جس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ محمد علیہ السلام آخری رسول اور نبی ہیں ان کے بعد کوئی نبی و رسول نہیں ،اس عقیدے کے حق ہونے کی بنیاد اور دلیل اکثریت کا اس پر متفق ہونا یا اکثریت کا اسے تسلیم کرنا ہے تو اس بنیاد پر یہ حق ثابت نہیں ہوتا بلکہ بالکل بے بنیاد و باطل ثابت ہو جاتا ہے اور نہ ہی اسے حق تسلیم کیا جا سکتا ہے اور اگر آپ اپنے اس عقیدے میں سچے ہیں تو آپ کو اسے حق ثابت کرنا ہوگا جو کہ ہے ہی ناممکن۔

پھر اس کے علاوہ اللہ قرآن میں ایک اور حکم دیتا ہے اور حق کیا ہے اس کی وضاحت کرتا ہے جیسا کہ درج ذیل آیت آپ دیکھ رہے ہیں۔

الَّذِیۡنَ یَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَیَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَہٗ ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ ہَدٰىہُمُ اللّٰہُ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمۡ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۔ الزمر ۱۸

ایسے لوگ جو خود ہی سن رہے ہیں جو بھی بات سامنے آتی ہے جو بھی حق کا دعویدار ہے ہر ایک کی بات سن رہے ہیں پس اس کے پیچھے چل رہے ہیں جس سے حسن کوئی نہیں یعنی وہ جو نہ صرف احسان کر رہا ہے کسی بھی قسم کا اجر نہیں طلب کر رہا کہتا ہے کہ میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کر رہا بلکہ مجھ پر تو کھول کھول کر پہنچا دینا ہے بلکہ اس سے بہتر کسی کی دعوت ہے ہی نہیں اس سے بہتر کسی کی بات ہے ہی نہیں تو جو اس کے پیچھے چل رہے ہیں اس کی اتباع کر رہے ہیں ایسے لوگ ہیں کہ ان کی راہنمائی اللہ کر رہا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں وہ جو اپنے مقصد و مشن یعنی حق کو پانے کے لیے دنیا میں جس مقصد کے لیے آئے ہیں اسے سمجھ کر پورا کرنے کے لیے اپنے الباب یعنی کانوں، آنکھوں اور دل سے معاونت حاصل کر رہے ہیں جو کسی بھی بات کسی بھی شئے کو کسی بھی نکتے کو حرف آخر سمجھ کر اسے دماغ میں ڈال کر تالا نہیں لگا لیتے بلکہ ہر لمحے اپنے کانوں، آنکھوں اور دل کو کھلا رکھتے ہیں اگر پہلے والی بات یا نظریے میں کوئی خامی، نقص و غلطی سامنے آتی ہے یا وہ غلط ثابت

ہو جاتا ہے تو اسے فوری دماغ سے نکال کر حق کو تسلیم کرتے ہیں اور ان کے برعکس جو اہل العقائد ہیں ان کی راہنمائی اللہ نہیں کر رہا بلکہ ان کی راہنمائی اللہ کے دشمن اللہ کے شریک شیاطین مجرمین کر رہے ہیں۔

اس آیت میں اللہ نے یہ بات بالکل کھول کر واضح کر دی کہ جو بھی حق کا دعویدار ہو کہیں سے بھی کوئی آواز بلند ہوتی ہے تو ایسا نہیں کہ اپنے کان اور آنکھیں بند کرلو بلکہ ہر کسی کی بات کو سنو جہاں سے بھی حق کا دعویٰ بلند ہو تو سنو اسے دیکھو اسے پرکھو اس میں غور کرو اور جس کی بات سب سے بہتر ہے اس کی اتباع کرو ایسا کرنے والوں کی اللہ ہدایت کر رہا ہے اور جو ایسا نہیں کرتے ان کی ہدایت اللہ نہیں بلکہ اللہ کے دشمن اللہ کے شریک مجرمین شیاطین کر رہے ہیں۔

اب آپ خود غور کریں کہ آپ کو کیا کرنا ہے؟ آیا کہ آپ نے اللہ کے حکم کو تسلیم کرنا ہے یا پھر اللہ کے حکم کا کفر کرتے ہوئے اندھوں کی طرح اکثریت کے پیچھے چلنا ہے، اپنی خواہشات کو ہی حق کا نام دیکر اپنے آباو اجداد سے جو نسل در نسل منتقل ہوا اس کی ہی نقل کرنی ہے اسی کی اتباع کرنی ہے؟ آیا آپ نے اولوالالباب میں سے ہونا ہے یا پھر اہل العقائد میں سے؟

اگر آپ خود کو مومن کہتے ہیں اور اللہ کا حکم نہیں مانتے، زبان سے تورات دن قرآن قرآن کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ عمل سے قرآن کو قرآن کی ہر بات کو اپنے جوتے کی نوک پر رکھتے ہیں تو جان لیں یہ آپ اللہ کو نہیں بلکہ خود اپنے ہی آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں آج تکبر میں آپ یہ کر تو رہے ہیں اور آپ کو کوئی فکر ہی نہیں لیکن کل کو آپ کے ہاتھ میں سوائے پچھتاوے کے کچھ نہیں رہے گا۔

اگر آپ واقعتاً مومن ہیں تو آپ کو اپنے عمل سے بھی اس کو ثابت کرنا ہوگا اللہ آپ کو جو حکم دے رہا ہے اسے ماننا ہوگا اہل العقائد کی بجائے اولوالالباب بننا ہوگا غور و فکر کرنا ہوگا جہاں سے بھی حق کا دعویٰ بلند ہو تو بغیر سنے دیکھے اس پر فتوے لگانے کی بجائے اس پر الزامات لگانے کی بجائے اس کی مکمل بات کو سننا ہوگا اسے سمجھنا ہوگا اور پھر جو احسن ہو جس سے بہتر کسی کی دعوت نہ ہو کسی کی بات نہ ہو اس کی اتباع کرنا ہوگی۔ آج وقت ہے اور یہ فیصلہ آج آپ کے اپنے اختیار میں ہے اگر آج آپ نے تکبر کیا تو کل کو دوبارہ یہ موقع آپ کو نہیں ملنے والا اس لیے انتہائی ٹھنڈے دماغ سے سوچیں غور و فکر کریں اگر آپ اللہ کی بات ماننے کی بجائے اللہ سے کفر کرتے ہوئے اندھوں کی طرح اکثریت کے پیچھے چلیں گے اندھوں کی طرح ملّاؤں کے پیچھے چلیں گے تو کل کو آپ کا انجام کیا ہوگا؟ آخر یہ آپ کس کو دھوکہ دیں گے؟ یہ آپ کس کا نقصان کریں گے؟

عقیدہ ختم نبوت یعنی محمد کے بعد کوئی نبی و رسول نہیں اس عقیدے کی بنیاد دو دلائل پر کھڑی ہے ان میں سے ایک تو یہ تھی جسے پیچھے اکھاڑ دیا گیا کہ امت محمد کی اکثریت کا اس پر اجماع ہے اکثریت کا عقیدہ ہے اس لیے اسے ماننا ہر ایک پر لازم ہے اور دوسری دلیل

قرآن کی سورت الاحزاب کی آیت نمبر ۴۰ کے من گھڑت تراجم و تفاسیر ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ‌ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا. الاحزاب ۴۰

ان دو دلائل کی بنیاد پر ان کا یہ عقیدہ کھڑا ہے اگر ان دونوں بنیادوں کو اکھاڑ دیا جاتا ہے ان کو غلط ثابت کر دیا جاتا ہے تو ان کے اس عقیدے کی خود بخود موت واقع ہو جاتی ہے بے بنیاد اور باطل ثابت ہو جاتا ہے۔ اور ان میں سے ایک دلیل کی حقیقت تو بالکل کھول کر واضح کی جا چکی اس کی تو بنیاد ہی ختم ہو چکی یعنی ان کی پہلی دلیل جس کی بنیاد پر اس عقیدے کے سچ و حق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اس کی بنیاد تو ہم نے اکھاڑ کر رکھ دی اس دلیل کی حقیقت آپ کے سامنے چاک کر کے رکھ دی اب آتے ہیں دوسری دلیل کی طرف اور اس کی حقیقت بھی آپ کے سامنے کھول کر رکھتے ہیں اور ہر لحاظ سے ہر پہلو سے اس عقیدے کی حقیقت چاک کر کے آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

سب سے پہلے آتے ہیں قرآن کی سورت الاحزاب کی آیت نمبر ۴۰ کی طرف جو کہ قرآن کی صرف یہی ایک آیت ان کے اس عقیدے کی بنیاد ہے قرآن سے صرف یہی ایک آیت ہے جس کی بنیاد پر یہ اس عقیدے کو اخذ کیے ہوئے ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ‌ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا. الاحزاب ۴۰

اس آیت کے جو تراجم کیے جاتے ہیں جن تراجم کی بنیاد پر یہ عقیدہ اخذ کیا جاتا ہے کہ محمد علیہ السلام آخری رسول اور نبی ہیں سب سے پہلے وہ تراجم آپ کے سامنے رکھتے ہیں تاکہ آپ پر بالکل کھل کر یہ بات واضح ہو جائے کہ کس قدر دھوکے کیساتھ اپنے باطل عقائد ونظریات کو تقویت فراہم کرنے کے لیے تراجم و تفاسیر کی صورت قرآن کیساتھ کھلواڑ کیا جاتا ہے اس کے من چاہے تراجم و تفاسیر کر کے اپنے باطل عقائد ونظریات کو بنیادیں فراہم کی جاتی ہیں۔

تراجم۔

تمام مکاتب فکر کے نزدیک معتبر ترین اور متفقہ ترجمہ جو کہ فتح محمد جالندھری کا ہے کا کہنا ہے۔

محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں بلکہ خدا کے پیغمبر اور نبیوں (کی نبوت) کی مہر (یعنی اس کو ختم کر دینے والے) ہیں اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔ فتح محمد جالندھری

محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں البتہ اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ احمد رضا خان بریلوی

(لوگو) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیّن ہیں، اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ ابوالاعلیٰ مودودی

تین تراجم آپ کے سامنے رکھے ان کے علاوہ جتنے بھی تراجم ہیں تمام کے تمام تراجم کا مرکز ومحور اور معنی یہی بنتے ہیں جو ان میں آپ کو نظر آ رہے ہیں یعنی ہر ترجمے میں صرف الفاظ کے چناؤ میں فرق نظر آئے گا مفہوم ایک ہی ہو گا اور الفاظ کا چناؤ آپ کو اس لیے الگ الگ نظر آئے گا تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ تمام کے تمام مترجمین نے ایک دوسرے کا ترجمہ نقل کر کے ہی اپنے نام سے پبلش کروایا ہے جس سے مترجم قرآن کے لقب سے محروم رہ جائیں گے۔ الفاظ کے چناؤ میں فرق کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ مترجم قرآن کا لقب حاصل کیا جا سکے ورنہ تمام کے تمام تراجم کا معنی ومفہوم ایک ہی ہے ایک ہی مرکز ومحور ہے۔

تراجم میں لفظ ابا کا ترجمہ والد یا باپ یعنی جنم دینے والا کیا گیا، خاتم کا معنی مہر یا آخری اور النبیّن کا ترجمہ تمام کے تمام نبی کیا گیا یعنی النبیّن جمع کا صیغہ ہے۔

سب سے پہلے آتے ہیں لفظ ابا کی طرف کہ کیا لفظ ابا کے معنی والد، باپ یعنی جنم دینے والے کے ہیں؟ کیونکہ والد اور باپ ان دونوں الفاظ کے معنی جنم دینے والے کے ہیں۔ عقیدہ ختم نبوت کے قائل تمام کے تمام مترجمین ومفسرین نے اس آیت میں لفظ ابا کے معنی والد یا باپ جس کے معنی ہیں جنم دینے والا کے کیے ہیں تو کیا لفظ ابا کے معنی یہی ہیں؟

سب سے پہلے قرآن ہی سے کچھ اعتراضات آپ کے سامنے رکھتے ہیں جو ان کے لفظ ابا کے معنی وتراجم کی حقیقت چاک کر دیتے ہیں اور ان کے تراجم ومعنی کو بے بنیاد، باطل اور غلط ثابت کر دیتے ہیں۔

مثلاً خود کو مسلمان کہلوانے والوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جس سے مراد یہ لیتے ہیں کہ اللہ اس قرآن کے ذریعے انسانوں سے کلام یعنی گفتگو کرتا ہے انسانوں سے خطاب، بات کرتا ہے۔ تو اسی بنیاد پر ہم ایک اعتراض آپ کے سامنے رکھتے ہیں کہ کیا اللہ کو علم نہیں تھا کہ محمد کی وفات کے بعد بھی وہ اس قرآن کے ذریعے انسانوں سے کلام کرے گا تو جب محمد کی وفات ہو گئی اس کے بعد بالخصوص آج چودہ صدیاں بعد اللہ موجودہ انسانوں کو اس قرآن کے ذریعے یہ کہہ رہا ہے کہ محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں یعنی جنم دینے والے نہیں ہیں کیا ہر انسان کو نہیں علم کہ ظاہر ہے وہ والد ہو بھی کیسے سکتے ہیں جو شخص چودہ صدیاں قبل وفات پا چکا ہو وہ آج کسی کا والد کیسے ہو سکتا ہے؟ تو ایسی صورت میں کیا اللہ ایسا کہے گا؟

اگر اس کے باوجود یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اللہ ایسا کہہ رہا ہے تو آپ خود فیصلہ کریں کہ اگر ایک شخص چودہ صدیاں قبل وفات پا گیا اور چودہ صدیاں بعد کوئی آپ سے کہے کہ وہ شخص جو آج سے چودہ صدیاں قبل وفات پا چکا وہ تم میں سے کسی مرد کا والد نہیں کیا یہ انتہائی بے وقوفانہ وجاہلانہ بات نہیں ہے؟ کیا ایسا کہنے والے کا ذہنی توازن ٹھیک ہو سکتا ہے؟

ایسا تو صرف اور صرف وہاں کہا جا سکتا ہے جہاں ممکنات ہوں یعنی ممکن ہو تو۔ جب محمد علیہ السلام چودہ صدیاں قبل وفات پا چکے آج ان کا کسی کو جنم دینا ہے ہی ناممکنات میں سے تو پھر ایسا کہنے والا تو کوئی پاگل ہی ہو سکتا ہے جس کا ذہنی توازن درست نہ ہو۔

اور پھر اگر یہ کہا جائے کہ جی اس آیت میں یہ کہا جا رہا ہے کہ محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں تھے یعنی ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے تو اس بنیاد پر

بھی یہ بات یہ دعویٰ غلط ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ ہر مسلمان کہلوانے والا اس بات کو جانتا اور تسلیم کرتا ہے کہ محمد علیہ السلام نے تین مردوں کو جنم دیا تھا۔ اور پھر اگر یہ بھی کہا جائے کہ جی بات بالغ مردوں کی ہو رہی ہے رجال بالغ مردوں کو کہتے ہیں تو پھر بھی یہ بات واضح ہے کہ کیا آج تک کسی نے ایسا دعویٰ کیا کہ محمد علیہ السلام کسی بالغ مرد کے والد تھے جو قرآن اس دعوے کی نفی کر رہا ہے؟ جب آج تک ایسا کسی نے دعویٰ کیا ہی نہیں، ہر کسی کو علم ہے کہ تین لڑکے ہوئے لیکن بلوغت سے قبل ہی وفات پا گئے تو قرآن ایسا کیوں کہے گا؟ آخر کوئی وجہ تو ہونی چاہیے نا؟ یا پھر اللہ نے قرآن میں یہ بات بغیر کسی وجہ کے بیان کر دی؟ اگر ایسا ہے تو اللہ کا قرآن میں یہ دعویٰ غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآن اللہ کی طرف سے اتارا گیا ہے کیونکہ اس میں اختلافات سامنے آ جائیں گے اور اللہ نے کہا کہ اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو تم اس میں اختلافاً کثیرا پاتے۔ ایک طرف اللہ قرآن میں کہتا ہے کہ اللہ جو بھی کرتا ہے حق کیساتھ کرتا ہے یعنی بغیر کسی مقصد کے نہیں کرتا جو بھی کرتا ہے اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے اور یہاں ایک بات بغیر مقصد کے کی جا رہی ہے یوں تو قرآن میں اختلاف ثابت ہو کر قرآن ہی غیر اللہ کا کلام ثابت ہو جاتا ہے۔

پھر سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ یہ اعتراضات تو تب اٹھائے جا سکتے ہیں کہ ماضی کا صیغہ ہے یا بالغ مردوں کی بات ہو رہی ہے جب آپ کے تراجم میں یہ بات کی گئی ہو؟ آپ کے تراجم میں تو حال کی بات ہو رہی ہے یعنی جب جب دنیا میں جو جو لوگ موجود ہیں قرآن ان سے خطاب کر رہا ہے جیسے آج جو موجود ہیں تو قرآن کا خطاب ان سے ہے۔

آپ کے تراجم میں تو بالکل واضح دوٹوک الفاظ میں موجودہ انسانوں سے خطاب کرتے ہوئے انہیں کہا جا رہا ہے محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں۔

اور پھر جب ان کے سامنے یہ بات آتی ہے کہ محمد علیہ السلام نے تو تین لڑکوں کو جنم دیا یعنی تین مردوں کے والد تھے تو پھر کہتے ہیں کہ یہاں آیت میں رجال کا لفظ آیا ہے جس کے معنی بالغ مرد کے ہیں اور محمد علیہ السلام کے تینوں لڑکے بالغ ہونے سے پہلے ہی وفات پا گئے اس لیے وہ کسی بالغ مرد کے والد نہیں تھے اور اس آیت میں اللہ نے بالغ مرد کے والد ہونے کی نفی اس لیے کی کیونکہ اللہ نے محمد علیہ السلام پر رسالت و نبوت ختم کرنا تھی اور اگر محمد علیہ السلام کسی بالغ مرد کے والد ہوتے تو پھر نبوت ختم نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ نبی کا بیٹا بھی نبی ہو سکتا ہے جیسے ماضی میں دیکھیں ابراہیم کے بیٹے پھر ان کے بیٹے اس طرح نسل در نسل نبوت چلتی رہی۔ اللہ نے نبوت کا دروازہ بند کرنا تھا اس لیے اللہ نے محمد علیہ السلام کے بیٹوں کو بالغ ہونے سے پہلے ہی وفات دے دی۔

اگر ان کی اس بات کو اس دلیل کو مان لیا جائے کہ اللہ نے نبوت کا دروازہ بند کرنا تھا اس لیے محمد علیہ السلام کے لڑکوں کو وفات دے دی تو یہاں سوال یہ پیدا ہوتا کہ کیا اللہ کو پہلے اس بات کا علم نہیں تھا؟ کیا بچوں کو خلق کرنے سے پہلے اللہ کو علم نہیں تھا کہ نبوت کا دروازہ بند کرنا ہے اس لیے محمد کو لڑکا نہ دیا جائے؟ اور بعد میں اللہ کو یاد آیا کہ اوہ غلطی ہو گئی لڑکوں کی پیدائش نہیں ہونی چاہیے تھی کیوں کہ نبوت کا دروازہ بند جو کرنا ہے اگر یہ زندہ رہے تو یہ بھی نبی بن سکتے ہیں اس لیے اب اس غلطی کو سدھار لیا جائے اور اس کے لیے ظلم کیا جائے ان لڑکوں کو موت دے دی جائے یعنی اسطرح ایک تو اللہ سبحان نہیں یہ ثابت ہو جاتا ہے اور دوسری بات کہ اللہ ظالم بھی ہے؟

اور جب لڑکوں کی پیدائش اور موت پر یہ بات کی جائے تو ایک نئی منطق سامنے لے آتے ہیں کہ اللہ کو علم تھا لیکن اللہ نے لڑکے اس لیے دیئے تاکہ دشمن محمد علیہ السلام کو کوئی طعنہ نہ دے سکیں کہ محمد میں جنسی کمزوری ہے اس لیے اس کے ہاں کوئی لڑکا نہیں یا پھر لڑکا نہ ہونے کا طعنہ و ملامت نہ کر سکیں۔ اگر ان کی اس بات کو مان لیا جائے تو اس کا مطلب کہ اللہ مشرکین کی ملامتوں کی پرواہ کرتا ہے؟ اللہ مشرکین کی ملامتوں کی پرواہ کرتے ہوئے اپنا قانون ہی بدل لیتا ہے؟ اور اگر اللہ کو مشرکین کی ملامتوں کی اتنی ہی پرواہ تھی تو جب مریم پر اتنا بڑا الزام لگا جب مریم کو ملامت کیا گیا زانیہ کہا گیا عیسیٰ کو حرام زادہ کہا گیا کہ یہ حرام کی اولاد ہے تب وہ اللہ کہاں گیا تھا؟ تب اللہ کو ملامت کی پرواہ نہیں تھی؟

اور اگر اس سب کے باوجود بھی ان کی بات کو مان لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان تینوں لڑکوں نے نبی ہونا تھا؟ موت تو اس کو دی جاتی جس کے نبی بننے کی امید تھی مگر موت تو تینوں کو دے دی گئی تو باقیوں کا کیا قصور تھا؟

حالانکہ خود محمد کے الفاظ ہیں اپنے ایک بیٹے کے بارے میں کہ اگر وہ زندہ رہتا تو نبی ہوتا۔ اس سے بھی کئی باتیں کھل کر سامنے آ جاتی ہیں اول تو یہ کہ اگر محمد علیہ

السلام کے بعد نبی آنا ہی نہیں تھا نبوت کا دروازہ بند کرنا تھا تو پھر محمد علیہ السلام نے ایسا کیوں کہا کہ اگر زندہ رہتا تو نبی ہوتا؟ حالانکہ اس کے برعکس یہ کہنا چاہیے تھا کہ اگر زندہ رہتا تب بھی نبی نہیں ہوسکتا کیونکہ نبوت کا دروازہ جو بند کر دیا گیا لیکن محمد نے ایسا نہیں کہا تھا بلکہ اس کے بالکل الٹ کہا جس سے نبوت کے بند ہونے کی نفی ہوتی ہے۔

پھر دوسری بات محمد کے تین لڑکے تھے مگر صرف ایک کے بارے میں کہا کہ اگر زندہ رہتا تو نبی ہوتا اس کا مطلب باقی دو نبی نہیں بن سکتے تھے اور اگر لڑکوں کو موت محض اس لیے دی گئی تھی کہ کہیں زندہ رہے تو نبوت جاری رہ سکتی ہے نبوت کا دروازہ بند کرنا تھا تو پھر اس بنیاد پر صرف اسے ہی موت دی جاسکتی تھی جس کے نبی بننے کی امید تھی نہ کہ باقیوں کو بھی موت دے دی جاتی۔

پھر اگر لڑکے اس لیے دیئے تاکہ مشرکین یہ طعنہ نہ دے سکیں کہ محمد میں جنسی کمزوری ہے اس کے ہاں لڑکا نہیں تو پھر تین تین لڑکے دینے کی کیا ضرورت تھی اس طعنے وملامت کا رد تو ایک ہی لڑکے سے ہوسکتا تھا اس کے باوجود تین لڑکے کیوں دیئے؟

یوں آپ نے جان لیا کہ آپ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے جتنے بھی جتن کرلیں نہ صرف وہ جھوٹ چھپ نہیں سکتا بلکہ اسے چھپانے کے لیے یا اسے حق ثابت کرنے کے لیے جو بھی جتن کریں گے وہ سب کا سب بھی باطل وخرافات ہی ہوں گی جن کو آپ اپنے بے بنیاد و باطل عقائد ونظریات کو حق ثابت کرنے کے لیے بطور دلائل پیش کرتے ہیں ان کی تو اپنی کوئی بنیاد نہیں تو وہ دلائل کیسے بن سکتے ہیں۔

بڑھتے ہیں آگے اور لفظ ابا کے ان کے تراجم پر قرآن سے ایک اور ایسا اعتراض سامنے لاتے ہیں جو نہ صرف لفظ ابا کی کھول کر وضاحت کر دیتا ہے بلکہ ان کی من گھڑت کہانیوں کی بنیادیں ہی اکھاڑ دیتا ہے۔

سورت الحج کی آیت نمبر ۷۸ میں اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کے بعد آنے والے ہر دور کے لوگوں کا ابا قرار دیا جیسا کہ آیت آپ کے سامنے ہے۔

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ . الحج ۷۸

ملت تھی تمہارے ابا ابراہیم تھے یعنی یہ جو تم محمد کی ملت کے دعویدار بنے ہوئے ہو یہ ملت نہیں ہے تمہارے ابا محمد نہیں تھے بلکہ تمہارے ابا ابراہیم تھے ان کی ملت تھی۔

اللہ انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے انہیں ابراہیم علیہ السلام کو اپنا ابا بنانے کا حکم دے رہا ہے اور مومن وہ ہیں جو ابراہیم علیہ السلام کو اپنا ابا بناتے ہیں۔ اب ذرا غور کریں اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام کو آپ کا بھی ابا قرار دیا گیا تمام انسانوں کا ابا قرار دیا گیا تو کیا ابراہیم علیہ السلام نے تمام انسانوں کو جنم دیا وہ تمام انسانوں کے والد باپ ہیں؟؟؟

اگر نہیں تو پھر اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ ابا کے معنی والد یا باپ یعنی جنم دینے والے کے نہیں ہیں ہاں البتہ والد کو بھی ابا کہا جاسکتا ہے لیکن تب جب وہ ابا ہوگا۔

اب اس کے باوجود اگر لفظ ابا کے معنی والد یا باپ یعنی جنم دینے والے کے کیے جاتے ہیں تو لامحالہ آپ کو یہی معنی یہاں اس آیت میں بھی کرنا ہوں گے اگر تو یہاں لفظ ابا کے معنی والد یا باپ کے کیے جاسکتے ہیں تو پھر وہاں بھی یہی معنی لیے جائیں گے کسی کو بھی اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہوگا اور نہ ہی کوئی اعتراض کرسکے گا لیکن اگر یہاں لفظ ابا کے معنی والد یا باپ کے نہیں کیے جاسکتے تو پھر اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ لفظ ابا کے معنی والد، باپ یعنی جنم دینے والا نہیں بلکہ کچھ اور ہیں۔

یہی لفظ ابا قرآن میں مزید بہت سے مقامات پر آیا ہے آپ دیکھیں اور خود فیصلہ کریں کہ اگر لفظ ابا کے معنی والد باپ یعنی جنم دینے والے کے ہیں تو کیا ان تمام مقامات پر بھی اس کے یہی معنی کیے جاسکتے ہیں اگر ممکن ہے تو پھر آپ خود بھی کوشش کر کے دیکھیں اور اگر ممکن نہیں تو پھر یہ بات جان لیں کہ کسی بھی صورت لفظ ابا کے معنی والد باپ یعنی جنم دینے والے کے نہیں ہیں۔

قرآن میں جن مقامات پر لفظ ''اب'' کا استعمال کیا گیا وہ آپ کے سامنے ہیں۔

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا. البقرة ۱۳۳

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ . البقرة ۱۷۰

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَ كُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا. البقرة ۲۰۰

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ. النساء ۲۲

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ. المائده ۱۰۴

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَامِنْ شَيْءٍ . الانعام ۱۴۸

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ. الاعراف ۲۷

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَ نَا. الاعراف ۲۸

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ. الاعراف ۷۰

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ. الاعراف ۷۱

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَ نَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ. الاعراف ۹۵

اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ. الاعراف ۱۷۳

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ. يونس ۷۸

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ. هود ۶۲

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ. هود ۸۷

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ. هود ۱۰۹

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ. يوسف ۳۸

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ. ابراهيم ۱۰

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ. النحل ۳۵

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَ هُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ. الانبياء ۴۴

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ. الانبياء ۵۳

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ. الانبياء ۵۴

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَ هُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَ هُمُ الْاَوَّلِيْنَ. المومنون ۶۸

لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ . المومنون ۸۳

قَالَ رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ. الشعراء ٢٦

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ. الشعراء ٧٤

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ. الشعراء ٧٦

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ءَ اِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ. النمل ٦٧

لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ. النمل ٦٨

فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ. القصص ٣٦

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ. لقمان ٢١

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ. سباء ٤٣

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ. يٰس ٦

اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ. الصافات ١٧

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَ هُمْ ضَآلِّيْنَ. الصافات ٦٩

اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ. الصافات ١٢٦

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ. الزخرف ٢٢

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ. الزخرف ٢٣

قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ. الزخرف ٢٤

بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ. الزخرف ٢٩

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ. الدخان ٨

فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ. الدخان ٣٦

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ. الجاثيه ٢٥

اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى. النجم ٢٣

اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ. الواقعه ٤٨

یہ قرآن سے چند آیات ہیں ان تمام آیات میں لفظ ابا کا استعمال ہوا ہے ان میں سے کسی آیت میں بھی آپ لفظ ابا کے معنی والد یا باپ نہیں کر سکتے کیونکہ قرآن ان معنوں کو قبول نہیں کرے گا یعنی یہ آیات اس معنی کو مسترد کر دیں گی اور جب آپ ان آیات میں غور کریں تو ان آیات میں مومنوں کے لیے جو صالحین ہیں انہیں ان کے ابا قرار دیا اور جو مشرکین ہیں جو فساد کرنے والے ہیں ان کے ابا ان قوموں کو ان لوگوں کو قرار دیا گیا جو الاولین تھے جو زمین میں فساد کرنے کے سبب ہلاک ہوئے جس سے یہ آیات خود ہی لفظ ابا کی وضاحت کر دیتی ہیں کہ جس کی ملت پر آپ چلیں گے وہی آپ کا ابا کہلائے گا یعنی جس کی سنت طریقے پر آپ چلیں گے اپنی زندگی گزاریں گے وہی آپ کا ابا کہلائے گا۔

اب آتے ہیں لفظ ابا کے اصل معنی کی طرف اور حقیقت آپ پر ہر لحاظ سے کھول کر واضح کر دیتے ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ. الاحزاب ۴۰

مَا كَانَ اللہ نے قانون میں ہی نہیں کیا مُحَمَّدٌ محمد جب تک موجود تھا اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ ابا کسی ایک کا بھی تمہارے بالغ بااختیار مردوں سے وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ اور لیکن رسول تھا یعنی بھیجا ہوا تھا اللہ کا اور تمام کے تمام بعد میں آنے والے نبیوں کا فلٹر جب تک کہ اگلا رسول خاتم النبیّن نہیں بعث کر دیا جاتا۔ یا بالکل آسان الفاظ میں یوں کہہ لیں کہ نہیں تھے محمد ابا کسی ایک کے بھی تمہارے بااختیار بالغ مردوں سے اور لیکن اللہ کے رسول تھے اور خاتم النبیّن تھے۔

اس آیت میں انتہائی قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ نے یہ کیوں کہا کہ محمد تمہارے رجال یعنی بااختیار بالغ مردوں میں سے کسی ایک کے بھی ابا نہیں تھے؟ اللہ نے ایسا کیوں کہا؟ اس کو سمجھنا بہت ضروری ہے اور اسے تب تک نہیں سمجھا جا سکتا جب تک کہ لفظ ابا کو نہ سمجھ لیا جائے۔ آج تک جتنے بھی تراجم و تفاسیر کیے گئے اور جن لوگوں نے بھی قرآن کو بیان کرنے کا دعویٰ کیا تو ان کی اکثریت ایسی ہے کہ انہوں نے لفظ ابا کا معنی والد یا باپ کر دیا۔

والد لفظ عربی کا ہے جو اردو میں استعمال ہوتا ہے اور باپ لفظ اردو کا ہے یہ دونوں الفاظ والد اور باپ اردو میں جنم دینے والے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اردو میں لفظ ابا بھی استعمال ہوتا ہے اور لفظ ابا کو بھی جنم دینے والے کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے جو کہ غلط العام ہے اسی وجہ سے قرآن میں اس آیت میں لفظ ابا کو والد، باپ کے معنی میں لے لیا گیا جس سے بہت بڑا نقصان ہوا۔

اللہ نے اسی قرآن میں قرآن کو الحکیم کہا جیسا کہ درج ذیل آیت میں واضح ہے۔

وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ. یٰس ۲

قرآن اللہ کا کلام ہے جب اللہ الحکیم ہے نہ صرف الحکیم بلکہ العزیز الحکیم تو پھر اللہ کا کلام کیسے العزیز الحکیم نہیں ہو سکتا؟ پھر لامحالہ اللہ کا کلام قرآن بھی العزیز الحکیم ہے۔

حکیم حکم سے ہے جس کے معنی ہیں کیا، کب، کہاں، کیوں، کیسے، کتنا اور کس لیے وغیرہ سمیت سوالات کے جوابات کا علم ہونے کو یعنی اگر کوئی کام کرنا ہے تو کب کرنا ہے اس کا فیصلہ کرنا، کیوں کرنا ہے اس کا فیصلہ کرنا، کس لیے کرنا ہے اس کا فیصلہ کرنا، کتنا کرنا ہے اس کا فیصلہ کرنا۔

حکیم کے معنی کیا ہیں ہم ایک مثال سے آپ کے سامنے رکھتے ہیں مثلاً آپ نے کوئی مشین بنانی ہے تو اس کے لیے جو جو کچھ درکار ہو گا وہ علم کہلائے گا اور اس علم کا استعمال کب کتنا کہاں کیسے اور کیوں کیا جائے کہ بہترین مشین تیار ہو جائے یہ حکمہ کہلاتی ہے یعنی علم کا کب کہاں کیسے کیوں اور کتنا استعمال کیا جائے کہ مطلوب حاصل ہو جائے اسے عربی میں حکمہ کہتے ہیں جس میں حکمہ ہو اور اسے استعمال کر رہا ہو تو اسے حکیم کہا جائے گا۔ جتنے بھی حکیم ہیں ان میں جو خاص ہو وہ الحکیم کہلائے گا۔

اسی طرح ایک اور مثال لے لیتے ہیں مثلاً آپ کو کھانا بنانا ہے تو کھانا بنانے کے لیے کیا کیا اور کتنا کتنا چاہیے یہ علم کہلائے گا اور اس علم کا ایسا استعمال کہ مطلوبہ بہترین کھانا تیار ہو جائے یہ حکمہ کہلاتی ہے یعنی کب آگ جلانی ہے کب برتن رکھنا ہے کب گھی ڈالنا ہے اسی طرح کب کب کیا ڈالنا اور کتنا کتنا پکانا ہے یہاں تک کہ بہترین مطلوبہ کھانا بن جائے یہ حکمہ کہلاتی ہے اور جس میں حکمہ موجود ہو وہ حکیم کہلاتا ہے اور اگر لفظ حکیم کے ساتھ الف لام کا استعمال ہو جائے جس سے الحکیم بن جاتا ہے عربی میں الف لام کسی شئے کو مخصوص کرنے یا منفردیت کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن الحکیم ہے یعنی قرآن میں اللہ نے جو جو الفاظ استعمال کیے ان میں اور ان کی ترتیب وغیرہ میں انتہا درجے کی حکمت پوشیدہ ہے۔ جیسے اس آیت میں لفظ ابا استعمال کیا گیا تو یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اگر اس آیت میں جنم دینے والے کا ذکر کیا جاتا تو اس کے لیے لفظ ولد کا استعمال کیا جاتا مگر یہاں لفظ ولد کا استعمال نہیں کیا گیا بلکہ اس کے برعکس ابا کا استعمال کیا گیا اگر قرآن کو پڑھتے، سمجھتے اور اس میں غور و فکر کرتے وقت ان باتوں کا خیال نہیں رکھیں گے الفاظ کے استعمال کو معمولی سمجھیں گے اور لاپرواہی کا مظاہرہ کریں گے الفاظ میں رائی برابر بھی تبدیلی کریں گے زیر زبر تک کے فرق کو نظر انداز کریں گے الفاظ کی ترتیب کو نظر انداز کریں گے تو بلاشک وشبہ یہ عمل قرآن کے الحکیم ہونے کا کفر ہو گا قرآن اللہ کا کلام ہے تو لامحالہ عمل سے اللہ کے الحکیم ہونے کا بھی کفر ہو گا۔

جولوگ اللہ کے رکھے ہوئے فرق کونظر انداز کرتے ہیں اس میں تبدیلیاں کرتے ہیں وہ فاسق کہلاتے ہیں اور فاسقوں کے لیے اللہ کے قانون میں ہدایت ہے ہی نہیں۔ظاہر ہے جب آپ بات کواس کے مقام سے بدل دیں گے اس میں تبدیلی کردیں گے یا اس میں رائی برابر بھی فرق نظر انداز کریں گے تو آپ اصل نتیجے تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟ آپ کبھی بھی اصل نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے۔

اللہ نے آیت میں لفظ ابا کا استعمال کیا مگر آج تک قرآن کے الحکیم ہونے کا کفر کرتے ہوئے اس کا معنی ہی بدل دیا گیا اور نہ ہی اس لفظ کو کوئی اہمیت دی گئی۔ ابھی تو ہم اس ایک لفظ کی بات کررہے ہیں لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کی کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں ملے گی جس کے ساتھ یہ سلوک نہ کیا گیا ہو۔ ہر لفظ اور ہر آیت میں قرآن کے الحکیم ہونے کا کفر کیا گیا ذرا برابر بھی اس بات پر توجہ نہ دی گئی کہ اللہ نے اگر ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں تو ان کے استعمال کا آخر کوئی نہ کوئی مقصد تو ضرور ہوگا۔

اس آیت میں یہ نکتہ انتہائی قابل توجہ اور غیر معمولی ہے کہ اللہ نے محمد علیہ السلام کے بارے میں یہ کیوں کہا کہ وہ تمہارے رجال یعنی بااختیار بالغ مردوں میں سے کسی ایک کے بھی ابا نہیں تھے؟

ابا کہتے ہیں جس کی تربیت پر چلا جائے مثلاً ایک شخص اس کو جنم دینے والا یعنی اس کا والد وفات پا جاتا ہے یا وہ اپنے بچے کی تربیت نہیں کرتا تو جو بھی شخص اس بچے کی تربیت کرے گا جس کی تربیت پر بچہ چلے گا وہ اس کے لیے اس کا ابا کہلائے گا۔اگر ایک شخص نہ صرف بچے کو جنم دیتا ہے بلکہ اس کی تربیت بھی کرتا ہے تو وہ اس کا والد ہی نہیں بلکہ ابا بھی کہلائے گا۔

اور کوئی بھی شخص بچے کی وہی تربیت کرتا ہے جو وہ خود ہوتا ہے بچہ اس کے کردار کو نقل کرتا ہے تو کسی شخص کا کردار یعنی جس طرح وہ دنیا میں زندگی گزارتا ہے کیا کیا کیسے کیسے کرتا ہے اس کے زندگی گزارنے کا مکمل طریقہ عربی میں ملت کہلاتی ہے۔

جس کی ملت پر چلا جائے گا وہ آپ کا ابا کہلائے گا یعنی جسے آپ اپنے لیے رول ماڈل بناؤ گے عربی میں وہ آپ کا ابا کہلائے گا اور یہی وہ وجہ ہے جس وجہ سے اللہ نے یہ کہا کہ محمد تمہارے رجال یعنی بالغ خود مختار مردوں میں سے کسی ایک کے بھی ابا نہیں تھے یعنی تم میں سے کسی ایک مرد کے لیے بھی ایسا نہیں کہ وہ محمد کی ملت پر چلے یعنی محمد کو اپنا ابا بنائے کیونکہ تمہارے ابا یعنی وہ شخصیت جس کی ملت پر چلنا ہے جسے تمہارے لیے رول ماڈل بنایا ہے وہ محمد نہیں کوئی اور ہے اور اللہ نے پورے قرآن میں صرف ایک ہی شخصیت کا نام لیا کہ وہ ہیں تمہارے ابا اور وہ شخصیت ہے ابراہیم علیہ السلام جیسا کہ آپ اس آیت میں دیکھ رہے ہیں۔

مِلَّةَ اَبِيۡكُمۡ اِبۡرٰهِيۡمَ . الحج ۷۸

ملت تھی تمہارے ابا ابراہیم تھے یعنی یہ جو تم محمد کی ملت کے دعویدار بنے ہوئے ہو یہ ملت نہیں ہے تمہارے ابا محمد نہیں تھے بلکہ تمہارے ابا ابراہیم تھے ان کی ملت تھی تمہارے ابا ابراہیم ہیں۔

اور اسی لیے اللہ نے بار بار ابراہیم کی ملت کی اتباع کا حکم دیا جیسا کہ آپ درج ذیل آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَقَالُوۡا كُوۡنُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى تَهۡتَدُوۡا ؕ قُلۡ بَلۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهٖمَ حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ. البقرة ۱۳۵

وَقَالُوۡا اور کہہ رہے ہیں یعنی آج جب آپ اپنے اردگرد نگاہ دوڑائیں تو ہر کوئی آپ کو یہ کہتا ہوا نظر آئے گا كُوۡنُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى تَهۡتَدُوۡا جو یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہم تو ہیں ہی ہدایت یافتہ کیا اور وہ جو ان کی نصرت کررہے ہیں اگر تم ان میں سے ہو رہے ہو تو تم ہدایت پارہے ہو ورنہ تم ہدایت نہیں پارہے بلکہ گمراہ ہو۔

آپ اپنے اردگرد نگاہ دوڑائیں تو آپ کو انسانوں میں دو بنیادی گروہ نظر آئیں گے ایک وہ جن کا دعویٰ ہے کہ ہم تو ہیں ہی ہدایت یافتہ اور دوسرے وہ ہیں جو اندھوں کی طرح ان کے پیچھے چل کر ان کی تعداد بڑھا کر اور انہیں چندے دیکر ان کی نصرت کررہے ہیں اور یہ دونوں طرح کے لوگ طرح طرح کے فرقوں میں تقسیم ہیں تو جو مشرک ہوتا ہے وہ ان کا شکار ہو جاتا ہے اور جو مومن ہوتا ہے وہ ان کی اتباع کرنے کی بجائے ان کی طرح فرقہ پرست مشرک بننے کی بجائے انہیں یہ جواب دیتا ہے جو اسے اللہ کہہ رہا ہے قُلۡ بَلۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهٖمَ حَنِيۡفًا کہہ نہیں تم سچے نہیں ہو یہ حق نہیں ہے یہ وہ ملت نہیں ہے جس پر تم چل رہے ہو اور مجھے بھی اس پر چلنے کا کہہ رہے ہو لوگوں کو بھی اس کی دعوت دے رہے ہو بلکہ حق تو یہ ہے کہ ملت تھی ابراہیم کی ہر طرف سے ہر لحاظ سے کٹ کر یک رخ ہو کر قائم

ہونا دین کے لیے اور دین تھا فطرت وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اور جو اس طرح ہر طرف سے کٹ کر یک رخ ہو کر ملت ابراہیم کی اتباع کرتا ہے تو وہ نہیں مشرکین میں سے کیونکہ ابراہیم مشرکین میں سے نہیں تھا۔

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. آل عمران ۹۵

کہہ سچ وہ ہے جو اللہ کہہ رہا ہے اور اللہ وہ نہیں کہہ رہا جو تم لوگ کہہ رہے ہو تم لوگ فرقہ در فرقہ تقسیم ہو اور اندھوں کی طرح اپنے آباؤ اجداد کے پیچھے چل رہے ہو جس پر تم لوگوں نے انہیں پایا اسی پر چل رہے ہو اور تم میں سے ہر کسی کا یہی دعویٰ ہے کہ ہمارے فرقے میں آ جاؤ یہی حق ہے اور باقی سب باطل ہے تو یہ حق نہیں ہے یہ سچ نہیں ہے تم لوگ سچے نہیں بلکہ اللہ سچ کہہ رہا ہے اللہ ہے جو سچا ہے اللہ کی بات سچی ہے اور اللہ کی بات یہ ہے کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے پس اتباع کرو ابراہیم کی ملت کی ہر طرف سے کٹ کر بالکل یک رخ ہو کر اور ابراہیم نہیں تھا مشرکین میں سے تو جو بالکل ابراہیم کی طرح اس کی ملت پر چلے گا تو وہ مشرکین میں سے نہیں اور جو ابراہیم کی بجائے کسی اور کی ملت پر چلے گا یا اپنا رخ دین جو کہ فطرت تھی سے اِدھر اُدھر کرے گا تو وہ مشرکین میں سے ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا. النساء ۱۲۵

اور کون سا دین احسن ہے اس دین سے کہ اپنے رخ کو الٰہ کے لیے کر کے خود کو مکمل طور پر جھکا دیا جائے اور جو کچھ بھی اپنا وجود رکھتا ہے یعنی جو کہ اللہ کا وجود ہے اس میں دیکھو ہر کوئی احسان کر رہا ہے تو جو بھی اپنا رخ الٰہ کے لیے کر کے خود کو مکمل طور پر جھکا دیتا ہے تو وہ محسن ہے اور اس نے اتباع کی ابراہیم کی ملت کی ہر طرف سے کٹ کر اور اخذ کیا اللہ نے ابراہیم کو خلیل یعنی جو بھی ابراہیم کی ملت کی اتباع کرتا ہے ہر طرف سے کٹ کر تو اللہ اسے اپنا خلیل اخذ کر لیتا ہے۔

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. الانعام ۱۶۱

کہہ اس میں کچھ شک نہیں میں جو بھی کر رہا ہوں جس دین پر چل رہا ہوں میری ہدایت میرا ربّ کر رہا ہے ان لائنوں کی طرف جو قائم کرنے والی ہیں ایک ہی دین ہے جس پر قائم ہونا ہے ہر طرف سے کٹ کر یک رخ ہو کر وہ ملت تھی ابراہیم کی اور نہیں تھا ابراہیم مشرکین میں سے اور نہ ہی وہ مشرک ہو سکتا ہے جو ہر طرف سے کٹ کر بالکل یک رخ ہو کر ملت ابراہیم پر چل رہا ہو۔

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. النحل ۱۲۳

پھر کیا کیا ہم نے؟ وحی کی ہم نے تیری طرف کہ جس کی اتباع کرنی ہے وہ ملت تھی ابراہیم کی، ہر طرف سے کٹ کر یک رخ ہو کر ابراہیم کی ملت کی اتباع کرنی ہے اور نہیں تھا ابراہیم مشرکین میں سے یعنی ابراہیم نے اپنا رخ رائی برابر بھی اپنے ربّ سے نہیں ہٹایا اپنے دین سے نہیں ہٹایا تو جو بھی ہر طرف سے کٹ کر بالکل یک رخ ہو کر ابراہیم کی ملت کی اتباع کرتا ہے تو وہ مشرکین میں سے نہیں اور جو بھی ابراہیم کی بجائے کسی اور کی ملت پر چل رہے ہیں تو وہ سب کے سب مشرکین میں سے ہیں۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ. البقرة ۱۳۰

اور جو چاہتا ہے، خواہش کرتا ہے، کوشش کرتا ہے، طالب ہوتا ہے، حاصل کرنے کے لیے کوشش کرتا ہے اس کی طرف بڑھتا ہے، جو اسے دیا گیا اس کا استعمال کرتا ہے، اپنا رخ کسی کی طرف کرتا ہے ابراہیم کی ملت کے برعکس کسی کی بھی طرف مگر وہی ایسا کرتا ہے جس کا دماغ کام نہیں کرتا جو بے وقوف ہے اور تمہیں یہ حق حاصل ہے کہ تم اپنی تحقیق کر لو یہی بات تمہارے سامنے آئے گی جو ہم کہہ رہے ہیں جو کہ قدر میں کر دیا گیا کہ عالمین میں سے ان کو چن لیا گیا دنیا میں جو ہر طرف سے کٹ کر یک رخ ہو کر ابراہیم کی ملت کی اتباع کرتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں ہر طرف سے کٹ کر ملت ابراہیم کی اتباع کرنے والا آخرت میں بھی اس کا مقام و مرتبہ درجہ صالحین میں سے ہوگا۔

آپ نے دیکھ لیا کہ پورے قرآن میں اللہ نے کہیں پر بھی محمد کی ملت کی اتباع کا حکم نہیں دیا بلکہ اللہ نے تو ابراہیم کی ملت کی اتباع کرنے کا حکم دیا کیونکہ ابا محمد نہیں بلکہ ابا ابراہیم کو بنایا گیا اور محمد تو محض رسول تھا یعنی محمد تو آ کر کھول کھول کر واضح کرنے آیا تھا کہ ابا ابراہیم کی ملت ہے کیا کیونکہ اس وقت ضلالِ مبینِ تھیں کسی ایک کو بھی حق کا علم نہیں تھا تو اللہ نے محمد کو کھڑا کیا تا کہ محمد کے ذریعے ابا ابراہیم کی ملت کو کھول کھول کر واضح کر دیا جائے ان کے سامنے محمد کی صورت میں عملی طور

پر ابراہیم کی ملت کو واضح کر دیا جائے۔

اب حقیقت آپ کے بالکل سامنے ہے اور آپ دیکھ چکے ہیں کہ ان شیاطین مجرمین نے اپنے مشرک آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کو سچا ثابت کرنے کے لیے کس طرح اس آیت کے پہلے حصے کیساتھ کھلواڑ کیا۔

اور اب آتے ہیں آیت کے اگلے حصے کی طرف جس میں لفظ خاتم النبیّن کا استعمال ہوا اور جو ان کے اس عقیدے کی سب سے بڑی اور اہم دلیل ہے جس کی بنیاد پر ان لوگوں نے یہ عقیدہ گھڑ رکھا ہے کہ محمد آخری رسول و نبی تھا اس کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ. الاحزاب ۴۰

نہیں تھا جب تک محمد دنیا میں موجود تھا ابا کسی ایک کا بھی تمہارے خود مختار مردوں میں سے اور لیکن رسول تھا اور خاتم النبیّن تھا۔

وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ. آیت کے اس حصے میں لفظ رسول کی ل پر زبر کا استعمال ہوا ہے جو کہ اس لفظ کو ماضی کا صیغہ بنا دیتی ہے رسولَ جس کے معنی بنتے ہیں وہ رسول جو گزر چکا، رسول تھا یعنی ماضی کے رسول کی بات ہو رہی ہے۔ آگے اس آیت کے آخر میں دو الفاظ ہیں جو ان کے عقیدے کی اصل بنیاد ہیں خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ.

خاتم النبیّن کا ترجمہ کیا جاتا ہے نبیوں کے خاتمے پر، نبیوں کو ختم کر دینے والے، نبیوں کے آخری یا نبیوں کی مہر وغیرہ۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ تمام کے تمام تراجم یا ان میں سے کوئی ایک بھی ترجمہ ٹھیک ہے؟

کسی بھی لفظ کا کوئی بھی ترجمہ یا معنی کیا جائے اور کہا جائے کہ اسے تسلیم کر لیا جائے تو اسے تسلیم کر لیا جائے گا مگر یہ دیکھا جائے گا کہ ایسا کہنے والا کون ہے؟ کیونکہ کوئی بات کرے اور اس کی بات کو تسلیم کر لیا جائے یہ حق صرف اور صرف ایک ہی ذات کو حاصل ہے اور وہ ہے وہ ذات جس نے وجود دیا۔ اور وہ ذات جب انسانوں سے بات کرتی ہے تو اس طرح بات کرتی ہے جیسے اس کا قانون ہے۔ انسان چونکہ بشر ہیں تو وہ ذات انہیں میں سے کسی بشر کا انتخاب کر کے اس بشر کے ذریعے انسانوں پر حق واضح کرتی ہے اپنی بات پیش کرتی ہے جسے رسول کہا جاتا ہے۔

یعنی جتنے بھی بشر ہیں ان میں سے کوئی بھی کوئی بات کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میری بات کو مان لو کیونکہ میں جو کہہ رہا ہوں حق ہے تو دیکھا جائے گا کہ کیا اسے یہ حق حاصل ہے کہ اس کی بات مان لی جائے؟ یعنی کیا وہ اللہ کا رسول ہے وہ اسی ذات کا نمائندہ ہے اسی ذات کی نمائندگی کر رہا ہے جس نے وجود دیا؟ اگر تو وہ اس کا نمائندہ یعنی رسول ہے تو بلا شک وشبہ اس کی بات کو تسلیم کیا جائے گا۔ لیکن یہاں ایک اور بات بھی ذہن میں ہونا بہت ضروری ہے اسی ذات نے یعنی اللہ نے قرآن میں کئی مقامات پر واضح اور دوٹوک الفاظ میں کہا کہ وہ رسول بھیجتا ہے البیّنات کیساتھ جیسا کہ آپ درج ذیل آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُنَا بِالۡبَيِّنٰتِ. المائدہ ۳۲

اور تم کو حق حاصل ہے کہ تم اپنی تحقیق کروا اپنے گھوڑے دوڑا لو بالآخر تمہارے سامنے یہی آئے گا جو کہ طے شدہ ہے یعنی جو قدر میں کر دیا گیا آئے ان میں انہی میں سے رسول البیّنات کیساتھ یعنی جو بھی رسول آیا ت تو وہ معجزات کیساتھ نہیں بلکہ البیّنات کیساتھ آیا اس نے حق کھول کھول کر واضح کر دیا۔

اَلَمۡ يَاۡتِهِمۡ نَبَاُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوۡدَ ۙ وَقَوۡمِ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاَصۡحٰبِ مَدۡيَنَ وَالۡمُؤۡتَفِكٰتِ ؕ اَتَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظۡلِمَهُمۡ وَلٰكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ. التوبۃ ۷۰

وَلَقَدۡ اَهۡلَكۡنَا الۡقُرُوۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَمَّا ظَلَمُوۡا ۙ وَجَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا ؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡقَوۡمَ الۡمُجۡرِمِيۡنَ. یونس ۱۳

ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوۡمِهِمۡ فَجَآءُوۡهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا بِمَا كَذَّبُوۡا بِهٖ مِنۡ قَبۡلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطۡبَعُ عَلٰى قُلُوۡبِ الۡمُعۡتَدِيۡنَ. یونس ۷۴

اَوَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ كَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الۡاَرۡضَ وَعَمَرُوۡهَاۤ اَكۡثَرَ مِمَّا عَمَرُوۡهَا وَجَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظۡلِمَهُمۡ وَلٰكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ. الروم ۹

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوۡمِهِمۡ فَجَآءُوۡهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَانۡتَقَمۡنَا مِنَ الَّذِيۡنَ اَجۡرَمُوۡا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيۡنَا نَصۡرُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ. الروم ۴۷

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ. فاطر ۲۵

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ. غافر ۲۲

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ. غافر ۸۳

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ. التغابن ۵، ۶

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ. الحدید ۲۵

یہ چند آیات ہیں جن میں بالکل کھول کر واضح کر دیا گیا کہ رسول البیّنات کیساتھ آتے ہیں اور ہر رسول البیّنات کیساتھ بھیجا گیا یعنی اللہ جو بھی رسول بھیجتا ہے تو ایسا نہیں کہ وہ آتا ہے اور کوئی بھی بات کہتا ہے کہ جی میں رسول ہوں میری بات کو مان لو نہیں بلکہ رسول تو البیّنات کیساتھ آتے ہیں۔ بیّنات بیّن کی جمع ہے اور بیّن کہتے ہیں کسی بھی بات کسی بھی شئے کا ہر پہلو سے بالکل واضح ہونا اس کا انگ انگ بالکل واضح کھلا ہوا ہونا۔

رسول آتے ہیں البیّنات کیساتھ یعنی رسول جو بھی بات کرتے ہیں تو وہ اپنی بات کو ہر لحاظ سے ہر پہلو سے کھول کھول کر سامنے رکھتے ہیں یہاں تک کہ کم سے کم عقل والے پر بھی بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ یہ جو کہہ رہا ہے یہ حق ہے اس کا رد نا ممکن ہے اس کے باوجود وہ تسلیم کرے یا نہ کرے یہ اس پر منحصر ہے کہ اگر وہ تسلیم نہیں کرتا تو کن وجوہات کی بنا پر نہیں کرتا۔ لیکن رسول جو بھی بات کرتا ہے وہ اس قدر کھول کھول کر واضح کرتا ہے کہ کسی کا بھی اس پر کوئی سوال نہیں رہتا، کل کو کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ کیوں مان لی جاتی بات، اس وقت اس کے سچا ہونے کی کیا گارنٹی تھی۔

اس لیے اگر تو بات پیش کرنے والا رسول ہے تو پھر کوئی جتنے جی چاہے سوالات اٹھالے بالآخر اسے لاجواب ہونا پڑے گا رسول کبھی بھی یہ نہیں کہے گا کہ میں کہہ رہا ہوں بس اسی بنیاد پر تم بات مانو بلکہ رسول جو بھی بات کرے گا وہ ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کرے گا وہ تسلیم نہ کرنے والوں کے لیے حجت بن جائے گا کل کو کوئی بھی تسلیم نہ کرنے پر عذر یا بہانہ پیش نہیں کر سکے گا۔

اور اگر بات کرنے والا رسول نہیں ہے تو پھر اس کی بات اس وقت تک تسلیم نہیں کی جا سکتی جب تک کہ وہ اپنی بات کو حق ثابت نہ کر دے، جب تک کہ وہ سامنے والوں کو مطمئن نہ کر دے۔ اگر وہ اپنی بات کو سچا ثابت کر دیتا ہے سامنے والوں کو مطمئن کر دیتا ہے سامنے والوں پر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ واقعتاً اس کی بات حق ہے اس کا رد نہیں کیا جا سکتا تو پھر بلا شک وشبہ اس کی بات کو تسلیم کیا جانا چاہیے اور تسلیم کیا جائے گا۔ اور اگر اپنی بات پیش کرنے والا رسول بھی نہیں ہے اور وہ اپنی بات کو سچا ثابت بھی نہیں کرتا، سامنے والوں کے سوالات کے جوابات نہیں دیتا انہیں مطمئن نہیں کرتا اعتراضات دور نہیں کرتا تو پھر اس کی بات کیونکر تسلیم کی جائے گی؟ اگر وہ کوئی بات کرتا ہے اور اپنی زبان سے اس کے سچا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اسے سچا ثابت نہیں کر سکتا سامنے والوں کو مطمئن نہیں کر سکتا ان کے اعتراضات وسوالات کے جوابات نہیں دیتا بلکہ الٹا وہ زبردستی دوسروں پر اپنی بات مسلط کرنا چاہتا ہے تو پھر آخر اس کی اوقات کیا ہے؟ اس کی حیثیت کیا ہے؟ کیوں اس کی بات کو مان لیا جائے کیا وہ اللہ ہے؟ وہ اللہ ہے کہ اس کی وہ بات بھی مان لی جانی چاہیے جو عقل میں نہ بھی آ رہی ہو؟

اگر وہ اللہ نہیں تو اس کی بات تسلیم نہیں کی جا سکتی اس وقت تک جب تک کہ وہ اپنی بات کو سچا ثابت نہیں کر دیتا۔

تو اس آیت کے یہ جو تراجم، معنی و مفہوم کیے جاتے ہیں ایسے تراجم کرنے والے کیا اللہ کے رسول ہیں؟ جو آنکھیں بند کر کے ان کے ان تراجم و تفاسیر کو تسلیم کر لیا جائے؟ اگر نہیں تو پھر ان کو اپنے ان تراجم و تفاسیر کو سچا ثابت کرنا ہوگا، ان کو سامنے والوں کو مطمئن کرنا ہوگا، ان کے تراجم و تفاسیر پر اٹھنے والے اعتراضات و سوالات کے جوابات دیکر اپنی بات کو سچا ثابت کرنا ہوگا اگر ایسا کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو بلا شک وشبہ ایسے لوگ بے بنیاد اور باطل ہیں۔

آتے ہیں ان میں سے پہلے لفظ ''خاتم'' کی طرف۔

اس لفظ کو ہم مختلف پہلوؤں سے آپ پر واضح کر دیتے ہیں کہ اس کے معنی کیا ہیں سب سے پہلے آتے ہیں براہ راست اس لفظ کی طرف۔

عربی میں ختم ایک نہیں بلکہ دوطرح کا ہے۔ایک ہے لفظ ختم یعنی ''خ ت م'' ختم اور دوسرا لفظ ہے ''خ ط م'' خطم۔ ان دونوں الفاظ کو جب بولا جائے تو کوئی بڑے سے بڑا عرب بھی یہ فیصلہ نہیں کرسکتا کہ ان میں سے کون سا ''ت'' والا ختم ہے اور کون سا ''ط'' والا خطم ہے اس وقت تک کہ ان الفاظ کو کسی پس منظر کے تحت بولا نہیں جاتا اور پس منظر واضح کرے گا کہ یہاں ''ت'' والا ختم ہے یا پھر ''ط'' والا خطم۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں الفاظ کے معنی ایک ہی ہیں صرف ایک چھوٹے سے اور معمولی سے فرق کے علاوہ۔

یعنی مثال کے طور پر اگر آپ لفظ ختم کے معنی آخری کریں یا جو بھی معنی کریں تو آپ کو لامحالہ یہی معنی ''ط'' والے خطم کے بھی کرنا پڑیں گے۔ یعنی ان دونوں الفاظ میں جس ایک لفظ کے آپ جو بھی معنی کریں لامحالہ دوسرے لفظ کے معنی بھی آپ کو وہی کرنے پڑیں گے کیونکہ یہ دونوں ایک ہی لفظ کی معمولی سے فرق کی وجہ سے دو صورتیں ہیں۔

مثلاً آپ قرآن میں دیکھتے ہیں ایک لفظ ''اتینا'' جس کا معنی کیا جاتا ہے ''دیا ہم نے'' آپ اسے قرآن کی متعدد آیات میں دیکھ سکتے ہیں جن میں سے چند آیات درج ذیل ہیں جن میں یہ لفظ بالکل واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ. البقرة ۵۳

اور تب دی ہم نے موسیٰ کو الکتاب اور دیا الفرقان۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِىْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ. الحجر ۸۷

اور تحقیق کہ دیا ہم نے تجھے ساتویں میں سے سات ایک دوسرے کے بعد آنے والے سے اور ایسا القرآن کہ اگر اس القرآن کو نکال دیا جائے تو پیچھے القرآن کی اہمیت وحیثیت بالکل ایسی ہی رہ جائے گی جیسے کہ جسم سے تمام کی تمام ہڈی نکال لینے سے پیچھے جسم کی اہمیت وحیثیت رہ جاتی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا. النمل ۱۵

اور تحقیق کہ دیا ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم۔

اس کے علاوہ یہی لفظ ''ت'' کی بجائے ''ط'' سے بھی آیا ہے جیسے کہ آپ اسے درج ذیل آیت میں دیکھ سکتے ہیں۔

اِنَّاۤ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ. الکوثر ۱

اس میں کچھ شک نہیں دیا ہم نے تجھے الکوثر۔

آپ نے دیکھا ایک ہی لفظ ہے جو کہ ''ت'' سے بھی ہے اور ''ط'' سے بھی اور یہ فرق ایک معمولی سے فرق کو واضح کرنے کے لیے ہے بالکل ایسے ہی لفظ ختم ''ت'' سے ہو یا ''ط'' سے دونوں الفاظ ایک ہی لفظ کی دو صورتیں ہیں دونوں کا ایک ہی معنی ہے صرف ایک معمولی سے فرق کیساتھ۔

اب آپ لفظ ختم جو ''ت'' والا ہے اس کا جو جی چاہے معنی کرلیں اس پر کسی بھی قسم کی بحث کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی ہم آپ کے اس معنی کو ماننے کے لیے بالکل تیار ہیں اس پر کسی بھی قسم کی کوئی بحث نہیں کریں گے لیکن اس شرط پر کہ ہم آپ کے سامنے لفظ خطم ''ط'' والا رکھیں گے اور آپ سے کہیں گے کہ آپ جو معنی ''ت'' والے ختم کا کررہے ہیں وہی معنی اس کو پہنا کر ثابت کریں اگر تو آپ وہ معنی ''ط'' والے خطم کو پہنا کر ثابت کردیتے ہیں تو ہم ''ت'' والے لفظ ختم کے آپ کے بیان کردہ معنی کو کھلے دل سے تسلیم کرلیں گے ورنہ اگر آپ ایسا نہیں کرسکتے تو پھر جان لیں کہ خواہ کچھ بھی ہوجائے لفظ ختم کے معنی وہ نہیں ہوسکتے جو معنی آپ ''ط'' والے خطم کو پہنا کر ثابت نہیں کرسکتے۔

اس لیے ہم ایسا کرتے ہیں بجائے یہ کہ ہم ''ت'' والے لفظ ختم کے معنی پر بحث کریں ہم پہلے ''ط'' والے خطم کے معنی کو جان لیتے ہیں جو معنی ''ط'' والے خطم کا سامنے آجائے وہی معنی ''ت'' والے ختم کا بھی ہوگا۔

آپ کسی بھی عرب دان سے سوال کرلیں کہ ''ط'' والے ختم کا معنی کیا ہے تو وہ آپ کو کہے گا کہ محمد علیہ السلام کے وقت عرب بہت سی اشیاء کے لیے لفظ خطم کا استعمال کرتے تھے خود محمد علیہ السلام نے بھی یہ لفظ کئی مواقع پر استعمال کیا، مثلاً عرب جب دھول مٹی سے بچنا چاہتے تو اس غرض سے وہ اپنے ناک اور منہ کو

کپڑے سے ڈھانپ لیتے جسے عربی میں خطم کہا جاتا تھا اسی طرح جانوروں کو گند کھانے سے بچانے کے لیے یا فصلوں کو کھا کر خراب نہ کریں یا جانوروں کے بچے ماں کا دودھ نہ پی سکیں اس مقصد کے لیے ان کے منہ پر جو ماسک یا چھکا سا چڑھا دیا جاتا تھا اسے خطم کہا جاتا تھا۔ اسی طرح اگر ایک نہر میں پانی بہہ رہا ہو اور اس میں بہت سا گند اور لکڑیاں وغیرہ بھی بہہ رہی ہوں اور آپ کی چاہت یہ ہو کہ اس سے آگے صرف پانی ہی جائے گا اس کے علاوہ کچھ بھی آگے نہیں جائے گا تو اس مقصد کے لیے وہاں کوئی جال سا لگا دیا جاتا جسے خطم کہا جاتا تھا۔

یہ چند مثالیں آپ کے سامنے ہیں اب فیصلہ آپ خود کریں کہ لفظ خطم کے معنی کیا ہیں؟ کیا لفظ خطم کے معنی چھننی کے نہیں بنتے جسے آپ انگلش میں فلٹر کہتے ہیں۔ فلٹر یعنی آپ نے طے کرنا ہے کہ اس مقام سے آگے کیا جا سکتا ہے اور کیا نہیں جا سکتا۔ ذرا غور کریں عرب جب دھول مٹی سے بچنے کے لیے ناک منہ پر کپڑا چڑھا لیتے تو کیا یہ فلٹر نہیں کہ اس میں سے سانس لینے کے لیے آکسیجن تو گزرے مگر دھول اور مٹی وغیرہ نہ گزر پائے۔

جانوروں کے منہ پر ماسک کیا فلٹر نہیں کہ اس میں سے وہ پانی تو پی سکتے ہیں سانس تو لے سکتے ہیں لیکن نہ چارا کھا سکتے ہیں نہ کسی جانور کا دودھ پی سکتے ہیں یعنی آپ نے طے کر دیا کہ آکسیجن اور پانی تو گزرے مگر چارا اور کسی جانور کا تھن نہ گزر پائے کیا یہ فلٹر نہیں ہے؟ پھر نہر جاری ہے اس میں گند اور لکڑیاں وغیرہ بھی بہہ رہی ہیں آپ نے طے کر دیا کہ اس مقام سے آگے صرف پانی جائے گا گند اور لکڑیاں وغیرہ نہیں جس مقصد کے لیے وہاں کوئی جال سا لگا دیا تو کیا یہ فلٹر نہیں جسے آپ اردو میں چھننی یا چھلنی کہہ سکتے ہیں؟

یعنی یہ بات بالکل کھل کر واضح ہوگئی کہ خطم جو کہ ''ط'' والا ہے اس کے معنی فلٹر کے ہیں۔ جب ''ط'' والے خطم کے معنی فلٹر کے ہیں تو پھر لامحالہ ''ت'' والے ختم کے معنی بھی آپ کو فلٹر کے ہی کرنا پڑیں گے۔ یعنی اس لحاظ سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ لفظ خطم ''ط'' والا ہو یا پھر ''ت'' والا ختم دونوں کے معنی فلٹر کے ہیں۔

آئیں ایک اور پہلو سے بھی اس لفظ کے معنی کو جان لیتے ہیں۔ لفظ ختم جو کہ ''ت'' والا ہے اس کے معنی آخری یا پھر مہر کے کر دیئے جاتے ہیں اب آپ اس کا ترجمہ آخری کریں یا مہر دونوں کا مطلب یہی لیا جاتا ہے کہ اس کے بعد کچھ نہیں یعنی دونوں کا معنی آخری کا ہی لیا جاتا ہے۔ مثلاً آخری تو بالکل واضح ہے کہ آخری کو یعنی جس کے بعد کوئی نہیں اسے کہتے ہیں اس کے علاوہ لفظ ختم کا جو معنی مہر کے کیے جاتے ہیں تو ایسے لوگ بھی دو گروہوں میں تقسیم ہیں ان میں ایک گروہ مہر کے معنی بھی آخری ہی کرتا ہے اور اس کے لیے دلائل پیش کرتے ہیں کہ مہر کہتے ہیں سیل کو مثلاً جب آپ کو خط یا پارسل پیک کرتے ہیں تو اس پر سیل یعنی مہر لگا دی جاتی ہے کہ اب اس نہ ہی کچھ باہر آئے گا اور نہ ہی اس میں کچھ داخل ہوگا۔

اب اگر یہ بات مان لی جائے کہ ختم کے معنی مہر اور مہر کا مطلب ہے کہ سیل لگا دینا اب اس کے بعد نہ ہی اندر سے کچھ باہر آئے گا نہ ہی باہر سے کچھ اندر جا سکے گا تو یہ معنی بھی آپ سورت البقرۃ درج ذیل آیت میں کسی بھی صورت فٹ نہیں کر سکتے یعنی سورۃ البقرۃ کی درج ذیل آیت میں بھی یہی لفظ ختم استعمال ہوا ہے اور یہ آیت اس معنی کو کسی بھی صورت قبول نہیں کرتی بلکہ الٹا مسترد کر دیتی ہے۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ. البقرۃ ۷

وہ لوگ جو دنیا پرست ہیں جو دنیاوی مال و متاع سے حب کرتے ہیں جو اصل میں مفسدون فی الارض ہیں لیکن ان کا دعویٰ ہے کہ وہ اصلاح کر رہے ہیں یعنی وہ ہر شئے کا صرف ظاہری پہلو دیکھتے ہیں اور جو باطنی پہلو ہے اسے بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں جو کہ انہیں نظر ہی نہیں آتا ان کے بارے میں اللہ نے کہا کہ ان کے دلوں پر اللہ نے فلٹر لگا دیا اور ان کے سننے پر یعنی جو کچھ بھی سنتے ہیں وہ فلٹر ہو کر ہی ان کے دماغوں میں جاتا ہے اور ان کے دیکھنے پر بھی فلٹر ہیں جو شئے فلٹر بنی ہوئی ہے ان کے لیے اس نے انہیں ہر طرف سے ڈھانپ رکھا ہوا ہے یعنی دنیاوی مال و متاع اس کے ظاہری فائدے، یہ ہر شئے کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں۔ دنیاوی مال و متاع کا ظاہری پہلوان کے لیے فلٹر ہے جیسے کہ آج پوری دنیا میں دابۃ الارض دھندناتا پھر رہا ہے لیکن ان میں سے کسی کو بھی دابۃ الارض نظر نہیں آ رہا بلکہ اس کے بالکل برعکس یہ فائدے کی اشیاء نظر آ رہی ہیں، یہ سہولتیں، آسانیاں، آسائشیں، ترقی و انسانیت کی خدمت نظر آ رہی ہے کیونکہ ان کے کانوں اور آنکھوں پر فلٹر لگے ہوئے ہیں ان کی خواہشات کے۔

سورۃ البقرۃ کی آیت آپ کے سامنے ہے اب وہ لوگ جن کا کہنا ہے کہ ختم کے معنی مہر بمعنی آخری یا پھر براہ راست آخری کے ہیں ان کو چیلنج ہے کہ اگر وہ سچے ہیں تو قرآن کی اس آیت سے اپنے ان معنوں کی تصدیق کروا کر دکھائیں یعنی ان معنوں کو اس آیت میں فٹ کر کے دکھائیں اگر تو وہ اپنے معنوں کو اس آیت میں فٹ کر دیتے ہیں یہ آیت ان کے معنوں کو قبول کر لیتی ہے تو وہ سچے ہیں اور اگر یہ آیت ان کے کیے گئے معنوں کو قبول کرنے کی بجائے مسترد کر دیتی ہے تو ایسے لوگ خواہ کچھ ہی کیوں نہ کر لیں وہ حق پر نہیں بلکہ باطل پر ہیں ان کی کوئی بنیاد نہیں اور ہر کوئی جانتا ہے کہ قرآن کی یہ آیت کسی بھی صورت ان کے کسی بھی معنی کو قبول نہیں کرتی بلکہ الٹا مسترد کر دیتی ہے۔

دوسرا گروہ جو ختم کا ترجمہ مہر اور مہر کا معنی کرتا ہے کہ مہر سیل کو نہیں بلکہ تصدیق شدہ کو کہتے ہیں جس پر مہر لگی ہو صرف وہی آگے جا سکتا ہے جس پر مہر نہ لگی ہو وہ نہیں جا سکتا لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ خواہ یہ معنی اصل معنی کے کتنا ہی قریب تر کیوں نہ ہو یہ حق نہیں ہے آپ اس معنی کو سورۃ البقرہ کی اس آیت میں لفظ ختم کو نہیں پہنا سکتے اس لیے ختم کے معنی خواہ آپ مہر کریں یا کچھ اور وہ قرآن کبھی بھی قبول نہیں کرے گا جب تک کہ آپ اپنی خواہشات کی اتباع کو ترک نہیں کر دیتے اور آپس کے بغض وعناد کی وجہ سے قرآن کو اپنی مرضی کے مطالب پہنا کر اپنی چاہتوں کے مطابق ڈھالنے سے باز نہیں آتے۔ آپ اس وقت تک حق کو نہیں پا سکتے خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے جب تک کہ آپ زبردستی اپنے مطالب ومعنی قرآن کو پہنانے کی بجائے خود کو مکمل طور پر قرآن کے آگے جھکا نہیں دیتے، جب تک کہ آپ قرآن کو بدلنے کی بجائے خود کو بدلنے کی غرض سے قرآن کی طرف نہیں لپکتے۔

آپ نے خود دیکھ لیا کہ ختم کے جو بھی معنی کیے جاتے ہیں وہ اس آیت میں اس لفظ پر پورے نہیں اترتے قرآن انہیں قبول نہیں کرتا سوائے فلٹر کے۔ آتے ہیں قرآن کی طرف اور قرآن سے ہی سوال کرتے ہیں کہ آیا ختم کے معنی آخری کے ہیں یا کچھ اور تو قرآن اس کا جواب بالکل کھول کر واضح کر دیتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ قرآن الحکیم ہے اس میں جو لفظ جہاں جس طرح استعمال کیا گیا اس میں رائی برابر بھی ردوبدل کا تصور تک بھی نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن اپنی وضاحت خود کرتا ہے مثلاً جب قرآن سے سوال کیا جائے کہ کیا ختم کے معنی آخری کے ہیں تو قرآن سورت البقرۃ کی درج ذیل آیت کو سامنے لا کھڑا کرتا ہے۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ. البقرۃ ۷

سورۃ البقرۃ کی اس آیت میں بھی وہی لفظ ختم کا استعمال ہوا ہے اگر کوئی کہتا ہے یا دعویٰ کرتا ہے کہ ختم کے معنی آخری کے ہیں یا پھر اس کے علاوہ کچھ اور ہیں تو پھر ایسے ہر شخص کو کھلم کھلا چیلنج ہے کہ پھر اس آیت میں بھی لفظ ختم کو آخری یا پھر جو بھی معنی وہ کرتا ہے وہ معنی پہنا کر دکھائے اور اگر ایسا نہیں کر سکتے جو کہ ممکن ہی نہیں تو پھر ختم کے معنی آخری کے نہیں ہیں عربوں کی زبان عربی میں آخری کو ختم نہیں کہتے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ختم کے معنی آخری کے نہیں تو پھر آخری کو عربی میں کیا کہتے ہیں؟ تو قرآن اس سوال کا جواب بھی بالکل کھول کر دیتا ہے جیسا کہ سورۃ الحدید کی درج ذیل آیت سے بڑھ کر واضح اور کوئی آیت نہیں ہو سکتی جو بالکل کھول کر واضح کر دیتی ہے کہ آخر کو عربوں کی زبان عربی میں کیا کہتے ہیں۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ. الحدید ۳

اس آیت میں اول کی ضد آخر آئی ہے جس سے کسی بھی قسم کا کوئی شک وشبہ یا ابہام پیچھے نہیں رہتا کہ عربوں کی زبان عربی میں آخر کو آخر ہی کہتے ہیں نہ کہ ختم اور پھر کون نہیں جانتا کہ اول کیا ہے اور آخر اول کی ضد ہے یعنی عربی میں آخر کو آخر ہی کہا جاتا ہے نہ کہ ختم۔

اب جب قرآن سے ہی یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو گئی کہ عربوں کی زبان عربی میں آخر کو ختم نہیں بلکہ آخر ہی کہتے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر ختم کے معنی آخری کے کیوں کیے جاتے ہیں؟ آج تک ختم کے معنی آخری کے کیوں کیے جاتے رہے آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ تو اس سوال کا جواب بھی بالکل واضح ہے کہ ختم لفظ نہ صرف عربوں کی زبان عربی میں پایا جاتا ہے بلکہ یہ لفظ فارسی میں بھی پایا جاتا ہے لیکن عربی میں جن معنوں میں یہ لفظ استعمال ہوتا ہے فارسی میں اس کے برعکس مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ فارسی میں ختم کے معنی ہیں آخری یعنی جس کے بعد کوئی نہیں۔ وہ لوگ جو قرآن کو اپنے مشرک آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد ونظریات کے مطابق ڈھالتے ہیں وہ لوگ دھوکا دیتے ہوئے عربی کے لفظ ختم کو فارسی کا لفظ ختم بنا کر پیش کرتے

ہیں حالانکہ یہ القرآن فارسی میں تو نہیں بلکہ یہ القرآن تو عربوں کی زبان عربی میں ہے۔
فارسی میں ختم آخری کو کہتے ہیں لیکن عربوں کی زبان عربی میں ختم آخر کو نہیں بلکہ فلٹر یعنی چھننی کو کہتے ہیں اب اس کے باوجود اگر کوئی ختم کے معنی آخر کے کرتا ہے تو پھر اس سے بڑا دھوکے باز، مکار، جاہل، جھوٹا اور دجال کوئی اور نہیں ہوسکتا جو عربی کے لفظ کو فارسی کا لفظ بنا کر پیش کرے۔ یوں آپ پر یہ بات بھی بالکل کھل کر واضح ہوگئی کہ ختم کے معنی آخری کیوں کیے جاتے ہیں جو کہ محض دھوکے اور لاعلمی و جہالت کے سوا کچھ نہیں۔
اب آپ پر ہر لحاظ سے یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو چکی کہ ختم فلٹر کو کہتے ہیں جسے اردو میں چھلنی یا چھننی کہتے ہیں۔قرآن میں جہاں جہاں بھی لفظ ختم کا استعمال ہوا ہے،ہم آپ کو نہ صرف دعوت دیتے ہیں بلکہ چیلنج کرتے ہیں کہ وہاں وہاں یہ معنی پیش کریں اگر قرآن کا کوئی ایک بھی مقام اس معنی کا رد کرتا ہے اسے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے تو ہم باطل ہوں گے لیکن آپ چاہ کر بھی ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ جب ختم عربوں کی زبان میں کہتے ہی فلٹر کو ہیں تو قرآن بھلا کیوں اس معنی کا رد کرے گا اسے قبول کرنے سے انکار کرے گا بلکہ قرآن کے تمام مقامات صرف اور صرف اسی معنی کو قبول کریں گے اور قرآن کے تمام مقامات اس معنی کو قبول کرتے ہوئے قرآن بذات خود اس معنی کی تصدیق کر دیتا ہے کہ یہی حق ہے۔
آگے چل کر یہ بات بھی بالکل کھول کر واضح کر دیں گے کہ اسی قرآن میں اللہ کا حکم ہے کہ جو بھی حق کا دعویدار ہے جو بھی کوئی بات کرتا ہے تو اس کی بات کو اس قرآن پر پیش کرو جو تمہارے دو ہاتھوں کے درمیان ہے اگر تو وہ حق ہوا اس کی بات حق ہوئی تو قرآن میں اس کی تصدیق موجود ہوگی قرآن اس کی تصدیق کرے گا ورنہ اگر قرآن اس کی تصدیق نہیں کرتا تو وہ حق پر نہیں نہ ہی اس کی بات حق ہے بلکہ وہ باطل ہوگا اس کی بات بالکل بے بنیاد و باطل ہوگی۔اس لیے کوئی بھی ختم کا جو جی چاہے ترجمہ و معنی کرے اگر تو قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے تو وہ حق ہے اور اگر قرآن اس کی تصدیق نہیں کرتا تو وہ حق نہیں بلکہ باطل ہے اب آپ خود فیصلہ کریں کہ کن کا معنی قرآن قبول کر رہا ہے کس کے معنی کس کی بات کی قرآن تصدیق کر رہا ہے اور کس کا رد۔
اپنے آباؤاجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کو سچا ثابت کرنے کے لیے آج تک عظیم دھوکہ دیا جاتا رہا ختم جو کہ عربوں کی زبان کا لفظ ہے اسے فارسی کا لفظ بنا کر پیش کیا جاتا رہا کیونکہ ختم نہ صرف عربوں کی زبان کا لفظ ہے بلکہ فارسی میں بھی پایا جاتا ہے لیکن دونوں کے معنی یکسر مختلف ہیں۔ فارسی میں ختم کے معنی ہیں آخر مگر عربوں کی زبان میں اس کے بالکل برعکس ختم کے معنی ہیں چھننی یعنی فلٹر۔

اب آتے ہیں اگلے لفظ النبیّن کی طرف۔
اس کا ترجمہ نبیوں کی جمع کا کیا جاتا ہے اور پھر وہ نبی جو ماضی میں گزر چکے یا پھر سارے کے سارے نبی۔حقیقت کیا ہے آتے ہیں اس طرف۔ پورے قرآن میں اس حوالے سے مجموعی طور پر پانچ الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے ان میں پہلا لفظ ہے ''نبی'' دوسرا لفظ ''نبِیٍ'' یعنی لفظ نبی کے نیچے دو زیریں، تیسرا لفظ ''انبیاء'' چوتھا لفظ ''نبیون'' اور پانچواں لفظ ''نبیّن'' آیا ہے۔
آپ پورے قرآن کو اٹھا کر دیکھ لیں پورے کے پورے قرآن میں ان پانچ کے علاوہ کوئی چھٹا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ جب آپ ان کے تراجم و تفاسیر اٹھا کر دیکھیں تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ ان کے تراجم و تفاسیر میں ایک لفظ ''نبی'' کے معنی ایک ہی نبی کے کیے جاتے ہیں اور اس کے علاوہ باقی چاروں الفاظ کا ایک ہی ترجمہ کیا جاتا ہے نبی کی جمع۔ یعنی ان کے نزدیک ان پانچ میں سے ایک لفظ تو واحد کا صیغہ ہے اور باقی چاروں کے چاروں محض جمع کے صیغے ہیں۔
اب یہاں بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں سب سے پہلی بات کہ کیا اللہ یہ بتانا چاہ رہا ہے کہ دیکھو میرے پاس ایک ہی بات کے لیے کئی کئی الفاظ موجود ہیں؟ دوسری بات کہ ایک طرف تو اللہ خود کو العزیز الحکیم اور قرآن کو بھی الحکیم قرار دے رہا ہے اور دوسری طرف ایک ہی بات کے لیے چار چار مختلف الفاظ کا استعمال کرنا ،اتنے بڑے بڑے فرق نظر انداز کرنا کہاں کی حکمہ ہے؟ پھر اللہ اور قرآن کیسے الحکیم ہو سکتے ہیں؟ یہ فعل تو اللہ اور قرآن کے الحکیم ہونے کی نفی کر رہا ہے۔
تیسری بات یہ کہ قرآن اللہ کا کلام ہے یعنی اس قرآن میں جو کچھ بھی درج ہے یہ اللہ کی اول تا آخر تمام کے تمام انسانوں سے کی جانے والی گفتگو کا ریکارڈ ہے آیات کی صورت میں یعنی اللہ کی اول تا آخر تمام انسانوں سے کلام یعنی گفتگو کی تاریخ ہے تو پھر یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے چلو ایک لمحے کے لیے تمہاری بات مان لی کہ نبی آنا بند ہوگئے مگر جب نبی آ رہے تھے تو اس وقت کے انسانوں سے اللہ نے ماضی کے انبیاء کی کوئی بات نہ کی؟ حال کے نبیوں کی کوئی بات نہ کی؟

مستقبل کے نبیّن کی کوئی بات نہ کی؟ اگر کی تو پھر قرآن میں اس کی تاریخ دکھاؤ کہاں لکھا ہے؟ اور اگر کی تو ماضی کے انبیاء کا ذکر کس طرح کیا، حال والے نبیوں کا ذکر کن الفاظ سے کیا اور مستقبل والے نبیّن کے بارے میں جب کوئی خبر دی تو ان کا ذکر کیسے کیا؟ ماضی، حال اور مستقبل کے جو نبی تھے ان کی پہچان کیسے ہوگی؟

یہ بات جان لیں اور پیچھے بھی آپ جان چکے کہ اللہ نہ صرف الحکیم ہے بلکہ العزیز الحکیم ہے اور اس کا کلام قرآن بھی الحکیم ہے مطلب کہ اس قرآن میں جو جو لفظ بھی استعمال کیا گیا وہی استعمال کیا گیا جو استعمال کرنا تھا اس میں رائی برابر بھی تبدیلی ممکن نہیں، اگر کہیں پر رائی برابر بھی فرق رکھا گیا تو وہ فرق لازم تھا، اس قرآن میں جو جو جیسا جیسا جہاں جہاں جیسے جیسے جتنا جتنا استعمال کیا گیا اس میں رائی برابر تبدیلی کا تصور تک بھی نہیں کیا جا سکتا، آپ زبر کو زیر اور زیر کو زبر نہیں بنا سکتے اگر آپ نے کہیں پر بھی کسی فرق کو نظر انداز کیا تو اس کا مطلب کہ آپ زبان سے لاکھ اللہ کو الحکیم کہو اللہ کو سبحان کہو اللہ کے لیے الحمد کہو مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ اپنے عمل سے اللہ کے الحکیم ہونے کا کفر کر رہے ہیں انکار کر رہے ہیں اللہ کے سبحان ہونے کا انکار کر رہے ہیں اللہ کے لیے الحمد کا انکار کر رہے ہیں۔
اگر آپ اللہ کو الحکیم تسلیم کرتے ہیں تو آپ پر لازم ہے کہ آپ رائی برابر فرق کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے، جو فرق بھی رکھا گیا جو ترتیب رکھی گئی آپ اسے نظر انداز نہیں کر سکتے جب تک اس کو جان نہیں لیتے تب تک آپ آگے نہیں بڑھ سکتے۔
جب آپ جان چکے کہ قرآن الحکیم ہے تو کیسے ممکن ہے کہ پانچ مختلف الفاظ ہوں، نہ کہ معمولی فرق بلکہ غیر معمولی فرق کیساتھ مختلف الفاظ اور ان میں سے ایک کے علاوہ باقی سب کا معنی یا ترجمہ ایک ہی ہو؟ یہ کیسے ممکن ہے؟
اللہ العزیز الحکیم ہے اس نے کہیں رائی برابر بھی فرق رکھا تو وہ فرق لازم تھا آپ اسے کسی بھی صورت نظر انداز نہیں کر سکتے یہاں تو یہ پانچوں بالکل مختلف الفاظ ہیں۔
اب آتے ہیں ان پانچوں الفاظ کی طرف اور ہر پہلو سے کھول کھول کر آپ کے سامنے رکھتے ہیں یہاں تک کہ کسی بھی قسم کا کوئی ابہام نہ رہے۔ نبی، نبیٍ، انبیا، نبیون، نبیّن۔
سب سے پہلے لفظ نبی کی وضاحت کرتے ہیں کہ لفظ نبی کے معنی کیا ہیں اور نبی کا مقصد کیا ہے؟
جب ہمیں ان الفاظ کے جوابات مل جائیں گے تو حق کو سمجھنا بالکل آسان ہو جائے گا آپ کسی کے بھی فریب کا شکار نہیں ہوں گے۔
نبی: یہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے ''نَبَ اور ی''
''نَبَ'' عربی میں کہتے ہیں اس علم کو جو صرف اور صرف اس ایک کے پاس ہے جو خالق و مالک ہے یعنی اللہ، ایشور اس ایک کے علاوہ کسی کے بھی پاس نہیں اور وہ علم دوسروں کو دیا جائے جسے آپ اردو میں خبر کہتے ہیں لیکن یہ بات جان لیں کہ خبر عربی کا بھی لفظ ہے اور عربی میں خبر کہتے ہیں اس علم کو جو آپ یا آپ کے علاوہ اور کسی کے بھی پاس ہے مگر جن کے پاس نہیں ان کے لیے وہ علم اس وقت خبر کہلاتا ہے جب ان کے پاس وہ علم آ جاتا ہے۔ مگر نبا کے معنی ہیں وہ علم جو اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں جب وہ علم اللہ انسانوں کو دیتا ہے ان پر ظاہر کرتا ہے تو وہ نبا کہلاتا ہے۔
نَبَ کا اگلا لفظ جو کہ ایک حرف ہے وہ ہے ''ی'' اور ''ی'' عربی میں خودی یا اپنے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے ربّ اور ربی یعنی میرا ربّ۔ یعنی اگر ''ی'' کسی لفظ کے شروع یا آخر میں استعمال ہوتا ہے تو خودی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔
نَبَ وہ علم جو اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں اور لفظ نبی، اللہ کہہ رہا ہے میں تمہیں بتاتا ہوں میں تمہیں بتا رہا ہوں وہ علم کیا ہے جو میرے علاوہ کسی کے پاس نہیں۔
اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ علم کیا ہے؟ تو اس کا جواب بہت ہی آسان ہے ذرا آپ غور کریں کیا آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ کے سامنے یہ سوال آیا ہو کہ آپ کون ہیں؟ آپ کی حقیقت کیا ہے؟ آپ اس دنیا میں کہاں سے آئے؟ آپ کا اول کیا ہے آخر کیا ہے؟ آخر آپ اس دنیا میں کیوں آئے کیسے آئے یا اگر بھیجے گئے تو کیوں اور کیسے کس نے اور کس مقصد کے لیے بھیجا؟

آپ جب اپنے اردگرد نگاہ دوڑاتے ہیں تو کیا آپ کو نظر نہیں آتا کہ ہر شئے کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے یہاں تک کہ آپ کچھ بھی بناتے ہیں خرید کر لاتے ہیں تو اس کا ضرور کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے تو پھر آپ کیا بغیر کسی مقصد کے وجود میں لائے گئے؟ جب نہیں تو آخر وہ مقصد کیا ہے؟

یہ ایسا سوال ہے جو زندگی میں کئی مواقع پر ہر کسی کے سامنے آتا ہے، جس میں ذرا سی بھی عقل ہے اس کے دل و دماغ میں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون ہے اس کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ کیا وہ ایسے ہی بے مقصد وجود میں آ گیا ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟

مثلاً اگر آپ یہ کہیں کہ نہیں ایسا سوال کبھی سامنے نہیں آیا ایسا سوال کبھی پیدا نہیں ہوا تو یہ بالکل جھوٹ ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سوال تو کئی مواقع پر سامنے آتا ہے لیکن آپ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے آپ کی توجہ باقی اِدھر اُدھر کے معاملات میں ہونے کی وجہ سے وہ سوال نظر انداز ہوکر پھر اوجھل ہو جاتا ہے گویا کہ کبھی سامنے آیا ہی نہ ہو۔

اس کے باوجود ہم یہ سوال آپ کے سامنے لاتے ہیں۔ مثلاً اگر آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ سے سوال کیا جائے کہ یہ کیا ہے تو آپ فوراً جواب دیں گے کہ ہاتھ ہے اور پھر یہ پوچھا جائے کہ کس کا ہے تو آپ جواب دیں گے کہ میرا ہے اسی طرح آپ کے جسم کے مختلف اعضاء کے بارے میں سوال کرتے کرتے آپ کے پورے جسم کے بارے میں سوال کیا جائے کہ یہ جسم کس کا ہے تو آپ جواب دیں گے کہ میرا ہے بالکل اسی طرح جس طرح آپ کے ہاتھ میں آپ کی کتاب پکڑ کر یا کوئی شئے پکڑ کر آپ سے پوچھا جائے کہ کس کی ہے تو آپ کہیں گے میری جس کا مطلب کہ آپ الگ ہو اور وہ شئے الگ ہے۔

جب آپ نے کہا یہ جسم میرا ہے تو اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ آپ الگ ہو آپ کوئی اور ہو اور یہ جسم الگ ہے یہ جسم آپ نہیں ہو آپ کوئی اور ہو جو کہہ رہا ہے کہ یہ جسم میرا ہے۔ تو اب آپ سے سوال ہے کہ وہ جو میرا میرا کر رہا ہے وہ میں کون ہے؟ آپ کون ہو؟

کیا آپ کے پاس اس سوال کا جواب ہے؟

جب آپ کو اس سوال کا جواب ملے گا تو تب اس کے بعد آپ پر واضح ہوگا کہ آپ اس دنیا میں کیوں آئے ہو آپ کے آنے کا مقصد کیا ہے یا آپ کیوں بھیجے گئے ہو آپ کے بھیجے جانے کا مقصد کیا ہے۔ تو یہی وہ نبا ہے جس کے بارے میں اللہ کہہ رہا ہے کہ صرف اور صرف میں ہی ہوں جو تمہیں بتا سکتا ہوں، ان تمام سوالات کے جوابات یہ سارا علم میں ہی تمہیں دے سکتا ہوں میں ہی تمہاری راہنمائی کرسکتا ہوں۔

نبی یعنی اللہ کہہ رہا ہے میں ہوں تمہیں یہ سب نبا دینے والا یعنی یہ سب علم تم پر واضح کرنے والا جو تمہارے پاس نہیں ہے۔

تم کون ہو، کیا ہو، کہاں سے آئے ہو، تمہارا دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے، اسے پورا کیسے کرنا ہے، کیا کرنا ہے، کیا نہیں کرنا، کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے، کیا کھانا ہے اور کیا نہیں کھانا، کیسے کھانا ہے اور کیسے نہیں کھانا، کیسے اٹھنا ہے، کیسے بیٹھنا ہے، کون دشمن ہے اور کون دوست ہے، کیا کرنا کیا نہیں کرنا، دنیا و آخرت میں بلند مقام کیسے حاصل ہوتا ہے اور کیسے ذلت میں گرا دیا جاتا ہے یعنی یہ تمام کی تمام راہنمائی میں کر رہا ہوں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کس طرح یہ علم دیتا ہے اللہ کیسے راہنمائی کرتا ہے؟ تو اس سوال کا جواب بھی بالکل واضح ہے کہ انسان چونکہ بشر ہیں تو اللہ انہیں میں سے کسی بشر کا انتخاب کرتا ہے اور اس کے ذریعے نبا دیتا ہے جسے رسول کہا گیا۔ یعنی رسول، اللہ کی زبان ہوتی ہے رسول جو بشری وجود ہوتا ہے وہ محض ایک آلہ ہوتا ہے انسانوں سے خطاب کا، اس آلے میں یعنی اس بشر میں اللہ بول رہا ہوتا ہے اللہ نبا دے رہا ہوتا ہے۔

نبی یعنی اللہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ اس بشر کے ذریعے میں تمہیں نبا دے رہا ہوں تم پر تمہاری حقیقت تمہارے دنیا میں بھیجا جانے کا مقصد واضح کر رہا ہوں تم نے کیا کرنا ہے کیا نہیں اور کیسے کرنا ہے یہ سب میں تم پر واضح کر رہا ہوں دنیا میں زندگی گزارنے کی راہنمائی میں کر رہا ہوں۔

اس کے علاوہ ایک دوسرے پہلو سے بھی یہ بات جان لیں۔ جب آپ سے سوال کیا جائے کہ آپ کون ہیں تو آپ کہیں گے کہ انسان۔

کیا کبھی آپ نے غور کیا لفظ انسان کے معنی کیا ہیں انسان کسے کہتے ہیں انسان کیا ہے؟

لفظ انسان کے معنی ہیں خود اپنے ہی آپ کو مکمل طور پر بھولا ہوا یعنی وہ جو اپنی ہی ذات کو بھول چکا ہے اور جسے وہ اپنا آپ سمجھ رہا ہے وہ اس کی ذات نہیں ہے۔

لفظ انسان کو گرائمر کی رو سے بھی دیکھ لیں۔ ''انسان'' یہ لفظ چار الفاظ کے مجموعے سے وجود میں آیا ہے ''ا، نس، ا، ن''

عربی کا اصول ہے کہ الف اگر شروع میں استعمال ہوتو لفظ کو سوالیہ بنا دیتا ہے آخر میں استعمال ہوتو ماضی کا صیغہ بنا دیتا ہے اور اگر شروع کی طرف درمیان میں استعمال ہوتو اسے فاعل بنا دیتا ہے اور اگر آخر کی طرف درمیان میں استعمال ہوتو اس میں کسی کا بھی استثنیٰ ختم کر دیتا ہے یعنی کُل کا کُل بنا دیتا ہے۔

اس لفظ کے شروع میں الف آتا ہے جو کہ آگے آنے والے لفظ کو بات کو سوالیہ بنا دیتا ہے اور اگلا لفظ ہے ''نس'' جس کے معنی ہیں ایسے بھول جانے کے جیسے کہ اس کا وجود ہی نہ ہو جو بھول گئے۔ اسے ایک مثال سے سمجھ لیجیے مثلاً آپ نے اپنی پیدائش سے لیکر ۲، ۳ سال تک کی جو عمر گزاری اس میں آپ نے بہت کچھ کیا لیکن اگر آپ سے سوال کیا جائے کہ آپ جب پیدا ہوئے تو اس وقت کے بارے میں آپ کو کچھ یاد ہے دو، تین سال کی عمر تک کا کوئی واقعہ سنائیں تو آپ کو کچھ یاد نہیں آپ اس طرح بھول چکے ہیں جیسے کہ وہ وقت کبھی آیا ہی نہیں۔

حالانکہ یہ اٹل حقیقت ہے کہ آپ پر ایسا وقت گزر چکا ہے مگر آپ بھول چکے ہیں اس طرح بھول جانے کو عربی میں ''نس'' کہتے ہیں۔

اب ان دونوں الفاظ کو ملائیں تو لفظ بنے گا ''انس'' جس کے معنی بنیں گے کیا ہے جو اس طرح بھولا ہوا ہے جیسے کہ اس کا کوئی وجود ہی نہ ہو؟

اب آگے اسی سوال کا جواب آجاتا ہے جیسا کہ ہم نے کہا تھا کہ الف اگر آخر کی طرف درمیان میں آجائے تو کُل کا کُل بنا دیتا ہے اس میں کسی کا بھی استثنیٰ ختم کر دیتا ہے تو آگے آجاتا ہے ''الف'' جس کے معنی بنیں گے سب کا سب مکمل طور پر بھول چکے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا ہے جو سب کا سب مکمل طور پر بھول چکے؟ تو آگے لفظ آجاتا ہے ''ن'' جس کے معنی ہیں ہم، یعنی اپنی ہی ذات ''اللہ''۔

اب آئیں اس پورے لفظ کی طرف کے اس کے معنی کیا بنیں گے۔ ''انسان'' کیا ہے جو سب کا سب مکمل طور پر اس طرح بھول چکے جیسے کہ اس کا کوئی وجود ہی نہ ہو وہ اپنی ہی ذات ہے جسے پورے کا پورا مکمل طور پر بھول چکے اپنی ہی ذات کا رائی برابر بھی کچھ یاد نہیں رہا۔ اور وہ اپنی ذات کیا ہے یہ الگ موضوع ہے لیکن اتنا جان لیں کہ ''ن'' کے معنی جب ہم کیے جاتے ہیں تو یہ اللہ اپنے لیے استعمال کرتا ہے یعنی ''ن'' اللہ کی ذات کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

پیچھے کہا تھا کہ اگر آپ سے سوال کیا جائے کہ آپ کون ہو تو آپ کہتے ہیں کہ آپ انسان ہو جس کا مطلب کہ آپ کون ہو آپ کو اس کا علم ہی نہیں آپ اپنی ہی ذات کو مکمل طور پر بھول چکے ہوئے ہو جیسا کہ پیچھے یہ بات بہت ہی آسان الفاظ اور مثال سے واضح ہو چکی۔

آپ کے اعضاء کے بارے میں سوال کرتے کرتے جب پورے جسم کے بارے میں پوچھا کہ یہ جسم کس کا ہے تو آپ نے کہا میرا جسم ہے جس کا مطلب یہ جسم آپ نہیں ہو بلکہ یہ جسم آپ کا ہے آپ اس جسم کی ملکیت کا دعویٰ کر رہے ہو۔ تو جب آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ کون ہو یعنی وہ جو میں میں میرا میرا کر رہا ہے وہ کون ہے تو آپ کے پاس اپنی ہی ذات کے بارے میں کوئی جواب نہیں آپ اپنی ہی ذات کو بھول چکے ہو کہ آپ کیا ہو۔ اسی کو عربی کے ایک لفظی جملے میں بیان کیا جائے تو وہ ہے لفظ انسان۔

اب آپ خود غور کریں جو خود اپنی ہی ذات کو بھول چکا ہے جسے اپنی ہی ذات کا علم نہ ہو اسے یہ کیسے علم ہو سکتا ہے کہ اس دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اور وہ مقصد کیسے پورا ہوگا؟ اور کس کو علم ہے کہ آپ کون ہو؟ کون ہے جو یہ بتا سکتا ہے کہ آپ کون ہو؟

ذرا غور کریں کیا اس کے سوا کوئی ہو سکتا ہے جو بھولا ہوا نہ ہو؟ یعنی جسے سب علم ہو کچھ بھی بھولا ہوا نہ ہو۔ تو جو بھولا ہوا نہیں ہے وہ کون ہے؟ وہ اللہ ہے۔ اور اگر آپ کو علم نہیں تو جان لیں کہ لفظ انسان لفظ اللہ کی ضد ہے اسی کا ذکر قرآن کی سورت الحشر میں کیا گیا جیسا کہ آپ درج ذیل آیت کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ. الحشر ۱۹

اور نہ کرو یہ جو کچھ بھی تم کر رہے ہو یہ تم ہو رہے ہو بالکل ان لوگوں کی طرح جو بھولے کے بھولے ہی رہ رہے ہیں اللہ تھا جسے بھول چکے تھے جسے یاد کرنا تھا پس بھولے کے بھولے ہی رہ گئے خود اپنی ہی ذات کو۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اس وقت موجود ہیں فسق کر رہے ہیں یعنی اللہ کی بات کو حق کو بدل رہے ہیں اور ظاہر ہے جب بات کو بدل دیا جائے گا اس میں ملاوٹ کر دی جائے گی تو حق کیسے مل سکتا ہے ہدایت کیسے مل سکتی ہے؟

اس آیت کے شروع میں جسے بھولے ہوئے ہیں اسے یاد کرنے کا کہا گیا اور بالکل دوٹوک الفاظ میں واضح کر دیا کہ اللہ تھا جسے بھولے ہوئے ہو اور پھر ساتھ ہی

آگے یہ بھی واضح کر دیا کہ اگر تم بھولے کے بھولے ہی رہ جاتے ہو تو تم خود اپنی ہی ذات کو بھولے کے بھولے ہی رہ گئے یعنی اپنی ہی ذات اللہ ہے اپنی حقیقت اللہ ہے نہ کہ کچھ اور۔ اور جو اپنی ہی ذات کو یاد کر لے تو ظاہر ہے وہ انسان نہیں پھر اللہ کا وجود ہے وہ ظاہر و باطن میں اللہ ہی ہے نہ کہ کوئی دوسرا وجود اور پھر اللہ اپنا کام کرتا ہے۔ وہ بشر تو ہے تمہاری ہی مثل لیکن وہ انسان نہیں ہے بلکہ اللہ ہے یوں اللہ اس کی صورت میں انسانوں کی راہنمائی کرے گا یعنی ان میں انہیں سے اس بشر کی صورت میں اللہ انسانوں کی راہنمائی کر رہا ہوتا ہے وہ علم دے رہا ہوتا ہے جو اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں جسے عربوں کی زبان میں نبی کہتے ہیں۔

اللہ کے علاوہ کوئی بھی نہیں بتا سکتا کہ آپ کیا بھولے ہوئے ہو اور یہی اللہ کہہ رہا ہے جو کہ لفظ نبی ہے اللہ کہہ رہا ہے کہ آپ کیا بھولے ہوئے ہو میں تمہیں نبا دیتا ہوں میں تمہیں نبا دے رہا ہوں جیسے میرا قانون ہے۔ تم انسان چونکہ بشر ہو تو تمہی میں سے کسی بشر کا انتخاب کرتا ہوں جیسے میرا قانون ہے اس بشر کے ذریعے میں تم سے کلام کر رہا ہوتا ہوں میں ہوتا ہوں جو اس بشر کی صورت میں تم پر حقیقت واضح کر رہا ہوتا ہے اس بشر میں میں بول رہا ہوتا ہوں اور عربی میں ایک لفظ اس بات کا احاطہ کرتا ہے اور وہ ہے لفظ نبی۔

اب آتے ہیں لفظ نبی سے متعلق ان پانچ الفاظ کی طرف جو قرآن میں استعمال ہوئے ہیں۔

نبی، نبیٍ، انبیا، نبیون اور نبیّن۔

ان میں پہلا لفظ ہے نبی جو کہ واحد کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں نبی۔

اگلا لفظ ہے نبی کے نیچے دو زیریں ''نبیٍ'' عربی کا اصول ہے کہ زیر کو جر کہتے ہیں، جر کہتے ہیں آگے بہنے کو یعنی مستقبل میں جانے کو، اس لیے جب بھی کسی لفظ کے آخری حرف کے نیچے زیر آئے تو وہ مستقبل کا صیغہ بن جاتا ہے۔ اور دو زیریں آجائیں تو اس کا مطلب ہوتا ہے جتنا آگے جایا جا سکتا ہے اب یہ اس لفظ پر منحصر ہے کہ اس کا آگے جانا کیا ہے؟ مثلاً جیسے ایک عربی میں لکھا جائے گا تو واحد لکھا جائے گا اور اگر واحد کی ''دٍ'' کے نیچے دو زیریں آجائیں تو یہ بن جائے گا ''واحدٍ'' واحد کے معنی ہیں اور ایک، واحدٍ کے معنی بنیں گے واحد جتنا آگے جا سکتا ہے جیسے کہ واحد یعنی اور ایک آگے جائے گا تو اور ایک یعنی دو آگے جائے گا تو اور ایک یعنی تین اسی طرح اور ایک، اور ایک کرتے کرتے جتنا آگے جا سکتا ہے۔

اور اس کے برعکس زبر زیر کی ضد ہے زیر آگے بہنے کو کہتے ہیں تو زبر پیچھے یعنی ماضی میں جانے کو، اور اگر دو زبریں آجائیں تو جتنا پیچھے سے پیچھے جایا جا سکتا ہے جیسے واحدً اور ایک اس کے پیچھے نہیں جایا جا سکتا کیونکہ یہیں سے ایک کی ابتداء ہوتی ہے اس لیے واحدً کا معنی صرف اور صرف اور ایک ہی بنے گا جس کا مطلب ہے یہی ایک جس کا ذکر کیا جا رہا ہے البتہ یہ اور ایک ہے یعنی اس کے علاوہ اور ایک بھی ہیں مگر یہاں صرف اسی ایک کی بات ہو رہی ہے۔

یہاں لفظ نبی کے آخری حرف کے نیچے دو زیریں ہیں ''نبیٍ'' جس کا مطلب کے لفظ نبی جتنا آگے جا سکتا ہے جس کے معنی بنیں گے اول تا آخر تمام کے تمام نبی یعنی کُل کے کُل نبی۔

اور جب آپ قرآن میں دیکھیں تو قرآن بذات خود ہر لفظ کی وضاحت کرتا ہے جیسا کہ آپ درج ذیل آیات میں دیکھ رہے ہیں۔

وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِيٍّ . آل عمران ۱۴۶

اور جتنے بھی نبی ہیں یعنی تمام کے تمام نبی ان میں سے بہت سے نبی جو اپنے اپنے وقت میں گزر چکے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ .آل عمران ۱۶۱

اور نہیں تھا کسی بھی نبی کے لیے یعنی تمام کے تمام نبی۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِىۡ قَرۡيَةٍ مِّنۡ نَّبِىٍّ اِلَّا . الاعراف ۹۴

اور نہیں بھیجا ہم نے تمام کی تمام قریہ میں جتنے بھی نبی ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی نبی مگر یعنی جتنے بھی نبی ہیں تمام کے تمام کو ہر قریہ میں بھیجا۔

مَا کَانَ لِنَبِیٍّ. الانفال۶۷

نہیں تھا کسی بھی نبی کے لیے یعنی تمام کے تمام نبی۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّا . الحج ۵۲

اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے جتنے بھی رسول ہیں ان میں سے کوئی بھی رسول اور جتنے بھی نبی ہیں ان میں سے کوئی بھی نبی مگر یعنی ہر رسول اور ہر نبی کو بھیجا۔

وَکَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِیٍّ فِی الۡاَوَّلِیۡنَ .الزخرف ۶

اور بالکل اسی طرح جیسے تجھے بھیجا ہم نے جتنے بھی نبی ہیں ہر نبی کو اسی طرح بھیجا الاولین میں۔

وَمَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ نَّبِیٍّ اِلَّا .الزخرف ۷

اور نہیں آیا ان کے پاس جتنے بھی نبی ہیں ان میں سے کوئی بھی نبی مگر یعنی تمام کے تمام نبی ان کے پاس آئے۔

ان تمام آیات میں کُل کے کُل نبیوں کا ذکر کیا گیا اور ہر آیت میں آپ کو یہی لفظ ملے گا نبیٍ۔ لفظ نبی کی ''ی'' کے نیچے دو زیروں کا استعمال کیا گیا جس سے لفظ نبی واحد سے جمع کا صیغہ نبیٍ بن گیا۔ نبیٍ کُل نبی۔

آپ نے دیکھا کہ کس طرح قرآن اپنی وضاحت خود کرتا ہے قرآن نہ صرف اپنی وضاحت خود کرتا ہے بلکہ وہ ہر بات کو ہر پہلو سے پھیر پھیر کر سامنے لاتا ہے جہاں قرآن نے مختلف مقامات پر ایک پہلو سے یہ بات سامنے لا رکھی کہ نبیوں کی جمع کے لیے لفظ نبیٍ ہے تو وہیں مزید مقامات پر اسی بات کو ایک دوسرے پہلو سے بالکل کھول کر سامنے رکھ دیا جیسا کہ آپ درج ذیل آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَکَذٰلِکَ جَعَلۡنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیۡنَ الۡاِنۡسِ وَالۡجِنِّ . الانعام ۱۱۲

اور بالکل اسی طرح کر دیا ہم نے جتنے بھی نبی ہیں ہر نبی کے لیے دشمن شیاطین انس و جن کو۔

وَکَذٰلِکَ جَعَلۡنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ. الفرقان ۳۱

اور بالکل اسی طرح کر دیا ہم نے جتنے بھی نبی ہیں ہر نبی کے لیے دشمن مجرمین سے۔

ان آیات میں لفظ نبیٍ کے پیچھے کل کا لفظ استعمال کیا گیا جو لفظ نبیٍ کی غیر معمولی طریقے سے وضاحت کر دیتا ہے کہ نبیٍ کے معنی ہیں کُل کے کُل نبی یعنی لفظ نبیٍ جمع ہے لفظ نبی کی۔

یہاں تک دو الفاظ بالکل کھل کر واضح ہو چکے ہیں پہلا لفظ ''نبی'' واحد کا صیغہ ہے یعنی نبی اور دوسرا لفظ ''نبیٍ'' جمع کا صیغہ ہے کُل کے کُل نبی۔

اب پیچھے رہ جاتے ہیں تین الفاظ انبیا، نبیون، نبیّن۔

جب قرآن اللہ کا کلام ہے یعنی اس قرآن میں جو کچھ بھی لکھا ہوا ہے یہ اللہ کی اول تا آخر تمام انسانوں سے ہونے والی گفتگو کی تاریخ آیات کی صورت میں لکھی ہوئی ہے اور انسانوں کے لیے تین حالتیں وجود رکھتی ہیں ماضی، حال اور مستقبل تو پھر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جاتی کہ یہ تینوں الفاظ ماضی، حال اور مستقبل کے صیغے ہیں۔

اب آپ خود ذرا غور کریں جب اللہ انسانوں سے کلام کرتا ہے تو کیا اللہ انسانوں پر ماضی حال اور مستقبل کا فرق واضح نہیں کرتا؟ جب اللہ انسانوں سے کلام کرتا ہے تو کیا وہ ماضی حال و مستقبل کو مدنظر نہیں رکھے گا؟ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے وقت جب اللہ اس وقت کے انسانوں سے کلام کر رہا تھا تو اس وقت ان کو ماضی کے انبیاء کی بات بتانا مقصود ہوتی تو کیا اللہ انہیں یہ نہ بتاتا کہ یہ ماضی کے انبیاء کی بات ہے اور حال والوں کی بات کرنا مقصود ہوتی تو کیا یہ نہ بتاتا کہ یہ حال والے نبیوں کی بات کی جا رہی ہے اور اسی طرح اگر مستقبل والوں کی بات کرنا مقصود ہوتا تو کیا یہ نہ واضح کرتا کہ یہ مستقبل والے نبیّن کی بات کی جا رہی ہے؟ انسان کے لیے تین حالتیں وجود رکھتی ہے ماضی، حال اور مستقبل اور پھر پیچھے تین ہی الفاظ بچتے ہیں تو اندھوں کو بھی نظر آ رہا ہے کہ ان میں سے ایک ماضی کے

انبیاء کا ذکر کیا جا رہا ہے ایک حال کے نبیوں کا اور ایک مستقبل کے نبیّن کا۔
قرآن خود اس کی وضاحت کر دیتا ہے کہ ان میں سے ماضی والے انبیاء کے لیے کون سا لفظ ہے، حال والوں کے لیے کون سا اور مستقبل کے نبیّن کے لیے کون سا لفظ استعمال کیا گیا۔
قرآن سے ان تینوں الفاظ کی وضاحت سے پہلے عربی گرائمر کی رو سے ان الفاظ کو آپ کے سامنے رکھتے ہیں اس کے بعد قرآن سے ان کی وضاحت کریں گے۔
ان میں پہلا لفظ آ جاتا ہے انبیاء جو کہ تین الفاظ کا مجموعہ ہے ان میں پہلا لفظ ایک حرف ''الف'' ہے دوسرا لفظ ''نبی'' اور تیسرا لفظ بھی ایک حرف ''الف'' ہے۔ جب بھی الف کسی لفظ کے شروع میں استعمال ہوتا ہے تو الف اس کو اس طرز پر سوالیہ بنا دیتا ہے کہ جواب اس کے آگے ہی موجود ہوتا ہے یعنی لفظ کے شروع میں الف نہ صرف آگے آنے والے لفظ کو سوالیہ بناتا ہے بلکہ اگلے ہی لفظ میں اس کا جواب بھی موجود ہوتا ہے مثلاً اسے ایک مثال سے آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔
آپ دن میں کئی بار سنتے ہیں اور اپنی زبان سے بھی یہ الفاظ ادا کرتے ہیں اللہ اکبر۔ اس کا ترجمہ کر دیا جاتا ہے اللہ بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے یا اللہ سب سے بڑا ہے لیکن یہ ترجمہ ٹھیک نہیں ہے۔
اللہ اکبر میں نہ صرف یہ سوال ہے کہ اللہ کیا ہے بلکہ اس سوال کا جواب بھی موجود ہے۔
اللہُ۔ اللہ کی ہ پر پیش ہے جو اسے حال کا صیغہ بنا دیتی ہے یوں اللہُ کے معنی بنتے ہیں اللہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کیا ہے؟ تو آگے اسی سوال کا جواب موجود ہے۔ اکبر۔ یہ بھی دو الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ ایک حرف ''الف'' اور دوسرا لفظ ''کبر'' ہے۔ ''کبر'' کی ضد ''صغر'' ہے جس کے معنی وجودی، صلاحیتوں وخصوصیات کے اعتبار سے چھوٹا ہونے کے ہیں اور ''کبر'' کے معنی وجودی، صلاحیتوں وخصوصیات کے اعتبار سے بڑا ہونے کے ہیں اور شروع میں ''الف'' اسے سوالیہ بنا دیتا ہے۔ اکبر جس کے معنی بنیں گے کیا ہے بڑا؟ یعنی جو بڑا ثابت ہو جائے وہی اللہ ہے۔ مثلاً اگر کوئی کہتا ہے کہ فلاں اللہ ہے تو دیکھو کیا وہ بڑا ہے؟ مثلاً اگر ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ ہے تو اس سے بڑا تو درخت ہے تو اس کا مطلب کیا درخت اللہ ہے؟ نہیں درختوں سے بڑے تو پہاڑ ہیں تو پھر کیا پہاڑ اللہ ہیں؟ نہیں پہاڑوں سے بڑا تو سمندر ہے تو کیا سمندر اللہ ہے؟ نہیں سمندروں سے بڑی تو زمین ہے تو کیا زمین اللہ ہے؟ نہیں زمین سے بڑا تو سورج ہے تو کیا سورج اللہ ہے؟ نہیں سورج سے بڑا تو نظام شمسی ہے تو کیا نظام شمسی اللہ ہے؟ نہیں نظام شمسی سے بڑی تو کہکشائیں ہیں تو کیا کہکشائیں اللہ ہے؟ نہیں کہکشاؤں سے بڑی تو کائنات دنیا ہے تو کیا کائنات دنیا اللہ ہے؟ نہیں کائنات دنیا سے بڑی تو دوسری کائنات یعنی دوسرا آسمان ہے کیا وہ اللہ ہے؟ نہیں اس سے بڑا تو تیسرا آسمان یعنی تیسری کائنات ہے تو کیا وہ اللہ ہے؟ نہیں بلکہ اس سے بڑی تو چوتھی کائنات یعنی چوتھا آسمان اس سے بڑا پانچواں اس سے بڑا چھٹا اس سے بڑا ساتواں ساتویں سے بڑا کُل کا کُل جو کچھ بھی ہے وہ بطور ایک وجود، ایک ہی وجود ہے اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں یوں جو بڑا ثابت ہو جائے وہی اللہ ہے۔
آپ نے جان لیا کہ اللہ اکبر کے معنی کیا ہیں نہ صرف اس میں سوال ہے کہ اللہ ہے اور کیا ہے اللہ بلکہ اس سوال کا جواب بھی موجود ہے اور آپ کو یہ بھی پتہ چل گیا کہ جب الف کسی لفظ کے شروع میں آتا ہے تو اسے سوالیہ بنا دیتا ہے اور اگلا لفظ اسی سوال کا جواب دیتا ہے۔

آپ نے جان لیا کہ اگر الف کسی بھی لفظ کے شروع میں استعمال ہو تو نہ صرف الف اسے سوالیہ بنا دیتا ہے بلکہ اگلے ہی لفظ میں اس سوال کا جواب بھی موجود ہوتا ہے۔ انبیاء میں الف کے بعد لفظ ''نبی'' کا استعمال ہوا ہے جس کے معنی پیچھے واضح کیے جا چکے اب الف اور نبی کو جمع کیا جائے تو لفظ وجود میں آئے گا ''انبی'' جس کے معنی بن جائیں گے کون سا نبی، کیا نبی، کیسا نبی وغیرہ اس لفظ کے آخر میں الف کا استعمال اسی سوال کا جواب دے دیتا ہے۔ الف کسی بھی لفظ کے آخر میں استعمال ہونے سے وہ لفظ ماضی کا صیغہ بن جاتا ہے یوں لفظ انبیا کے معنی بنتے ہیں وہ نبی جو ماضی میں گزر چکے۔ اب جب غور کریں تو پتا چلتا ہے کہ ماضی میں کوئی ایک نہیں بلکہ بہت سے نبی گزر چکے ہیں جس کے لیے الف کو بیک وقت آخر اور آخر کی طرف درمیان میں لا کر ماضی کا صیغہ اور کُل کے کُل کا

مادہ لانے کے لیے آخر میں ''ء'' کا استعمال کیا گیا جس سے الف بیک وقت آخر میں اور آخر کی طرف درمیان میں آجاتا ہے کیونکہ ''ء'' اپنے آپ میں لفظ نہیں ہے بلکہ یہ محض ایک علامتی لفظ ہے جس سے انبیاء کے معنی بنیں گے وہ تمام کے تمام نبی جو ماضی میں گزر چکے یعنی ماضی کے تمام کے تمام نبی۔

لفظ انبیا کے آخر میں اگر ''ء'' کا اضافہ کر دیا جائے تو الف اس لفظ کے آخر میں ہونے کیساتھ ساتھ درمیان میں بھی چلا جاتا ہے یعنی ایک ہی وقت میں الف نہ صرف اس لفظ کے آخر میں بھی موجود ہے بلکہ ''ء'' کے استعمال سے درمیان میں بھی آ جاتا ہے جس سے لفظی جملہ بن جاتا ہے انبیاء۔
آپ نے جان لیا کہ الف اگر لفظ کے شروع میں استعمال ہوتا ہے تو اسے سوالیہ بنا دیتا ہے اگر آخر میں استعمال ہو تو اسے ماضی کا صیغہ بنا دیتا ہے اور اگر شروع کی طرف درمیان میں استعمال ہو تو فاعل بنا دیتا ہے اور اگر آخر کی طرف درمیان میں استعمال ہو تو اس میں کسی کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیتا یعنی اس کے کُل کے کُل کا اظہار کرتا ہے۔
یوں لفظ انبیاء میں الف نہ صرف آخر میں آ کر اسے ماضی کا صیغہ بناتا ہے بلکہ ء کے استعمال سے الف بیک وقت درمیان میں بھی چلا جاتا ہے جو اس میں کس کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیتا یوں اس کے معنی بنیں گے وہ تمام کے تمام نبی جو ماضی میں گزر چکے یعنی ماضی کے تمام کے تمام نبی۔
لفظ انبیاء کی وضاحت ہو چکی انبیاء کے معنی ہیں وہ تمام کے تمام نبی جو ماضی میں گزر چکے اب آتے ہیں اگلے لفظ نبیون کی طرف۔ لفظ نبیون ایک جملہ ہے جو کہ تین الفاظ کا مجموعہ ہے ''نبی، و، ن'' لفظ نبی کے معنی تو آپ پہلے ہی جان چکے ہیں آگے آجاتا ہے ''وٗ'' جس سے لفظ ''نبیوٗ'' بن جاتا ہے۔ کسی بھی لفظ کے آگے ''وٗ'' کا استعمال حال کا صیغہ بنا دیتا ہے یوں لفظ ''نبیوٗ'' کے معنی بن جاتے ہیں وہ نبی جو حال میں موجود ہے یعنی حال والا نبی۔ اس کے آگے آجاتا ہے ''ن'' جس کے معنی ہیں ہم یعنی اللہ اپنا ذکر کر رہا ہے کہ جو حال والا نبی ہے یعنی جو نبا دے رہا ہے وہ اللہ ہے جو نبا دے رہا ہے۔
یوں لفظ ''نبیون'' جو کہ جملہ ہے بھی کھل کر واضح ہو گیا کہ نبیون کے معنی ہیں وہ نبی جو حال میں موجود ہیں حال والے نبی۔
اب جب کہ آپ نے جان لیا کہ انبیاء ماضی کے نبی اور نبیون حال والے نبی تو پھر پیچھے جو ایک لفظ بچا نبیّن جو کہ لامحالہ مستقبل کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں آنے والے نبی یعنی مستقبل میں آنے والے نبی۔
یہ بھی تین الفاظ کا مجموعہ ہے ''نبی، ی، ن'' لفظ نبی کی وضاحت پیچھے ہو چکی آگے آجاتا ہے ''ی'' جو کہ لفظ کے درمیان میں ہے جب بھی ''ی'' کسی لفظ کے درمیان میں استعمال ہو اور وہ اس کے اصلی حروف میں سے نہ ہو تو ''ی'' کے استعمال سے اس میں تسلسل یعنی دوام آجاتا ہے جو اسے مستقبل کا صیغہ بنا دیتا ہے اور آگے آجاتا ہے ''ن'' جس کے معنی ہیں ہم یعنی اللہ اپنے لیے استعمال کر رہا ہے۔ یوں عربی گرائمر کی رو سے لفظ نبیّن کے معنی بنتے ہیں مستقبل کے نبی یعنی آنے والے نبی، وہ نبی جو آگے آنے ہیں جو بعد میں آتے ہیں، بعد میں آنے والے نبی۔
آپ نے عربی گرائمر کی روشنی میں واضح طور پر جان لیا کہ قرآن میں استعمال ہونے والے ان پانچوں الفاظ میں سے ایک لفظ نبی واحد کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں ایک نبی، دوسرا لفظ نبيٍ یعنی لفظ نبی کے نیچے دو زیریں جو اس میں پھیلاؤ لاتی ہیں جس سے یہ جمع کا صیغہ بن جاتا ہے یعنی کُل کے کُل نبی۔ پیچھے رہ جاتے ہیں تین الفاظ ان میں پہلا انبیاء جس کے معنی ماضی کے نبی دوسرا لفظ نبیون جس کے معنی ہیں حال والے نبی اور تیسرا اور آخری لفظ ہے نبیّن جس کے معنی ہیں بعد میں آنے والے نبی یعنی مستقبل والے نبی۔

اب آتے ہیں قرآن کی طرف اور قرآن سے ہی جان لیتے ہیں کہ ان تینوں الفاظ کے معنی کیا ہیں؟
وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا نُؤۡمِنُ بِمَآ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا وَيَكۡفُرُوۡنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الۡحَـقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمۡ قُلۡ فَلِمَ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ .البقرة ۹۱
ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ اَيۡنَ مَا ثُقِفُوۡۤا اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡمَسۡكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ

كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ. آل عمران ١١٢

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ. آل عمران ١٨١

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا. النساء ١٥٥

قرآن میں مجموعی طور پر پانچ مقامات پر لفظ انبیاء کا استعمال کیا گیا ہے ان میں سے چار آیات میں بنی اسرائیل کا ذکر کرتے ہوئے قتل کیے جانے والے انبیاء کا ذکر کیا گیا جن کے لیے لفظ انبیاء کا استعمال کیا گیا۔ ان چاروں آیات میں قتل کیے جانے والے انبیاء کو ماضی کے انبیاء کے طور پر پیش کر کے لفظ انبیاء کا استعمال یہ بات بالکل واضح کر دیتا ہے کہ انبیاء نہ تو تمام کے تمام نبیوں کو کہا جاتا ہے نہ ہی حال کے نبیوں کو اور نہ ہی مستقبل کے نبیّن کو بلکہ انبیاء ماضی میں گزر جانے والے نبیوں کو کہا جاتا ہے اور پھر قرآن میں پانچویں مقام پر جہاں انبیاء لفظ کا استعمال ہوا وہ آیت بھی آپ کے سامنے ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ. المائده ٢٠

اس آیت میں بنی اسرائیل پر اللہ نے اپنی نعمت کیوں کی اس کی وجہ بیان کی گئی اور اس وقت یہ وجہ بیان کی گئی جب بنی اسرائیل ذلت و ہلاکت کا شکار تھے ذلیل و رسوا ہو رہے تھے تب ان پر واضح کیا گیا کہ ماضی میں جو تم پر اللہ نے اپنی نعمتیں کی تھیں ان کی وجہ ماضی میں تم میں آنے والے نبی تھے لیکن جب تم نے نبیوں کے آنے کا دروازہ ہی بند کر دیا تو یہ نتیجہ نکلا جو آج تم جس حال میں ہو۔ اور آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں جہاں نہ صرف بالکل واضح الفاظ میں اس آیت میں ماضی کے انبیاء کا ذکر موجود ہے وہاں ان کے لیے انبیاء کا لفظ استعمال کیا گیا جس سے قرآن اپنی وضاحت خود کرتے ہوئے یہ بات واضح کر دیتا ہے کہ ماضی میں گزر جانے والے انبیاء کو انبیاء کہا جاتا ہے۔

یہاں آیات کو کھول کر واضح نہیں کیا گیا نہ ہی آیات پر کوئی بات کی گئی اس کی وجہ ہمارا موضوع ہے موضوع کی مناسبت سے آیات کو سامنے رکھ کر بات کی گئی باقی آئندہ آگے چل کر اپنے موضوع کی مناسبت سے ان آیات کو ہر لحاظ سے بیّن کیا جائے گا یعنی انہیں ہر پہلو سے کھول کھول کر واضح کیا جائے گا۔

آپ نے جان لیا کہ ان پانچوں مقامات پر ماضی کے ہی انبیاء کا ذکر کیا گیا تو اس کے لیے لفظ انبیاء کا استعمال کیا گیا اس کے برعکس باقی چار الفاظ میں سے یہاں کوئی لفظ استعمال نہیں کیا گیا اور ایسا اسی لیے کیا گیا کیوں کہ قرآن الحکیم ہے جب بات ماضی کے انبیاء کی کی جارہی ہے تو ظاہر ہے ماضی کے انبیاء کے لیے جو لفظ ہے وہی استعمال کیا جائے گا یوں قرآن اپنی وضاحت خود کرتا ہے۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ. البقرة ١٣٦

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ. آل عمران ٨٤

قرآن میں مجموعی طور پر تین مقامات پر لفظ نبیون کا استعمال کیا گیا ان میں سے دو مقام آپ کے سامنے ہیں جن میں ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اسباط یعنی جو اسی طرح پے در پے بعد میں نبی آتے رہے یہاں تک کہ موسیٰ اور عیسیٰ کا ذکر ہے پھر عیسیٰ کے بعد والنبیون کا ذکر کیا گیا۔ اب یہاں سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ خود کو مسلمان کہلوانے والوں کے نزدیک تو عیسیٰ کے بعد صرف ایک ہی رسول و نبی تھے جو کہ محمد تھے تو پھر قرآن میں اللہ نے

یہاں پرانہی کے اصولوں کے مطابق جمع کا صیغہ کیوں استعمال کیا؟ کیونکہ ان کے نزدیک تو عیسیٰ کے بعد ایک ہی نبی ہے لیکن یہاں تو عیسیٰ کے بعد جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا آخرایسا کیوں؟ اگر خاتم النبیّن کے معنی آخری نبی کے ہیں اور عیسیٰ نے کہا کہ میرے بعد ایک رسول آئے گا اگر یہ سب سچ مان لیا جائے تو قرآن میں بہت بڑا تضاد سامنے آجاتا ہے ایک طرف عیسیٰ کے بعد صرف ایک ہی نبی نے آنا تھا اور دوسری طرف قرآن عیسیٰ کے بعد نبیون کا لفظ استعمال کر رہا ہے جو کہ ایک نہیں دو نہیں بلکہ دو سے زائد نبیوں کے لیے ہی استعمال کیا جا سکتا ہے یوں تو قرآن میں اختلاف ثابت ہو کر یہ قرآن تو غیر اللہ کی طرف سے ثابت ہو جاتا ہے۔

جب اپنے من گھڑت عقائد کو سچا ثابت کرنے کے لیے قرآن کیساتھ کھلواڑ کیا جائے گا تو ظاہر ہے نتیجتاً پورا قرآن آپ کو اختلافات سے بھرپور ملے گا حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہے۔ ان آیات میں ابراہیم سے لیکر عیسیٰ تک پوری ترتیب کیساتھ نبیوں کا ذکر کیا گیا اور عیسیٰ کے بعد محمد کی بجائے والنبیون کا لفظ استعمال کیا گیا۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ عیسیٰ کو انجیل دی گئی اور انجیل کے بعد ھذا القرآن جو اپنے نزول کے وقت سے لیکر الساعت کے قیام تک کے لیے راہنمائی کرنے والی ہے تو عیسیٰ کے بعد محمد سے لیکر الساعت کے قیام تک کا سارا وقت قرآن کے نزدیک حال کا وقت بن جاتا ہے یعنی محمد کی بعثت سے لیکر الساعت کے قیام تک ہر لمحہ ہی قرآن کے لیے حال کا وقت ہے تو جب یہ مدت ہر لمحہ قرآن کے نزدیک حال کا ہی وقت ہے تو ظاہر ہے اس دوران اگر نبیوں کا ذکر کیا جائے گا تو اس کے لیے حال کا ہی صیغہ استعمال ہوگا۔ اب یہاں جو بھی لفظ استعمال ہوتا ہے وہ صرف اور صرف حال کا ہی صیغہ ہوگا اور آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ان آیات میں لفظ نبیون کا استعمال کیا گیا جس کے معنی ہیں حال والے نبی۔

اسی طرح قرآن میں تیسرے مقام پر جہاں نبیون لفظ کا استعمال کیا گیا وہ بھی آپ کے سامنے ہے۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ‌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ‌ ۚ فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَاخۡشَوۡنِ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا‌ ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ. المائدہ ۴۴

اس آیت میں اللہ نے تورات میں جب تک ہدایت و نور تھا اس پورے وقت کو حال بناتے ہوئے اس دوران جتنے بھی نبی ہیں ان کا ذکر کیا جس کے لیے نبیون کا لفظ استعمال کیا گیا یعنی اگر آپ ایک سو سال کی مدت کو بطور حال سامنے رکھ کر بات کرتے ہیں تو اس سو سال کے دوران ہر واقعے کے لیے آپ حال کا ہی صیغہ استعمال کریں گے بالکل اسی طرح اللہ نے اس آیت میں تورات والی مدت کو جب تک کہ انجیل میں ہدایت و نور لازم نہیں ہو گیا اس پوری مدت کو بطور حال سامنے رکھتے ہوئے بات کی اور جب وہ پوری مدت بطور حال سامنے رکھی تو اس میں جتنے بھی نبی ہوں گے ان کے لیے حال کا ہی صیغہ استعمال کیا جا سکتا اس لیے یہاں جو لفظ استعمال ہوا اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ اس کا معنی ہے حال والے نبی یعنی حال والے نبیوں کو نبیون کہا جاتا ہے۔

آپ نے دیکھا کہ قرآن نے اپنی وضاحت خود کرتے ہوئے تین میں سے دو الفاظ انبیاء اور النبیون کی وضاحت کر دی اب پیچھے بچا صرف ایک لفظ النبیّن۔

اب نہ صرف پیچھے ایک ہی لفظ بچا بلکہ ایک ہی صیغہ بچا ہے اور وہ ہے مستقبل کا صیغہ جس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ النبیّن مستقبل میں یعنی بعد میں آنے والے نبیّن کو کہا جاتا ہے۔ اس کے باوجود ہم قرآن میں تیرہ آیات میں استعمال ہونے والے لفظ نبیّن میں سے کچھ آیات کو آپ کے سامنے رکھتے ہیں جن میں لفظ النبیّن کا استعمال کیا گیا تا کہ لفظ النبیّن کے معنی کیا ہیں کسی بھی قسم کا کوئی شک و شبہ یا ابہام نہ رہے اور حق بالکل کھل کر واضح ہو جائے۔

وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰۤـئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ‌ ۚ وَحَسُنَ اُولٰۤـئِكَ رَفِيۡقًا . النساء ۶۹

اس آیت میں النبیّن کو رسول کی اطاعت سے مشروط کر دیا کہ النبیّن انہیں میں سے ہوں گے جو رسول کی اطاعت کرنے والے ہوں گے یعنی دوٹوک الفاظ میں بالکل واضح یہ بات موجود ہے کہ رسول پہلے ہے اس کے بعد میں آنے والے نبی جو کہ رسول کی اطاعت سے ہی آ سکتے ہیں ان کے لیے لفظ النبیّن کا استعمال کیا گیا جس سے یہ بات کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ النبیّن بعد میں آنے والے نبیوں کو کہا جاتا ہے یعنی مستقبل میں آنے والے نبیوں کو۔ اسی طرح اگلی آیت میں

دیکھیں۔

اِنَّآ اَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡکَ کَمَآ اَوۡحَیۡنَآ اِلٰی نُوۡحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ۚ وَاَوۡحَیۡنَآ اِلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَعِیۡسٰی وَاَیُّوۡبَ وَیُوۡنُسَ وَہٰرُوۡنَ وَسُلَیۡمٰنَ ۚ وَاٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا. النساء ۱۶۳

اس آیت میں اللہ کا کہنا ہے اس میں کچھ شک نہیں ہم وحی کرر ہے ہیں تیری طرف بالکل اسی طرح جیسے ہم وحی کرر ہے تھے نوحؑ یعنی جو بہت سے نوح تھے ان کی طرف اور النبیّن کی طرف جوان کے بعد تھے اور ہم وحی کرتے رہے ابراہیم کی طرف اور اسماعیل کی طرف اور اسحاق کی طرف اور یعقوب کی طرف اور اسباط یعنی پے در پے آنے والے نبیوں کی طرف اور عیسیٰ کی طرف اور ایوب کی طرف اور یونس کی طرف اور ہارون کی طرف اور سلیمان کی طرف اور دی تھی ہم نے داؤد کو زبور۔

اس آیت میں پہلے نوحؑ کی طرف وحی کرنے کا ذکر کیا گیا پھر نوحؑ کے بعد النبیّن اور پھر اس کیساتھ ہی من بعدہ کے الفاظ کا بھی استعمال کیا اور نوحؑ کے بعد والے نبیوں کے جب نام لیے گئے تو یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن نبیوں کا یہاں نام لیکر ذکر کیا گیا کیا وہ نوحؑ سے پہلے والے نبی تھے؟ یا پھر نوح سے تو نبیوں کی ابتداء ہوئی تھی جتنے بھی نبی ہیں وہ نوح کے بعد ہی ہیں؟ جب یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ نوح پہلے نبی تھے اور اگر اس میں کوئی شک وشبہ ہو بھی تو جن کے نام لیے گئے وہ تو ہر کوئی جانتا ہے نوح کے بہت بعد میں ہی آئے تو پھر اس آیت میں لفظ النبیّن کے ساتھ ہی من بعدہ کے الفاظ کا استعمال کیوں کیا گیا؟

جب ہر کسی پر یہ واضح ہے کہ ابراہیم سے لیکر جن جن کے بھی نام لیے گئے وہ سب کے سب نوح کے بہت بعد میں ہی آئے تو پھر النبیّن کے ساتھ من بعدہ کے الفاظ کا استعمال صرف اور صرف اس لیے کیا گیا کیوں کہ قرآن اپنی وضاحت خود کر رہا ہے کہ النبیّن ان نبیوں کو کہتے ہیں جو بعد والے ہوتے ہیں۔ اس آیت میں نوح کے بعد والے نبیوں کا ذکر کیا گیا جس کے لیے نہ تو لفظ نبی کا استعمال کیا گیا نہ ہی انبیاء کا اور نہ ہی نبیون کا استعمال کیا گیا۔ جب قرآن الحکیم ہے تو جہاں بعد والے نبیوں کا ذکر کرنا مقصود ہے تو وہاں صرف اور صرف مستقبل کا صیغہ ہی استعمال کیا جا سکتا ہے نہ کہ کوئی اور اگر وہاں اس کے علاوہ کوئی اور صیغہ استعمال کیا جاتا ہے تو قرآن الحکیم کیسے ہوسکتا ہے؟ نوح کے بعد والے نبیوں کا جب ذکر کیا جارہا ہے تو اس کے لیے نبی، انبیاء یا نبیون کی بجائے لفظ النبیّن اسی لیے استعمال کیا کیوں کہ النبیّن بعد والے نبیوں کو ہی کہا جاتا ہے یعنی مستقبل میں آنے والے نبیوں کو کہا جاتا ہے۔ اور پھر ''وَّالنَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ'' کے الفاظ لفظ نبیّن کی وضاحت کر رہے ہیں ورنہ تو ہر کوئی جانتا ہے جتنے بھی نبیوں کے نام لیے گئے وہ سب کے سب تو بعد میں ہی آئے۔ اس لیے یہاں ''وَّالنَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ'' کے الفاظ لانے کا مقصد ہی یہی ہے کہ قرآن اپنی وضاحت خود کرتے ہوئے لفظ النبیّن کی وضاحت کر رہا ہے کہ النبیّن بعد میں آنے والے نبیوں کو کہا جاتا ہے۔

یوں آپ نے جان لیا کہ قرآن نے ہر لحاظ سے یہ بات واضح کر دی کہ النبیّن بعد میں آنے والے نبیوں کو کہا جاتا ہے۔

قرآن میں اللہ نے بات کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا وہ یہ ہے کہ اللہ نے جب بھی بات کی تو پہلے ایک لائن لگائی جسے حال قرار دیا اس لائن سے پیچھے ماضی اور اس لائن سے آگے کو مستقبل قرار دیا پھر جب اللہ بات کرتا ہے تو اس لائن والے وقت کے لیے جو بھی بات کرتا ہے تو ایسے جیسے کہ ابھی حال کی بات ہو رہی ہے یوں اللہ اس کے لیے حال کا صیغہ استعمال کرتا ہے اور اس لائن سے پیچھے کے لیے ماضی کا صیغہ اور آگے کے لیے مستقبل کا صیغہ۔ بالکل اسی طرح اللہ نے جب جب نبیوں کی بات کی تو پہلے ایک لائن لگائی جسے حال قرار دیا اس لائن والے وقت میں جب بھی نبیوں کی بات کی تو ان کے لیے النبیون کا لفظ استعمال کیا جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ النبیون حال والے نبیوں کو کہا جاتا ہے اور جب بھی اس لائن سے پیچھے والے نبیوں کی بات کی تو اس کے لیے لفظ انبیاء کا استعمال کیا جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انبیاء ماضی کے نبیوں کو کہا جاتا ہے پھر جب بھی اس لائن کے بعد والے نبیوں کی بات کی تو اس کے لیے النبیّن کا لفظ استعمال کیا جس سے کوئی شک وشبہ نہیں رہتا کہ النبیّن بعد میں آنے والے نبیوں یعنی مستقبل میں آنے والے نبیوں کو کہا جاتا ہے یوں تینوں الفاظ کی قرآن خود کھول کھول کر وضاحت کرتا ہے۔

اب میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ کیا اللہ العزیز الحکیم نہیں ہے؟ کیا یہ قرآن الحکیم نہیں ہے؟

جب اللہ العزیز الحکیم ہے تو اس کا کلام قرآن بھی الحکیم ہے یعنی اللہ نے اس قرآن میں جو جو الفاظ استعمال کیے جہاں جہاں جو فرق بھی رکھا جو ترتیب رکھی اس میں رائی برابر بھی فرق یا تبدیلی نہیں کی جا سکتی اللہ نے جہاں بھی جو بھی فرق رکھا اگر اسے نظرانداز کیا جائے گا یا اس میں کہیں بھی ردو بدل کی جائے گی تو یہ اپنے عمل سے اللہ کے العزیز الحکیم ہونے کا کفر ہوگا۔

اب آپ خود بتائیں کیا آج تک ایسا ہوا کہ کسی ایک بھی مترجم ومفسر قرآن کے دعویدار نے اس فرق کو مدنظر رکھا ہو؟

کیا آج تک کسی نے بتایا کہ قرآن میں چار الگ الگ الفاظ ہیں اور اگر الگ الگ ہیں تو ظاہر ہے اللہ نے بغیر مقصد کے تو استعمال نہیں کیے اور پھر ان میں فرق کیا ہے کیا آج تک کسی نے واضح کیا؟ یا پھر تمام کے تمام مترجمین ومفسرین نے جہاں جہاں بھی یہ الفاظ آئے ان کا ایک ہی ترجمہ وتفسیر کی نبیوں کی جمع؟

کیا آج تک خود کو مترجم ومفسر قرآن کہلوانے والوں نے اللہ کے العزیز الحکیم ہونے کا کفر نہیں کیا؟

کیا انہوں نے اللہ کے ساتھ دشمنی نہیں کی؟ یہ اللہ کیساتھ شرک عظیم نہیں ہے؟

یہی تو وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اسی قرآن میں بار بار فاسق کہا ہے جو بات کو بدل دیتے ہیں جو اللہ کے کلام کو بدل دیتے ہیں اللہ کے رکھے ہوئے فرق کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور جب آپ اللہ کی بات میں تبدیلی کریں گے اس میں فرق کو نظرانداز کریں گے تو ظاہر ہے آپ کسی بھی صورت اصل نتیجے تک نہیں پہنچ سکتے آپ حق کو پا ہی نہیں سکتے اس کا نتیجہ سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں نکلے گا۔

ایسا کرنے والے مجرمین ہیں جن کے لیے اللہ کے قانون میں ہدایت ہے ہی نہیں حالانکہ وہ خود کو سب سے بڑے ہدایت یافتہ سمجھ رہے ہوتے ہیں۔

ان کے ختم نبوت کے عقیدے کی بنیاد جن دو دلائل پر کھڑی تھی انہیں ہر لحاظ سے اکھاڑ کر رکھ دیا آپ نے جان لیا کہ ان لوگوں نے کس طرح اپنے باطل وبے بنیاد عقائد کو سچا ثابت کرنے کے لیے انہیں بنیاد فراہم کرنے کے لیے قرآن کیساتھ تراجم وتفاسیر کی صورت میں کھلواڑ کیا۔ یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ خاتم النبیّن کے معنی آخری نبی نہیں بلکہ خاتم النبیّن کے معنی ہیں آنے والے تمام کے تمام نبیوں کا فلٹر جب تک کہ اگلا رسول وخاتم النبیّن بعث نہیں کر دیا جاتا۔ محمد کے بعد جب تک کہ اگلا رسول نہیں آتا تب تک جتنے بھی نبی آئیں گے ان میں سے صرف وہی اللہ کے رسول بن پائیں گے جو محمد کے فلٹر سے نکل کر آئیں گے جو محمد کے فلٹر سے نہیں نکلیں گے وہ اللہ کے ہاں نبی رسول نہیں بلکہ نبی کذاب کہلائیں گے وہ مجرمین ہوں گے جنہیں یہ حق نہیں تھا کہ وہ انسانوں کی راہنمائی کی ذمہ داری اٹھالیں اس کے باوجود جب انہوں نے انسانوں کی راہنمائی کی ذمہ داری کو اٹھا لیا تو ایسے تمام کے تمام نبیّن رسول نہیں بلکہ مجرمین شیاطین ہیں۔

اب آتے ہیں اس آیت کی مکمل وضاحت کی طرف اور اس آیت کو ہر لحاظ سے کھول کھول کر آپ کے سامنے رکھتے ہیں اور پھر اس کے بعد جن روایات کو پیش کیا جاتا ہے اور ان کی بنیاد پر نعرے لگائے جاتے ہیں کہ محمد علیہ السلام نے کہا کہ وہ آخری نبی ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں اور تیس کذاب ہوں گے وغیرہ ان روایات کی آڑ میں کس طرح دھوکا دیا جاتا رہا اس کو بھی ہر لحاظ سے آپ پر کھول کر واضح کرتے ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ. الاحزاب ۴۰

مَـا كَـانَ نہیں کیا تھا، یہاں یہ بات جان لیں کہ کان کا ترجمہ کیا جاتا ہے کہ کان ماضی کا صیغہ ہے جو کہ بالکل غلط اور بے بنیاد بات ہے کان اسی لفظ کی حالت ہے جس کی ایک حالت کن ہے اس کے علاوہ ایک حالت کونو اور ایک حالت کانو ہے۔ کان کے معنی ہیں جو بات قانون میں ہو چکی جیسے مثلاً اگر کوئی بادشاہ ہو آپ اسے کوئی کام کہتے ہیں تو وہ آپ کو کہتا ہے کہ تمہارا کام ہو گیا حالانکہ ابھی وہ کام نہیں ہوا مطلب یہ کہ جب بادشاہ نے کہہ دیا ہو گیا تو سمجھو وہ ہو گیا قانون میں وہ ہو چکا اب بس وقت کی دیر ہے جیسے ہی وقت آئے گا وہ کام ہو جائے گا بالکل ایسے ہی ایک بات ایک کام جو قانون میں ہو چکا جو طے ہو چکا اس کے لیے لفظ کان کا استعمال کیا جاتا ہے۔

اللہ کا کہنا ہے کہ مَـا كَـانَ اللہ نے یہ بات قانون میں ہی نہیں کی اللہ نے یہ قانون میں کیا ہی نہیں، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کون سی بات کیا ہے جو اللہ نے

قانون میں کیا ہی نہیں تھا تو آگے اسی سوال کا جواب ہے مُحَمَّدٌ‘‘ لفظ محمد کی د پر دو پیش ہیں دو پیش کیوں آتی ہیں اسے سمجھنے کے لیے پہلے پیش کو سمجھنا لازم ہے۔

زیر کو عربی میں جر کہتے ہیں اور جر کے معنی ہوتے ہیں آگے بہنے کے یعنی مستقبل میں جانے کے جب بھی زیر کا استعمال ہوتا ہے تو زیر اسے مستقبل کا صیغہ بنا دیتی ہے مثلاً لفظ رسول کی لام کے نیچے اگر زیر کا استعمال ہو تو یہ لفظ بن جائے گا رسولِ جس کے معنی بنیں گے آگے آنے والا رسول یعنی مستقبل کا رسول۔ جب آپ نے جان لیا کہ زیر کسے کہتے ہیں تو زیر کی ضد ہے زبر جب زیر سے مستقبل کا صیغہ بنتا ہے تو لامحالہ زبر سے ماضی کا صیغہ بنے گا یعنی جیسے زیر مستقبل میں آگے کو دھکیلتی ہے اسی طرح زبر پیچھے کو ماضی میں دھکیلتی ہے مثلاً اگر لفظ رسول کی لام پر زبر کا استعمال کیا جائے تو یہ لفظ بن جائے گا رسولَ جس کے معنی ہوں گے ماضی کا رسول یعنی وہ رسول جو گزر چکا۔ اب پیچھے رہ جاتی ہے پیش اور پیش بنتی ہے ’’ہٗ‘‘ اور ’’زیر‘‘ کو جمع کرنے سے، زیر کا تو آپ کو علم ہو چکا اور ’’ہٗ‘‘ کا استعمال ہوتا ہے کسی کی طرف اشارے کے لیے مثلاً آپ کسی شیئ کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ’’ہٗ‘‘ کا استعمال کیا جائے گا، جب ’’ہٗ‘‘ کسی شیئ کی طرف اشارے کے لیے استعمال ہوتی ہے تو ظاہر ہے وہ شیئ اپنا وجود رکھتی ہے اور ’’ہٗ‘‘ کیساتھ زیر جوڑنے سے یہ پیش بن جاتی ہے جس کے معنی بنتے ہیں جو موجود ہے وہ آگے کو جا رہی ہے یعنی وہ شیئ جو نہ صرف موجود ہے بلکہ مسلسل آگے کو جا رہی ہے یعنی جسے آپ حال کہتے ہیں پیش کے استعمال سے حال کا صیغہ بن جاتا ہے مثلاً لفظ رسول کی لام پر پیش کا استعمال کیا جائے تو لفظ بن جائے گا رسولُ جس کے معنی بنیں گے وہ رسول جو موجود ہے آگے کو جا رہا ہے یعنی حال والا رسول جو موجود ہے۔

اب آتے ہیں دو زیر دو زبر اور دو پیش کی طرف۔

زیر تو آپ جان چکے ہیں آگے جانے کو کہتے ہیں اور دو زیر کے معنی ہوتے ہیں جتنا آگے جایا جا سکتا ہے جتنا پھیلاؤ آ سکتا ہے مثلاً لفظ رسول کو ہی لے لیں جب لفظ رسول کی لام کے نیچے دو زیریں آ جائیں تو لفظ بن جائے گا رسولٍ جس کے معنی بنیں گے کہ لفظ رسول میں جتنا بھی پھیلاؤ آ سکتا ہے لفظ رسول جتنا بھی آگے بڑھ سکتا ہے جس کے معنی بنیں گے جتنے بھی رسول ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح اگر دو زبر آ جائیں تو آپ جان چکے ہیں کہ زبر کے معنی ہیں پیچھے جانا یعنی ماضی میں جانا اور دو زبر کے معنی ہوتے ہیں جتنا پیچھے جایا جا سکتا ہے جتنا سکڑ پن آ سکتا ہے مثلاً لفظ رسول کے لام پر دو زبریں آ جائیں تو یہ لفظ بنے گا رسولً لیکن اسے یوں نہیں لکھا جائے گا بلکہ اس کے آخر میں الف کا استعمال کیا جائے گا جس سے یہ یوں لکھا جائے گا رسولاً جس کے معنی بنیں گے کہ لفظ رسول جتنے پیچھے سے پیچھے جا سکتا ہے یعنی لفظ رسول میں جتنا سکڑ پن آ سکتا ہے تو وہ ایک ہی رسول بنے گا یعنی ایک رسول۔

اب آتے ہیں دو پیش کی طرف، آپ جان چکے ہیں کہ پیش حال کا صیغہ بناتی ہے اور پیش ’’ہٗ‘‘ اور زیر کے مجموعے سے وجود میں آتی ہے تو دو پیش یعنی ایک پیش پر الٹی پیش اس کے معنی کیا بنیں گے اسے بالکل آسان ترین الفاظ میں آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔ پیش ’’ہٗ‘‘ پلس زیر ’’ہِ‘‘ ’’ہٗ‘‘ شیئ کی طرف اشارہ ہے اور زیر اس شیئ کو آگے لے جا رہی ہے یعنی وہ شیئ جو نہ صرف موجود ہے بلکہ آگے جا رہی ہے نہ کہ پیچھے، تو جتنا آگے جا سکتی ہے وہاں جا کر وہاں پر پھر الٹی پیش آ جاتی ہے اور الٹی پیش ’’ہٗ‘‘ اور زبر کا مجموعہ ہے یعنی ایک شیئ جو موجود ہے اور آگے جا رہی ہے جہاں تک وہ آگے جاتی ہے وہاں سے وہ پھر واپس پیچھے کو سفر کر رہی ہے یوں یہ کسی بھی شیئ کی مکمل زندگی کی مدت کا تعین ہوتا ہے یعنی دو پیش کے معنی بنتے ہیں جب تک شیئ موجود رہی کسی بھی شیئ کی مکمل زندگی کی بات ہو رہی ہے اس مدت کی بات ہو رہی ہے جو اس کی مدت ہے جتنی مدت وہ موجود رہی۔

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ‘‘ اس آیت میں لفظ محمد کی ’’دٌ‘‘ پر دو پیش ہیں جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب تک محمد دنیا میں موجود تھے اس پوری مدت کی بات ہو رہی ہے مَا کَانَ مُحَمَّدٌ‘‘ اللہ نے یہ قانون میں ہی نہیں کیا تھا کہ محمد جب تک دنیا میں موجود تھے اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ ابا تھے تمہارے رجال میں سے کسی ایک کے بھی، رجال رجل کی جمع ہے جس کے معنی ہیں بالغ با اختیار مرد اور ابا کے معنی آپ پیچھے تفصیل کیساتھ جان چکے ہیں کہ ابا کہتے ہیں جس کی ملت پر چلا جائے جسے رول ماڈل بنانا ہے، اس نے کیسے زندگی گزاری کب کب کس کس موقع پر کیا کیا کیسے کیا بالکل ویسے ہی کرنا ہے۔

جو کچھ آج تک پھیلا دیا گیا لوگوں کے ذہنوں میں راسخ کر دیا گیا اس کی بنیاد پر یہ بات بہت تلخ ہے اور ہلا کر رکھ دینے والی ہے لیکن یہ حق ہے اور اللہ خود یہ کہہ رہا

ہے کہ محمد جب تک دنیا میں موجود تھے وہ تمہارے بااختیار مردوں میں سے کسی ایک کے بھی ابا نہیں تھے رول ماڈل نہیں تھے کسی ایک کو بھی یہ حکم نہیں دیا تھا کسی ایک کے لیے بھی یہ نہیں کیا تھا کہ محمد کی ملت پر چلنا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر محمد کی ملت پر نہیں چلنا تھا محمد ابا نہیں تھے تو پھر ابا ہیں کون؟ کس کی ملت پر چلنا ہے کسے رول ماڈل بنانا ہے؟ اور پھر محمد تھے کیا؟ ان کی بعثت کا مقصد کیا تھا؟ تو اس کا جواب اللہ نے قرآن کے دوسرے مقام پر دے دیا۔

مِلَّةَ اَبِيۡكُمۡ اِبۡرٰهِيۡمَ . الحج ۷۸

ملت تھی تمہارے ابا ابراہیم تھے یعنی یہ جو تم محمد کی ملت کے دعویدار بنے ہوئے ہو یہ ملت نہیں ہے تمہارے ابا محمد نہیں تھے بلکہ تمہارے ابا ابراہیم تھے ان کی ملت تھی تمہارے ابا ابراہیم تھے۔

آج آپ جانتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح جس طرح یہودیوں نے کہا کہ موسیٰ ہمارے ابا ہیں ہم موسیٰ کی ملت پر چلیں گے اور وہ اسی پر ڈٹ گئے انہوں نے ابا ابراہیم کو چھوڑ کر موسیٰ کو ابا بنالیا اور ان کے بعد عیسائیوں نے بھی وہی کیا کہ ابا ابراہیم کو ترک کر کے عیسیٰ ابن مریم کو اپنا ابا بنالیا اور اسی پر ڈٹ گئے بالکل اسی طرح یہودیوں اور عیسائیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خود کو امت مسلمہ کہلوانے والوں نے بھی وہی کیا انہوں نے بھی یہی کیا کہ ہمارے ابا ابراہیم نہیں بلکہ محمد ہیں اور آج تک یہ محمد کو اپنا ابا بنائے ہوئے اسی پر ڈٹے ہوئے ہیں۔

اسی کی اللہ نے نفی کرتے ہوئے ان کے اس عقیدے و نظریے کا رد کرتے ہوئے یہ بات واضح کر دی کہ محمد تمہارے بالغ و بااختیار مردوں میں سے کسی کے ابا نہیں تھے بلکہ تمہارے ابا ابراہیم تھے تمہارے لیے رول ماڈل ابراہیم تھے۔

جب یہ بات واضح ہو چکی کہ ہمارے ابا محمد نہیں بلکہ محمد کے برعکس ابراہیم تھے محمد کی ملت پر چلنے کا کبھی بھی نہیں کہا گیا تو پھر محمد کیا تھے؟ کس بنیاد پر محمد کی اطاعت و اتباع کا حکم دیا گیا تھا؟ کس بنیاد پر اس وقت کے لوگوں نے جب محمد موجود تھے محمد کی اطاعت و اتباع کی، محمد کو اپنا رول ماڈل بنایا یعنی محمد میں اپنے لیے اسوہ حسنہ اخذ کیا؟ کس بنیاد پر اس وقت لوگوں نے محمد کی ملت کی اتباع کی؟

تو ان تمام سوالات کا جواب بھی سورت الاحزاب کی اسی آیت میں آگے دیدیا گیا۔

وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ اور لیکن رسول تھے اللہ کے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں ہونا لازم ہے کہ لفظ رسول کی لام پر زبر کا استعمال ہوا ہے جس کا معنی بنتا ہے وہ رسول جو ماضی کا حصہ بن گیا ماضی کا رسول گزرا ہوا رسول یعنی رسول تھے اب نہیں ہیں۔

اللہ نے یہاں یہ بات واضح کر دی کہ محمد رسول تھے اس لیے جب تک وہ موجود تھے تو محمد کی ملت نہیں بلکہ رسول کی ملت کی اتباع کی گئی رسول کو ابا بنایا گیا نہ کہ محمد کو، رسول کی ذات میں اسوہ حسنہ اخذ کیا گیا نہ کہ محمد کی ذات میں، اس وقت اگر محمد کی جگہ کوئی اور رسول ہوتا تو جو بھی رسول ہوتا تو رسول کی ملت کی اتباع کرنا تھی رسول کو ابا بنانا تھا نہ کہ اس شخص کو۔

کیونکہ جب آپ قرآن میں دیکھیں تو یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ اللہ نے صرف اور صرف ایک ہی شخص کا نام لیکر کہا کہ اس میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے اس کے علاوہ کسی شخص کا نام نہیں لیا اور وہ ہیں ابراہیم علیہ السلام۔ ابراہیم کو دنیا کے تمام لوگوں کے لیے امام بنا دیا اس کے علاوہ لفظ رسول کا استعمال کیا اور وہ اس لیے کہ جو بھی شخص رسول ہوتا ہے اس کی اپنی کوئی ملت نہیں ہوتی بلکہ وہ تو محض ابراہیم کی ملت کیا ہے اس کو واضح کرتا ہے وہ تو خود ابراہیم کی ملت کی اتباع کر رہا ہوتا ہے، رسول کے ذریعے ہی تو انسانوں پر واضح کیا جاتا ہے کہ ابراہیم کی ملت کیا ہے اور اسی کو آپ قرآن کی درج ذیل آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

قَدۡ كَانَتۡ لَكُمۡ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ فِىۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ . الممتحنة ۴

اللہ نے قرآن میں صرف ایک ہی شخصیت کا نام لیکر کہا کہ اس میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے اور وہ ہیں ابراہیم علیہ السلام۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ابراہیم علیہ السلام ہمارے ابا ہیں یعنی وہ ہمارے لیے رول ماڈل ہیں ان کی ذات میں اسوہ حسنہ ہے تو پھر ہم ان کو کس طرح رول ماڈل بنا سکتے ہیں کیونکہ رول ماڈل تو وہی ہوتا ہے جس کی زندگی آپ کے سامنے ہو اس نے زندگی گزاری تو کیسے گزاری تا کہ ہم بھی اسی کی طرح اپنی زندگی گزاریں وہ کیسے کھاتا تھا کیا کھاتا تھا کیسے اور کیا پیتا کب کون سا کام اور کیسے کرتا اس پر حق کیسے واضح ہوا وغیرہ لیکن ابراہیم کی تو ہزاروں سال قبل ہی وفات

ہو چکی ہمیں تو علم ہی نہیں کہ انہوں نے کیسے زندگی گزاری تو ہم ان کی ملت پر کیسے چل سکتے ہیں جب کہ نہ ہم نے انہیں دیکھا اور نہ ہی ہمیں ان کی زندگی کے بارے میں کچھ اتنا علم ہے؟ کیونکہ رول ماڈل یعنی ابا تو اسے ہی بنایا جا سکتا ہے جس کی زندگی آپ کے بالکل سامنے ہو جس کی زندگی کھلی کتاب ہو۔

تو اسی سوال کا جواب اللہ نے قرآن میں دے دیا جیسا کہ آپ درج ذیل آیت کو دیکھ رہے ہیں۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۔ الممتحنۃ ۴

اللہ نے قرآن میں صرف ایک ہی شخصیت کا نام لیکر کہا کہ اس میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے اور وہ ہیں ابراہیم علیہ السلام۔

ہم جانتے ہیں کہ ابراہیم تو ہم میں موجود ہی نہیں نہ ہی ہم ان کے بارے میں اتنا جانتے ہیں تو پھر ابراہیم میں اپنے لیے اسوہ حسنہ کیسے اخذ کیا جا سکتا ہے؟ جس میں اسوہ حسنہ اخذ کیا جائے وہ عربی میں ابا کہلاتا ہے تو ہم ابراہیم کو ابا کیسے بنا سکتے ہیں؟ تو اسی سوال کا اللہ نے ساتھ ہی جواب دے دیا وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اور ایسے جو اس کے ساتھ ہیں۔

ابراہیم میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے جس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ابراہیم کی ملت کی اتباع کرنی ہے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا ابا یعنی اپنے لیے رول ماڈل بنانا ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ ابراہیم تو موجود ہی نہیں ان کی ہزاروں سال پہلے وفات ہو چکی تو پھر ان کو ابا یعنی رول ماڈل کیسے بنایا جا سکتا ہے تو اسی کا اللہ نے ساتھ ہی آگے جواب دے دیا وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اور ان میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے انکی ملت پر چلنا ہے ان کے طریقے کے مطابق زندگی گزارنی ہے جو ابراہیم کے ساتھ ہیں۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون ہیں ان کی پہچان کیا ہے؟

تو آگے اللہ نے اسی سورت کی آیت نمبر ۶ میں ان کی وضاحت کر دی کہ وہ کون ہیں جن میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے جن کے ذریعے تم پر واضح ہوگا کہ ابراہیم کو ابا کیسے بنایا جائے گا ابراہیم کی ملت کیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَالْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ. الممتحنۃ ۶

تحقیق کہ یعنی ہم جو بات کر رہے ہیں وہ بالکل حق ہے تم اپنی تحقیق کر لو اپنے گھوڑے دوڑا لو یہی حقیقت تمہارے سامنے آئے گی کیونکہ یہ قدر میں کر دیا گیا تھا تمہارے لیے ان میں ہے اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ جو رجوع کر رہا ہے جس کی طرف رجوع کرنا ہے وہ اللہ تھا اور یوم الآخر کی طرف رجوع کر رہا ہے اس کے لیے ان میں اسوہ حسنہ ہے جو رجوع کر رہا ہے جس کی طرف رجوع کرنا ہے وہ اللہ تھا اور یوم الآخر تھا جس کی طرف رجوع کر رہا ہے اور جو پھر گیا پس اس میں کچھ شک نہیں اللہ تھا جو کچھ بھی موجود ہے وہ الغنی ہے الحمید ہے یعنی اگر تم رجوع نہیں کرتے تم ایسے شخص میں اسوہ حسنہ اخذ نہیں کرتے جو اللہ اور یوم الآخر سے رجوع کر رہا ہے تو اس سے اللہ کو کوئی فرق نہیں پڑنے والا وہ تمہارا نہیں بلکہ وہ تمہاری جگہ کسی اور کو لے آئے گا نقصان تمہارا اپنا ہی ہو گا۔

اس آیت میں اللہ نے یہ واضح کر دیا کہ ابراہیم کے ساتھ والے کون ہیں جن میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے وہ ہیں ان میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے جو رجوع کر رہے ہیں جس سے رجوع کرنا ہے اللہ تھا اور یوم الآخرہ۔

اللہ سے اور یوم الآخرہ سے رجوع کرنا کیا ہے جب تک اسے سمجھ نہیں لیا جاتا تب تک بات کھل کر سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ جب اللہ اور یوم الآخرہ کی وضاحت ہو جائے گی تب خود بخود ان کی پہچان ہو جائے گی کہ کون ہے جو اللہ اور یوم آخرہ سے رجوع کر رہا ہے اور جو فلاح کا طلب گار ہے اسے بھی اسی کی اطاعت و اتباع میں اللہ اور یوم الآخرہ سے رجوع کرنا ہوگا۔

پیچھے آپ پر ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیا کہ آپ کو ہر طرف اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے اللہ سے رجوع کرنا اپنی تمام تر ضروریات کے لیے فطرت پر انحصار کرنا ہے یعنی جب آپ کے پاس ہدایت آ جائے حق آ جائے تو غیر اللہ کو ترک کرتے ہوئے فطرت کی طرف پلٹنا اللہ سے رجوع کرنا کہلاتا ہے اور یوم الآخرہ سے رجوع کرنا کیا ہے اسے سمجھنے کے لیے آپ کو پہلے یوم الآخرہ کو جاننا ہوگا۔ اس وقت آپ دنیا میں موجود ہیں یہ پہلا مرحلہ ہے آج دنیا میں آپ جو کچھ بھی کریں گے جو جو اعمال کریں گے یہ زمین اگلے مرحلے میں ویسی ہی بن جائے گی اور آپ کو اسی کا سامنا کرنا پڑے گا یعنی اگر آج آپ زمین میں فساد کرتے ہیں، جو زمین میں فساد کر رہے ہیں ان کی معاونت کرتے ہیں تو اس فساد عظیم کی وجہ سے یہ زمین جہنم بن جائے گی تو جب یہ زمین جہنم بن جائے گی تو تمام

انسانوں کو دوبارہ وجود میں لایا جائے گا اور جو جو اس زمین کے جہنم بننے میں حصے دار ہوں گے انہیں اسی میں رہنا ہوگا اور اگر آج آپ اصلاح والے اعمال کرتے ہیں تو اگلے مرحلے میں جو کہ الآخرۃ کہلاتا ہے میں جو خلاء میں آپ کو سیارے نظر آ رہے ہیں وہ باغات میں بدل چکے ہوں گے تو آپ کو بدلے میں ان میں سے آپ کے درجے کے مطابق دیا جائے گا یہ ہے یوم الآخرہ۔ یوم الآخرہ سے رجوع کرنا یہ ہے کہ آج جو زمین میں فساد کیا جا رہا ہے اسے ترک کر دیا جائے تا کہ زمین کے جہنم بننے میں حصے دار نہ بن جائیں۔ اب آپ کو دیکھنا یہ ہے کہ وہ کون سا بشر ہے جو گمراہیوں کو ترک کر کے اللہ اور یوم الآخرہ سے رجوع کر رہا ہے یعنی فطرت کی طرف پلٹ رہا ہے اسی کی طرف پلٹنے کی دعوت دے رہا ہے جو بھی ایسا آپ کو نظر آئے تو وہ وہی ہے جس کے بارے میں کہا گیا کہ وہ ابراہیم کا ساتھی ہے جس کی اتباع کرنی ہے جو کہ آپ پر اپنے عمل سے ملت ابراہیم کو کھول کھول کر واضح کر رہا ہے۔

یہاں اس آیت میں اللہ نے یہ بات واضح کر دی کہ ابراہیم کے ساتھ کون ہے جس میں اسوہ حسنہ ہے وہ جو اللہ اور یوم الآخرہ سے رجوع کر رہا ہے تو ذرا غور کرو کیا تمہارے درمیان کوئی ایسی شخصیت موجود ہے اگر ایسی شخصیت موجود ہے تو جو کچھ بھی وہ کر رہا ہے جیسا کر رہا ہے وہ ابراہیم کی ہی ملت ہے اللہ اس کے ذریعے تم پر ابراہیم کی ملت واضح کر رہا ہے اور دیکھیں اگلی آیت میں اللہ نے ان کو رسول قرار دیا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا. الاحزاب ۲۱

تحقیق کہ یعنی ہم جو بات کر رہے ہیں وہ بالکل حق ہے تم اپنی تحقیق کر لو اپنے گھوڑے دوڑا لو یہی حقیقت تمہارے سامنے آئے گی کہ تھا تمہارے لیے بعد میں آنے والے رسول میں اسوہ حسنہ، آگے نہ صرف بعد میں آنے والے رسول کی پہچان کیا ہے بلکہ جو رسول میں اسوہ حسنہ اخذ کرتا ہے دونوں کی پہچان بتا دی اور وہی پہچان جو پچھلی آیت میں واضح کی گئی۔ جو رجوع کر رہا ہے جس کی طرف رجوع کرنا ہے وہ اللہ تھا اور یوم الآخر کی طرف رجوع کر رہا ہے اس کے لیے ان میں اسوہ حسنہ ہے جو رجوع کر رہا ہے جس کی طرف رجوع کرنا ہے وہ اللہ تھا اور یوم الآخر تھا جس کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اور اس آیت میں مزید اس کی پہچان کے لیے راہنمائی کر دی وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا اور یاد کرتا ہے کثیرا اسے جو بھلا دیا گیا تھا اور جو بھلا دیا گیا تھا جسے یاد کرنا ہے وہ اللہ تھا۔

وہ بشر جسے جو بھی حاجت لاحق ہوتی ہے تو وہ اللہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے اپنی تمام تر ضروریات و حاجات کے لیے اللہ کی طرف لپکتا ہے اور یوم الآخر سے رجوع کرتا ہے جو اللہ کو ہر لحاظ سے کھول کھول کر تم پر واضح کر رہا ہے وہ اللہ کا رسول ہے یعنی اللہ کا بھیجا ہوا ہے جس میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے یعنی وہ تم پر واضح کر رہا ہے کہ ابراہیم اگر اس وقت دنیا میں ہوتے تو وہ کیا کرتے ان کی ملت کیا ہے۔

ان آیات میں اللہ نے نہ صرف یہ واضح کر دیا کہ تمہارے ابا ابراہیم ہیں بلکہ یہ بھی واضح کر دیا کہ ابراہیم کو تم کس طرح اپنا ابا بنا سکتے ہو۔ ابراہیم چونکہ وفات پا چکے تو ان کو ابا بنانے کے لیے ہم تم میں تمہی سے ایسی شخصیات بھیجتے رہتے ہیں جو عملی طور پر تم پر ابراہیم کی ملت کیا ہے اسے واضح کرتی ہیں لہذا تم نے ان کی اتباع کرنی ہے جیسا وہ کریں بالکل ویسا ہی تم نے کرنا ہے اور اللہ نے ان شخصیات کو رسول قرار دیا۔ یعنی رسول بھیجنے کا مقصد یہ نہیں کہ رسول تمہارا ابا ہے بلکہ رسول بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ رسول کے ذریعے تم پر واضح کر دیا جائے کہ تمہارے ابا ابراہیم کی ملت کیا ہے یوں تم رسول کی اتباع نہیں بلکہ ابراہیم کی ملت کی اتباع کر رہے ہوتے ہو۔

اب آپ کو یہ بات بھی کھل کر سمجھ آ چکی ہوگی کہ سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر چالیس میں یہ کیوں کہا گیا وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ اور لیکن اللہ کے رسول تھے یعنی محمد کو بھیجا گیا تھا تا کہ تم پر محمد کے ذریعے یہ واضح کیا جا سکے کہ تمہارے ابا ابراہیم کی ملت کیا ہے کیونکہ اس وقت تم میں سے بہت سے ابراہیم کے ابا ہونے کا دعویٰ تو کر رہے تھے لیکن وہ اپنے ابا ابراہیم کی ملت کو بھول کر بت پرستی میں مگن تھے بہت سے ہر لحاظ سے کھلم کھلا گمراہیوں میں تھے اور کچھ ابراہیم کی ملت کو بھول کر ابراہیم کو ابا بنانے کی بجائے موسیٰ کو ابا بنائے ہوئے تھے اور اسی طرح کچھ ابراہیم کی ملت کو بھول کر عیسیٰ کو اپنا ابا بنائے ہوئے تھے، جیسے ان کو کہا تھا ان پر واضح کیا تھا کہ تمہارے ابا موسیٰ اور عیسیٰ نہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے ابراہیم کی ملت کو بھول کر موسیٰ و عیسیٰ کو اپنا ابا بنا لیا تھا اور جب ضلالٍ مبینٍ میں چلے گئے تو ہم نے رسول بعث کیا جس نے ان پر آ کر واضح کیا کہ ابا ابراہیم کی ملت کیا ہے تو انہوں نے اس کا کفر کر دیا بالکل اسی طرح تم پر بھی واضح کر دیا گیا تھا تا کہ کل کو تمہارے پاس بھی کوئی بہانہ نہ رہے۔ جب کل کو تم ضلالٍ مبینٍ میں چلے جاؤ اور رسول بھیجا جائے تو ایسا نہ ہو کہ تم محمد کو ابا بنائے ہوئے رہو اور ہمارے رسول کی

تکذیب کر دو اگر ایسا ہی کرو گے تو تمہارے پاس کل کو کوئی عذر یا بہانہ نہ ہوگا، اور جیسے یہودیوں اور عیسائیوں نے کیا تم نے بھی وہی کیا تم بھی ابراہیم کی ملت کو بھول کر محمد کو اپنا ابا بنا بیٹھے۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ محمد تمہارے ابا نہیں تھے بلکہ تمہارے ابا ابراہیم تھے محمد تو محض ایک رسول تھے جو اس وقت انسانوں پر یہ واضح کرنے آئے تھے کہ ابراہیم کی ملت کیا ہے تا کہ انسان رسول کے ذریعے ابراہیم کی ملت کی اتباع کر کے ابراہیم کو اپنا ابا بنا سکیں۔ اور آگے اللہ نے مزید کہا وَخَاتَمَ النَّبِیّنَ اور خاتم تھے یعنی فلٹر تھے چھننی تھے بعد میں آنے والے النبیّن کے لیے جب تک کہ دوبارہ ضلالٍ مبینٍ نہیں آ جاتیں اور اگلا رسول وخاتم النبیّن نہیں بعث کر دیا جاتا۔ محمد خاتم النبیّن تھے یعنی بعد میں آنے والے النبیّن کے لیے فلٹر تھے کہ کون سے نبی اللہ کے رسول بن سکتے ہیں وہی نبی اللہ کے رسول ہوں گے جو محمد کے فلٹر سے نکل کر آئیں گے یعنی وہ بالکل اسی طرح اللہ کی غلامی کریں گے جیسے محمد نے کی، جو محمد کے فلٹر سے نکل کر آئیں گے وہی اللہ کے نبی رسول ہوں گے ورنہ جو اس فلٹر سے نہیں نکلیں گے اگر ان کا موازنہ محمد کیساتھ کرنے سے ان میں اور محمد میں فرق نظر آئے تو وہ نبی اللہ کے رسول نہیں بلکہ کذاب شیاطین ہوں گے مجرمین ہوں گے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّنَ. الاحزاب ۴۰

اس آیت کو اور بالخصوص وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّنَ کو ایک دوسرے پہلو سے بھی آپ کے سامنے رکھتے ہیں تا کہ حق ہر پہلو سے ہر لحاظ سے کھل کر آپ پر واضح ہو جائے۔

دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا انسان ہو جو باشعور بھی ہو اور اس کے دل و دماغ میں یہ سوال نہ آیا ہو کہ اس کی تخلیق کا مقصد کیا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے یا اس کائنات کی حقیقت کیا ہے وغیرہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان اپنے اردگرد دیکھتا ہے تو اسے کوئی بھی شئے یہاں تک کہ ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ملتا جس کی تخلیق کا کوئی مقصد نہ ہو ہر شئے کا کوئی نہ کوئی مقصد نظر آتا ہے۔ اگر انسان خود بھی کچھ بناتا ہے یا خریدتا ہے تو اس کا بھی کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے لیکن جب انسان اپنے آپ کو دیکھتا ہے تو اسے اپنا کوئی مقصد نظر نہیں آتا۔ وہ دیکھتا ہے کہ وہ کبھی کچھ کر رہا ہوتا ہے اور کبھی کچھ، اس کے آباؤ اجداد کچھ اور کرتے رہے، انسانوں میں سے ہر کوئی بے مقصد اور جدھر اس کا رخ ہوتا ہے ادھر ہی بھاگ رہا ہے کسی کو بھی علم نہیں کہ اس کی منزل کیا ہے اس کا مقصد کیا ہے۔ یوں انسان سوچتا ہے اس کے دل و دماغ میں یہ سوال بار بار کھٹکتا ہے کہ آخر اس کے اس دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے؟ جب وہ اس سوال کے جواب کو جاننے کے لیے سوچ و بچار کرتا ہے تو اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خود اس کی اپنی حقیقت کیا ہے اسے یہ ہی نہیں معلوم دنیا میں آنے کا مقصد تو بعد کی بات ہے۔

مثلاً اگر آپ کے جسم کے کسی بھی عضو کی طرف اشارہ کیا جائے آپ کے پاؤں کی طرف اور آپ سے سوال کیا جائے کہ یہ کیا ہے تو آپ فوراً جواب دیں گے کہ یہ پاؤں ہے اور اگر پھر سوال کیا جائے کہ کس کا ہے تو آپ فوراً جواب دیں گے کہ میرا ہے اسی طرح بتدریج آپ کے جسم کے مختلف اعضاء کے بارے میں سوال کرتے کرتے آپ کے پورے جسم کے بارے میں سوال کیا جائے کہ یہ جسم کس کا ہے تو آپ کا جواب ہوگا میرا جسم ہے۔ آپ بالکل اسی طرح میرا جسم کہیں گے جیسے آپ کے ہاتھ میں کوئی شئے ہو مثلاً قلم اور آپ سے سوال کیا جائے کہ یہ کس کی ہے تو آپ کہیں گے میری ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب قلم کے بارے میں سوال کیا کہ یہ کس کی ہے تو آپ نے کہا میری ہے اس کا مطلب کہ قلم آپ نہیں ہیں بلکہ آپ قلم کی ملکیت کا دعویٰ کر رہے ہیں تو جس طرح قلم آپ نہیں ہیں آپ قلم کی ملکیت کا دعویٰ کر رہے ہیں بالکل عین اسی طرح آپ اپنے جسم کی ملکیت کا دعویٰ کر رہے ہیں کہ یہ میرا جسم ہے جس کا مطلب کہ یہ جسم آپ نہیں ہو۔ آپ کوئی اور ہو جو اس جسم کی ملکیت کا دعویٰ کر رہا ہے۔ اب آپ سے سوال ہے کہ آج تک آپ اسی جسم کو اپنا وجود سمجھتے رہے لیکن کیا حقیقت یہی نکلی؟ نہیں بلکہ آپ تو خود یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ جسم میرا ہے، جس کا مطلب آپ یہ جسم نہیں ہو بلکہ آپ کوئی اور ہو اور آپ اس جسم کی ملکیت کا دعویٰ کر رہے ہو۔ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کون ہو؟ وہ کون ہے جو میں میں میرا میرا کر رہا ہے؟ اگر آپ یہی جسم ہو تو پھر آپ اس جسم سے پہلے کیا تھے؟ کہاں تھے؟ اور جب اس جسم کی موت ہو جاتی ہے تو وہ کون ہوتا ہے جو اس جسم میں اس سے پہلے میں میں کر رہا ہوتا ہے؟

ذرا غور کریں آپ پر یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ جس پانچ، چھ فٹ کے جسم کو آج تک آپ اپنا وجود سمجھتے رہے کہ یہی آپ ہو آج حقیقت اس کے بالکل

برعکس نکلی اور اب اگر آپ سے سوال کیا جائے کہ آپ کون ہو تو آپ کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہو گا یعنی آپ خود اپنے آپ کو ہی نہیں جانتے جس کا مطلب کہ آپ اپنے آپ کو ہی بھول چکے ہوئے ہو۔

اسی کو عربوں کی زبان عربی میں انسان کہتے ہیں۔ لفظ انسان بنا ہے چار الفاظ کے مجموعے سے "ا، نس، ا، ن" جب بھی الف کسی لفظ کے شروع میں آتا ہے تو نہ صرف وہ آگے آنے والے لفظ کو سوالیہ بنا دیتا ہے بلکہ آگے اسی سوال کا جواب بھی موجود ہوتا ہے تو لفظ انسان کے شروع میں بھی الف آتا ہے جو اگلے لفظ کو سوالیہ بنا دیتا ہے اور اگلا لفظ ہے "نس" جس کے معنی ہیں بھول جانا، بھولا ہوا۔

"نس" کو ایک مثال سے سمجھ لیں مثلاً اگر آپ سے سوال کیا جائے کہ آپ جب پیدا ہوئے تو اپنی پیدائش سے لیکر دو، تین سال کی عمر تک آپ نے کیا کیا کیا؟ تو کیا آپ کوئی جواب دے سکیں گے؟ کیا آپ کو کچھ یاد پڑتا ہے؟ نہیں آپ کو کچھ بھی یاد نہیں آپ اس طرح بھول چکے ہیں جیسے کہ آپ پر کبھی ایسا وقت آیا ہی نہیں۔ اگر آپ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ آپ پر ایسا وقت آیا تھا اور آپ کو یاد نہیں رہا یعنی آپ بھول گئے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ اپنی آنکھوں سے ہر روز یہ مشاہدہ کر رہے ہیں کہ آپ کے سامنے بچہ پیدا ہوتا ہے وہ پلتا بڑھتا جوان ہو رہا ہے اس کے علاوہ آپ اپنے آپ میں بھی تبدیلیاں دیکھ رہے ہیں کہ کچھ عرصے پہلے آپ چھوٹے تھے آپ بڑے ہوئے یہاں تک کہ آپ بڑھاپے کی طرف جا رہے ہیں ان مشاہدات کی بنا پر آپ کو یہ یقین ہے کہ آپ پر بھی ایسا وقت آ چکا ہے اس لیے آپ تسلیم کرتے ہیں اور آپ سمجھتے ہیں کہ آپ بھول چکے ہوئے ہیں ایسے بھول چکے ہوئے ہیں کہ جیسے ایسا وقت کبھی آپ پر آیا ہی نہیں اس طرح بھول جانے کو عربی میں "نس" کہتے ہیں۔

آپ ذرا غور کریں اگر آپ کے سامنے بچہ پیدا نہ ہو وہ پلے بڑھے نہ یعنی جن مشاہدات کی بنا پر آپ کو یقین ہے کہ آپ پر بھی ایسا وقت گزر چکا ہے اگر آپ یہ مشاہدات نہ کر سکتے تو کیا پھر بھی آپ کو یقین ہوتا کہ آپ پر ایسا وقت گزر چکا ہے؟ کیا پھر بھی آپ تسلیم کرتے کہ ہاں ایسا وقت گزر چکا ہے مگر میں بھول چکا ہوں؟

نہیں بلکہ پھر آپ کبھی بھی تسلیم نہ کرتے اس وقت تک جب تک کہ آپ پر اس قدر واضح نہ کر دیا جاتا کہ آپ کو یقین ہو جاتا۔

اس طرح بھول جانے کو عربی میں "نس" کہتے ہیں۔ الف جمع نس لفظ بنے گا "انس" جس کے معنی بنیں گے کیا ہے بھولا ہوا یعنی کیا ہے جو اس طرح بھولا ہوا ہے جیسے کہ اس کا کوئی وجود ہی نہیں، بالکل اس طرح بھول چکا جیسے اپنے بچپن میں دو تین سال تک کی عمر کے وقت کو بھول چکا ہے۔ آگے اسی سوال کا جواب موجود ہے آگے لفظ آجاتا ہے "الف" جو کہ لفظ انسان کے آخر کی طرف درمیان میں آتا ہے جب بھی الف لفظ کے آخر کی طرف درمیان میں آئے تو اس میں کُل کے معنی آجاتے ہیں یعنی اس میں کسی کو بھی استثنیٰ حاصل نہیں رہتا۔ اب لفظ انسان کے درمیان الف آنے سے پچھلے سوال کا جواب آجاتا ہے کہ کُل کا کُل یعنی سب کا سب مکمل طور پر بھولا ہوا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس کا کُل کا کُل مکمل طور پر بھولا ہوا یا کسے مکمل طور پر بھولا ہوا؟ کیا ہے جسے مکمل بھولا ہوا ہے؟ کون ہے جو سب کا سب بھولا ہوا ہے؟ آگے اسی سوال کا جواب آجاتا ہے "ن" اور "ن" کے معنی ہیں ہم اور اللہ یہ لفظ اپنے لیے استعمال کرتا ہے۔

یوں لفظ انسان کے معنی بنیں گے وہ جو خود اپنے آپ کو ہی مکمل بھولا ہوا ہے کہ وہ کون ہے کیا ہے۔

اب ذرا غور کریں جب آپ پر سوالات کے ذریعے واضح کیا کہ یہ جسم آپ نہیں ہو بلکہ آپ کوئی اور ہو جو اس جسم کی ملکیت کا دعویٰ کر رہا ہے تو وہ کون ہے جو میں میں میرا میرا کر رہا ہے یعنی آپ کون ہو تو آپ کے پاس کوئی جواب نہیں آپ خود اس بات کا اقرار کر رہے ہو کہ آپ خود اپنے آپ کو ہی نہیں جانتے آپ خود اپنے آپ کو ہی اپنی ہی ذات کو بھولے ہوئے ہو اسی کو عربی میں انسان کہا جاتا ہے۔

انسان جو خود اپنی ہی ذات کو بھولا ہوا ہے۔ اب ذرا غور کریں دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اور اسے کیسے پورا کرنا ہے؟ آپ کون ہو کیا ہو آپ کی حقیقت کیا ہے سمیت جتنے بھی سوالات ہیں ان کے جوابات کون دے سکتا ہے؟ کیا کوئی بھولا ہوا ان میں سے کسی سوال کا بھی جواب دے سکتا ہے؟ نہیں بالکل نہیں۔ اگر بھولا ہوا ان میں سے کسی سوال کا جواب دے سکتا ہوتا تو پھر آپ خود جو بھولے ہوئے ہو آپ کو کسی دوسرے سے رجوع کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی یعنی کوئی بھی بھولا ہوا ان میں سے کسی بھی سوال کا جواب نہیں دے سکتا وہ یہ راہنمائی نہیں کر سکتا کہ دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اسے پورا کیسے کرنا ہے وغیرہ۔

اب سوال یہ ہے کہ کون ان سوالات کے جوابات دے سکتا ہے کون ہے جو راہنمائی کر سکتا ہے؟ تو اس کا جواب بالکل آسان اور واضح ہے ظاہر ہے وہی جواب دے سکتا ہے وہی راہنمائی کر سکتا ہے جو بھولا ہوا نہیں ہے جسے سب یاد ہے جسے یہ علم ہے کہ وہ کون ہے کیا ہے کہاں سے آیا ہے اس دنیا میں اس کی موجودگی کا مقصد کیا ہے انسان کو دنیا میں کیوں لایا گیا اس مقصد کو پورا کیسے کیا جا سکتا ہے وہ ہر سوال کا جواب دے سکتا ہے۔

تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون ہے جو بھولا ہوا نہیں ہے تو نہ صرف اس کا جواب تھوڑا سا غور کرنے پر واضح ہو جاتا ہے بلکہ قرآن خود بار بار اسی سوال کا جواب دیتا ہے۔ پیچھے ہم نے کہا تھا کہ لفظ انسان کے آخر میں ''ن'' کے معنی ہم ہیں اور اللہ خود اپنے لیے ''ن'' کا استعمال کرتا ہے یعنی اللہ ہے جو خود اپنے ہی آپ کو بھولا ہوا ہے۔ بالکل ایسے جیسے کوئی بادشاہ ہو اور اس کی یادداشت چلی جائے وہ خود اپنے آپ کو ہی بھول جائے اور ایسی جگہ پر موجود ہو جہاں سب فقیر ہوں تو وہ خود کو فقیر ہی سمجھے گا اسے اس بات کا رائی برابر بھی علم نہ ہوگا کہ وہ بادشاہ ہے بالکل ایسے ہی انسان کے معنی ہیں کہ اللہ کہہ رہا ہے کہ اللہ خود اپنے آپ کو بھولا ہوا ہے جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لفظ انسان لفظ اللہ کی ضد ہے۔

اسی کا قرآن میں کئی مقامات پر ہر پہلو سے ذکر کیا گیا مثلاً آپ سورۃ الحشر کی آیت ۱۹ کو ہی دیکھ لیجیے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ. الحشر ۱۹

پہلے اس آیت کا جو ترجمہ کیا جاتا ہے وہ آپ کے سامنے رکھتے ہیں کیوں کہ تراجم و تفاسیر کا بذات خود اس آیت کیساتھ گہرا تعلق ہے۔

''اور ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے انہیں ایسا کر دیا کہ خود اپنے تئیں بھول گئے۔ یہ بدکردار لوگ ہیں۔ فتح محمد جالندھری

اور ان جیسے نہ ہو جو اللہ کو بھول بیٹھے تو اللہ نے انہیں بلا میں ڈالا کہ اپنی جانیں یاد نہ رہیں وہی فاسق ہیں۔ احمد رضا خان بریلوی

ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے انہیں خود اپنا نفس بھلا دیا، یہی لوگ فاسق ہیں۔ ابوالاعلی مودودی''

تین تراجم آپ کے سامنے رکھے ہیں ان کے علاوہ باقی بھی جتنے تراجم ہیں ان میں بھی آپ کو وہی بات ملے گی جو ان تراجم میں موجود ہے تمام کے تمام تراجم و تفاسیر میں یہی کہا گیا کہ ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا جو اللہ کو بھول گئے۔ اب ذرا غور کریں قرآن اللہ کا کلام ہے تو ان کے اپنے عقیدے کے مطابق اللہ اس وقت اس قرآن کے ذریعے انسانوں سے کلام کر رہا ہے انسانوں کو کہہ رہا ہے یعنی آپ کو اللہ کہہ رہا ہے کہ ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا آپ کو کہا جا رہا ہے کہ اللہ کو بھول نہ جانا۔ اب آپ سے سوال ہے کہ بھولا کس کو جاتا ہے؟

اس کا جواب بالکل واضح ہے بھولا تو اس کو جاتا ہے جو پہلے یاد ہو، تو اس کا مطلب کہ آپ کو اللہ یاد ہے اس لیے آپ کو کہا جا رہا ہے کہ اللہ کو بھول نہ جانا۔ تو اب آپ سے سوال ہے کہ آپ بتائیں اللہ کیا ہے؟ اللہ کیسا ہے؟ اللہ کے بارے میں مکمل علم کا اظہار کریں؟ تو کیا آپ کوئی جواب دے سکیں گے؟ نہیں بالکل نہیں اگر کوئی جواب دیں گے بھی تو آپ وہی کہیں گے جو آپ بچپن سے اللہ کے بارے میں سنتے آئے اور اگر وہ سچ ہے تو اس کا مطلب دنیا کے تمام مذاہب میں یا ہر شخص نے اللہ کے بارے میں جو عقیدہ گھڑ رکھا ہے وہ حق ہے سچ ہے؟

بھولا تو اس کو جاتا ہے جو یاد ہو لیکن کسی کو بھی علم نہیں کہ اللہ کیا ہے ہر کوئی اللہ کو بھولا ہوا ہے۔

جیسا کہ آپ قرآن کے درجنوں مقامات پر پڑھتے ہیں اللہ کا ذکر کرو اللہ کا ذکر کرو، ذکر عربی کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں بھولے ہوئے کو یاد کرنا۔ آپ قرآن کی ان درجنوں آیات میں سے درج ذیل چند آیات کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ. البقرۃ ۱۵۲

پس میں تھا جو تمہیں بھلا دیا گیا تھا جسے تم بھول چکے مجھے یاد کر رہے ہو؟ اگر مجھے یاد کرتے ہو تو کیا ہے جسے تم نے یاد کیا؟ تم خود ہی ہو تم نے خود اپنے ہی آپ کو یاد کیا یعنی تم اپنے آپ کو ہی بھولے ہوئے ہو اگر تم مجھے یاد کرتے ہو تو تم خود ہی سامنے آؤ گے، مجھے یاد کرنا حقیقت میں خود اپنے آپ کو یاد کرنا ہے۔ تم خود ہی سامنے آؤ گے کوئی اور نہیں۔

یہ آیت بالکل کھول کر واضح کر رہی ہے کہ اگر آپ اللہ کو یاد کرتے ہیں تو اصل میں آپ خود اپنے آپ کو یاد کریں گے جب آپ اللہ کو جان جائیں گے تو اللہ ہی

آپ کی اپنی ذات کے طور پر ہی سامنے آئے گا۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ. البقرة ۱۹۸

پس یاد کر رہے ہو اسے جو تمہیں بھلا دیا گیا تھا ایسے کہ جیسے اس کا کوئی وجود ہی نہیں اللہ تھا جسے تم بھول چکے جسے یاد کرنا ہے۔

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ. آل عمران ۱۹۱

ایسے لوگ جو خود ہی یاد کر رہے ہیں اسے جو انہیں بھلا دیا گیا اور جو بھلا دیا گیا جسے یاد کر رہے ہیں اللہ تھا۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ. الرعد ۲۸

وہ جو اللہ کے بھیجے ہوئے کی دعوت کو دل سے تسلیم کر رہے ہیں جو اللہ کی بات مان رہے ہیں اور ان کے قلوب کو اطمینان حاصل ہو رہا ہے اللہ کو یاد کرنے سے جان لو اللہ کو یاد کر لینے سے ہی قلوب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے یعنی جب آپ اللہ کو یاد کر لیں گے تو آپ ہر قسم کی پریشانیوں و بے چینیوں سے بالکل آزاد ہو جائیں گے آپ کے سارے غم اور خوف ختم ہو جائیں گے کسی قسم کا کوئی غم اور خوف نہیں رہتا کیونکہ جب اللہ کو یاد کر لیا جاتا ہے تو خود اپنی ہی ذات اپنی ہی حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔

یہ چند آیات ہیں ان کے علاوہ قرآن ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے جن میں سب سے زیادہ زور ہی اسی بات پر دیا گیا ہے کہ اللہ کو یاد کرو اور جب آپ اللہ کو یاد کریں گے تو حقیقت یہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو ہی یاد کریں گے کیونکہ آپ کی اپنی اصل حقیقت ہی اللہ ہے نہ کہ اللہ کوئی دیومالائی تصوراتی عقائد و نظریات کا نام ہے۔ جیسے آپ کے اپنے جسم میں ایک خلیے پر ایک انتہائی چھوٹی سی مخلوق ہو بالکل یہی حقیقت اس بشری وجود کی اللہ کی ذات میں ہے۔

اب آپ خود غور کریں کہ ایک طرف پورے قرآن میں اللہ بار بار کہہ رہا ہے اللہ کا ذکر کرو یعنی اللہ تمہیں بھلا دیا گیا اللہ کو یاد کرو اور دوسری طرف قرآن میں اللہ یہ کہے کہ اللہ کو بھول نہ جانا۔ بھولے ہوئے کو کیسے بھولا جاتا ہے؟ کیا بھولے ہوئے کو بھولا جاتا ہے یا پھر بھولے ہوئے کو یاد کیا جاتا ہے؟

بھولے ہوئے کو یاد کیا جاتا ہے بھولے ہوئے کو یاد کرنے کا کہا جاتا ہے نہ کہ یہ کہا جاتا ہے بھول نہ جانا۔ آپ سورت الرحمٰن کی آیت نمبر تین میں بھی دیکھ سکتے ہیں اس میں کیا کہا جا رہا ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ. الرحمٰن ۳

خلق کیا گیا خود اپنے ہی آپ کو مکمل طور پر بھولا ہوا یعنی جب آپ کو خلق کیا گیا اس بشر کو خلق کیا گیا تو خلق ہی خود اپنے آپ کو مکمل طور پر بھولا ہوا کیا گیا اور کیا تھا جو بھلا دیا گیا وہ لفظ انسان خود بتا رہا ہے کہ خود اپنا آپ، اپنی ذات کو بھولا ہوا۔

اس آیت میں بالکل واضح اور دوٹوک الفاظ میں یہ کہا جا رہا ہے کہ خلق کیا گیا تھا خود اپنے ہی آپ کو بھولا ہوا اپنے ہی آپ کو یعنی اللہ کو بھولا ہوا خلق کیا گیا تھا۔

جب آپ خلق ہی بھولے ہوئے ہوئے تو پھر آپ کو یہ کہا جائے گا کہ بھولے ہوئے ہی نہ رہنا یاد کرو یا یہ کہا جائے گا کہ بھول نہ جانا؟ حق بالکل واضح ہے۔

اور یہی اس آیت میں کہا جا رہا ہے ذرا غور کیجئے گا۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ. الحشر ۱۹

وَلَا اور نہیں تَكُوْنُوْا ت جو آپ کر رہے ہیں اس کا اظہار کر رہا ہے آپ کے اعمال کا جو بھی آپ دنیا میں کر رہے ہیں آگے لفظ ہے کونو جو کہ کن سے ہے اور کن کے معنی ہر کوئی جانتا ہے کن کہتے ہیں ہونے کو اور کونو حال میں ہو رہے ہونے کا صیغہ ہے کونو کے معنی ہیں ہو رہا ہے ہو رہے ہو۔ وَلَا تَكُوْنُوْا اور جو اعمال تم کر رہے ہو ایسا نہ کرو جس سے تم ہو رہے ہو كَالَّذِيْنَ بالکل ان کی طرح ہو رہے ہو نَسُوْا نس جمع و نس کے معنی آپ پیچھے جان چکے ہیں کس طرح بھولنے کو کہتے ہیں اور آگے ساتھ ''وْ'' حال کا صیغہ بنا دیتا ہے جو کام حال میں ہو رہا ہے یوں نَسُوْا کے معنی بنتے ہیں بھولے ہی رہ رہے ہیں جو اس طرح بھول گئے تھے جیسے اس کا کوئی وجود ہی نہیں جیسے اپنی پیدائش سے لیکر دو، تین سال کی عمر کے وقت کو بھول گئے اس طرح جو بھولے ہوئے ہی خلق ہوئے وہ

بھولے ہی رہ رہے ہیں۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا تھا جو بھولے ہوئے خلق ہوئے اور اسے یاد کرنا ہے آگے اسی کا جواب ہے اللّٰہَ اللہ کی ہ پر زبر ہے جس سے لفظ اللہ ماضی کا صیغہ بن جاتا ہے جس کے معنی بنتے ہیں اللہ تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا تھا اللہ جسے بھولے ہوئے ہیں جسے بھولے ہوئے ہی خلق ہوئے اور بھولے کے بھولے ہی رہ رہے ہیں تو آگے اسی سوال کا جواب آجاتا ہے فَاَنْسٰئھُمْ اَنْفُسَھُمْ پس کیا ہے جو بھولے ہی رہ رہے ہیں وہ ان کی اپنی ہی ذات ہے جسے یہ بھولے کے بھولے ہی رہ رہے ہیں۔

آیت کو بالکل آسان الفاظ میں واضح کرتے ہیں

وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ نَسُوااللّٰہَ فَاَنْسٰئھُمْ اَنْفُسَھُمْ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ. الحشر ۱۹

اس آیت میں کہا جا رہا ہے کہ یہ جو تم کر رہے ہو یہ تم بھولے کے بھولے ہی رہ رہے ہو لہٰذا ایسا مت کرو ان کی طرح ہی کر رہے ہو جو بھولے کے بھولے ہی رہ رہے ہیں جو بھلا دیا گیا تھا جو خلق ہی بھولے ہوئے ہوئے تھے کیا تھا جو بھلا دیا گیا تھا جو بھولے کے بھولے ہی رہ رہے ہیں وہ اللہ تھا اور اللہ کیا ہے پس یعنی اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے جو کہا جا رہا ہے خواہ تمہیں ناگوار گزرے یا کیسا ہی کیوں نہ لگے ایسا ہی ہے جو کہا جا رہا ہے کہ ان کی اپنی ہی ذات ہے جسے یہ بھولے کہ بھولے رہ رہے ہیں۔اب ذرا غور کریں کسے بھلا دیا گیا؟ جسے یاد کرنا تھا؟ نہ صرف اس آیت میں واضح بتا دیا گیا کہ اللہ تھا بلکہ پورے قرآن میں بار بار یہی کہا جا رہا ہے اللہ تمہیں بھلا دیا گیا تھا اللہ کو یاد کرو یہاں تک کہ قرآن میں یہ بھی کہا گیا کہ مجھے یاد کرتے ہو تو تم خود اپنے آپ کو ہی یاد کر رہے ہو یعنی اللہ ہی تمہاری اصل حقیقت ہے تمہاری اپنی ذات ہے۔

یہ جو اللہ کو بھولے کے بھولے ہی رہ رہے ہیں یہ کون لوگ ہیں آگے قرآن میں اس کا جواب بھی دے دیا گیا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْن یہی وہ لوگ ہیں جو فسق کر رہے ہیں یعنی بات کو اس کے مقام سے ہٹا رہے ہیں اس میں تبدیلی کر رہے ہیں۔اب ذرا غور کریں کن لوگوں کی وجہ سے آج انسانوں کی اکثریت ان کی طرح بھولی کی بھولی ہی رہ رہی ہے؟ کون ہیں جو فسق کر رہے ہیں یعنی اللہ جو کہتا ہے اللہ کی بات کو اس کے مقام سے بدل دیتے ہیں اللہ کی بات میں تبدیلی کر دیتے ہیں تو تراجم کی صورت میں فاسقون آپ کے سامنے ہیں۔ آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں کہ آیت میں کیا کہا گیا اور آیت کو کس طرح تراجم و تفاسیر کی صورت میں اللہ کے کلام کو بدل دیا گیا جن کے فسق کی وجہ سے باقی بھی فسق کا شکار ہو کر فسق کر رہے ہیں اور ہدایت کی بجائے گمراہی کا شکار ہیں اس کے باوجود خود کو اہل حق سمجھے ہوئے ہیں۔

آپ یہ جان چکے ہیں کہ انسان کہتے ہیں جو خود اپنے ہی آپ کو بھولا ہوا ہے اور انسان ضد ہے اللہ کی۔ اب کون ہے جو یہ بتا سکتا ہے کہ آپ کون ہیں آپ کے دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اسے کیسے پورا کیا جائے گا؟ وہ صرف اور صرف وہی بتا سکتا ہے جو انسان نہیں یعنی بھولا ہوا نہیں اگر انسان نہیں یعنی بھولا ہوا نہیں ہے تو پھر پیچھے صرف اللہ ہی رہ جاتا ہے اللہ ہی بتا سکتا ہے کہ انسان کی حقیقت کیا ہے یہ کیا بھولا ہوا ہے اس دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اور اس مقصد کو پورا کیسے کیا جا سکتا ہے۔

یوں جس پر اس کی خودی آشکار ہو جاتی ہے یعنی وہ انسان نہیں رہتا تو ظاہر ہے پھر پیچھے اللہ ہے تو اللہ وہ کرتا ہے جو اس کا کام ہے، اللہ انسانوں کو نبا دیتا ہے یعنی پھر اللہ ایسے بشر کی صورت میں کہہ رہا ہوتا ہے کہ میں ہوں جو تمہیں نبا دے رہا ہوں تمہیں وہ علم دے رہا ہوں جو میرے یعنی اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں یوں ایسا بشر اللہ کا رسول ہوتا ہے جو انسانوں پر ان کے ابا ابراہیم کی ملت کو کھول کھول کر واضح کرتا ہے اور جو انسان کا انسان ہے اسے کوئی حق نہیں کہ وہ اس ذمہ داری کو اٹھا لے وہ نبی بن بیٹھے یعنی انسانوں کی راہنمائی کا دعویدار بن بیٹھے۔

یہی سلسلہ چلتا رہا موسیٰ آئے تو موسیٰ بھی اللہ کے رسول اور خاتم النبیّن تھے جب تک کہ اگلا رسول نہیں بعث کر دیا گیا پھر جب عیسیٰ ابن مریم آئے تو پھر موسیٰ نہیں بلکہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول اور خاتم النبیّن تھے تب تک جب تک کہ اگلا رسول نہیں آجاتا اور جب وہ وقت آیا تب اللہ نے محمد کو رسول بعث کیا تب محمد اللہ کے رسول اور خاتم النبیّن تھے یعنی بعد میں آنے والے نبیوں کا فلٹر جب تک کہ اگلا رسول نہیں آجاتا۔

اور اللہ کا قانون ہے کہ رسول، اللہ صرف اور صرف تب ہی بعث کرتا ہے جب ضلالٍ مبینٍ ہوتی ہیں یعنی جب سو فیصد ہر لحاظ سے کھلم کھلا گمراہیاں ہوتی ہیں نور کی ایک بھی کرن نہیں ہوتی اسی کا اللہ نے قرآن میں کئی مقامات پر بھی ذکر کر دیا جیسا کہ آپ ان آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ . آل عمران ۱۶۴

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ . الجمعه ۲

یہی بات آپ کو دنیا کے ہر مذہب کی کتاب میں ملے گی جیسے کہ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں بھی یہ بات درج ہے کہ ایشور تب تب اوتار بھیجے گا جب جب کلیوگ آئے گا یعنی جب جب ضلالِ مبینٍ ہوں گی تب تب رسول بعث کیا جائے گا۔

اللہ نے جب یہ کہا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ تو اس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ محمد کے بعد بھی رسول آئے گا بالکل ایسے ہی جیسے موسیٰ آئے پھر موسیٰ کے بعد عیسیٰ آئے کیونکہ موسیٰ کے بعد تب تک موسیٰ کی ملت کی اتباع کی جا سکتی تھی جب تک کہ موسیٰ میں اسوہ حسنہ تھا جب ایسا وقت آ جائے کہ موسیٰ کی ذات میں اسوہ حسنہ اخذ نہیں ہو سکتا یعنی موسیٰ کی زندگی میں آپ کے لیے راہنمائی نہیں رہی تو موسیٰ کو ہی ابا نہیں بنا سکتے کیوں موسیٰ ابا نہیں بلکہ ابا ابراہیم ہیں تب نیا رسول آ کر بتائے گا کہ ایسے حالات میں ایسے وقت میں ابراہیم کو ابا کیسے بنایا جا سکتا ہے ابراہیم کی ملت کیا ہے۔ تو اس کے لیے عیسیٰ ابن مریم کو بعث کیا گیا پھر عیسیٰ ابن مریم ابا نہیں بلکہ ابا ابراہیم ہیں عیسیٰ ابن مریم کو اس وقت تک ابا بنایا جائے گا جب تک کہ عیسیٰ ابن مریم کی ذات میں اسوہ حسنہ ہے عیسیٰ ابن مریم کی ذات میں تمہارے لیے راہنمائی موجود ہے اور اگر ایسا وقت آ جاتا ہے جو عیسیٰ ابن مریم سے یکسر مختلف ہے عیسیٰ ابن مریم کی ذات میں اسوہ حسنہ اخذ نہیں ہوتا تو عیسیٰ ابن مریم ابا نہیں تھے بلکہ ابا ابراہیم تھے عیسیٰ ابن مریم کو ابا من الا ابراہیم بنایا گیا نہ کہ من دون ابراہیم ابا بنایا گیا۔ تب نیا رسول آ کر واضح کرے گا کہ ابراہیم کو ابا کیسے بنایا جا سکتا ہے اور وہ ابراہیم کی ملت کو واضح کرے گا جس کے لیے محمد کو رسول بعث کیا گیا تو یاد رہے کہ ابا محمد نہیں بلکہ ابا ابراہیم تھے اس لیے محمد نے ابراہیم کی ملت واضح کی جب تک محمد کی ذات میں اسوہ حسنہ ہے تب تک محمد کو ابا بنانا گویا کہ ابراہیم کو ابا بنایا جا رہا ہے لیکن جب دنیا میں ایسا وقت آ جائے کہ محمد کی ذات میں اسوہ حسنہ اخذ نہیں کیا جا سکتا محمد کی ذات میں آپ کے لیے راہنمائی نہیں رہتی دنیا میں وقت ایسا آ جاتا ہے جس کا سامنا محمد نے نہیں کیا تو پھر ظاہر ہے محمد کی ذات میں اسوہ حسنہ کیسے ہو سکتا ہے جب محمد کو ایسے حالات و واقعات پیش ہی نہیں آئے جب محمد نے ایسے وقت کا سامنا ہی نہیں کیا جو کچھ آج موجود ہے وہ اس وقت تھا ہی نہیں تو محمد کی ذات میں آج کے انسانوں کے لیے اسوہ حسنہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس لیے اللہ نے کہا تھا کہ محمد تمہارے رجال میں سے کسی ایک کے بھی ابا نہیں تھے بلکہ تمہارے ابا ابراہیم تھے یعنی جیسے موسیٰ کے بعد جب موسیٰ کی ذات میں اسوہ حسنہ نہ رہا تو عیسیٰ ابن مریم کو بعث کر کے ابا ابراہیم کی ملت کو واضح کیا بالکل اسی طرح جب عیسیٰ ابن مریم کے بعد وقت ایسا آ گیا کہ عیسیٰ ابن مریم کی ذات میں اسوہ حسنہ نہ رہا تو محمد کو بعث کیا کیوں کہ عیسیٰ ابن مریم ابا نہیں تھے بالکل ایسے ہی جب محمد کے بعد دنیا میں ایسا وقت آ جائے کہ جو محمد کے وقت سے بالکل مختلف ہو تو جان لو محمد تمہارے رجال میں سے کسی ایک کے بھی ابا نہیں تھے اس لیے انہیں ابا نہیں بنانا پھر ابراہیم کو ہی ابا بنایا جائے گا جس کے لیے اللہ حسب سابق اپنا رسول بعث کرے گا جس کے ذریعے تم پر تمہارے ابا ابراہیم کی ملت واضح کرے گا اس لیے اس وقت اسے ابا بنانا۔

وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ اور لیکن رسول تھے اللہ کے اور خاتم النبیّن یعنی بعد میں آنے والے نبیوں کا فلٹر جب تک کہ اگلا رسول بعث کرنے کا وقت نہیں آ جاتا اور وہ وقت تب ہی آئے گا جب محمد کی ذات میں اسوہ حسنہ نہ رہے تب تک جتنے بھی نبی آئیں گے ان کو بالکل ایسا ہی بننا ہے جیسے محمد تھے یعنی جو محمد کو اپنے لیے فلٹر بنا کر اس میں سے نکلے گا وہی نبی اللہ کا رسول کہلائے گا اللہ کا بھیجا ہوا اور جو اس فلٹر سے نہیں نکلے گا تو وہ نبی رسول نہیں بلکہ وہ نبی کذاب ہوگا اللہ کا مجرم ہوگا اللہ کا شریک ہونے کا دعویدار ہوگا۔

اب آپ پر وہ روایات بھی بالکل کھل کر واضح ہو جائیں گی جنہیں احادیث کے نام پر جانا جاتا ہے جن کے تراجم و تفاسیر کی بنیاد پر کہا جاتا ہے محمد نے خود کہا کہ وہ آخری نبی ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں۔

اس حوالے سے سب سے زیادہ عام روایت جوزبان زدعام ہے وہ ترمذی کی روایت میں موجود الفاظ ہیں ''انا خاتم النبیّن لا نبی بعدی''
جس کا ترجمہ کیا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ نے کہا میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔مکمل روایت درج ذیل ہے

قال رسول الله ﷺ: لاتقوم الساعة حتى ......انه سيكون فى امتى ثلاثون كذابون كلهم يزعم انه نبى و انا خاتم النبيّن لا نبى بعدى. ترمذی

اس کے علاوہ ایک اورروایت جوآپ کے سامنے ہے۔

ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدى و لا نبى بعدى. ترمذی

اوراس روایت کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ کہ رسالت اور نبوت منسوخ ہوچکی، منقطع ہوچکی، بند ہوچکی، ختم ہوچکی پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ کوئی نبی۔
اس روایت میں لفظ قطع کا ترجمہ کچھ مترجمین نے منسوخ کیا کچھ نے منقطع، کچھ نے بند اور کچھ نے ختم لیکن حقیقت کیا ہے آگے چل کر وضاحت ہوگی۔
پھر مزید کچھ روایات ہیں جن کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ محمدؐ آخری رسول و نبی تھے ان کے بعد کوئی نبی ورسول نہیں وہ روایات بھی انہیں لوگوں کے تراجم کیساتھ درج ذیل ہیں۔

قال رسول الله ﷺ: لا تقوم الساعة حتى يبعث دجالون كذابون قريب من ثلاثين كلهم يزعم انه رسول الله. ترمذی
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تیس کے قریب جھوٹے کھڑے نہ ہوں ان میں سے ہر ایک کا گمان یہی ہوگا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

قال رسول الله ﷺ: لاتقوم الساعة حتى.......انه سيكون فى امتى ثلاثون كذابون كلهم يزعم انه نبى و انا خاتم النبيّن لا نبى بعدى. ابوداؤد

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ۔۔۔۔۔۔۔کہ میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں حالانکہ میں خاتم النبیّن ہوں یعنی میں آخری نبی ہوں میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں۔

النبى ﷺ قال: ليس بينى و بينه نبى يعنى عيسىٰ. ابو داؤد
النبیﷺ نے کہا ہرگز نہیں ہے میرے درمیان اوراس کے درمیان نبی یعنی میرے اور عیسیٰ کے درمیان کوئی نبی نہیں۔

قال رسول الله ﷺ: لو كان نبى بعدى لكان عمر بن الخطاب. ترمذی
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب ہوتے۔

یہ وہ چند ایسی روایات ہیں جن کے من پسند تراجم وتفاسیر کی بنیاد پر نہ صرف شور مچایا جاتا ہے کہ محمدؐ آخری نبی ہیں ان کے بعد کوئی نبی ورسول نہیں بلکہ یہ عقیدہ رکھنے والے لوگ پھولے نہیں سماتے، حالانکہ حقیقت کیا ہے ان روایات سے بھی نہ صرف حقیقت آپ کے سامنے رکھتے ہیں بلکہ تراجم وتفاسیر کے نام پر ان لوگوں نے جو دجل کیا جو دھوکا دیا وہ بھی چاک کر کے ان کی اصلیت آپ پر واضح کرتے ہیں آپ پر واضح ہوجائے گا کہ کس طرح ان لوگوں نے بنی اسرائیل کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بالکل وہی کیا جو بنی اسرائیل نے کیا تھا۔انہوں نے بھی اللہ کے کلام کو بدلا اپنے عقائد ونظریات کو سچا ثابت کرنے کے لیے حق کو چھپایا حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کیا تو اس امت کے ملاّؤں نے بھی بالکل وہی کیا۔

ان روایات کو اس وقت تک نہیں سمجھا جاسکتا جب تک کہ نبی ورسول کے معنی کیا ہیں اور نبی کی بعثت کے مقصد کو نہیں سمجھ لیا جاتا اور جب نہ صرف ان الفاظ کو بلکہ اس بات کو بالکل واضح جان لیا جائے گا کہ نبی کی بعثت کا مقصد کیا ہے تو ان روایات کو سمجھنا انتہائی آسان ہوجائے گا یہاں تک کہ یہ روایات بالکل کھل کر واضح ہوجائیں گی اس لیے سب سے پہلے ان الفاظ کے معنی واضح کرتے ہیں اس کے بعد نبی کی بعثت کے مقصد پر بات کریں گے۔
لفظ نبی دو الفاظ کا مجموعہ ہے پہلا لفظ ''نب یعنی نبا'' ہے جس کے معنی وہ علم جو صرف اور صرف اللہ کے پاس ہے اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کے پاس نہیں

جب اللہ وہ علم انسانوں پر واضح کرتا ہے تو وہ علم نبا کہلاتا ہے۔ نبا کے معنی عام طور پر خبر کے کر دیئے جاتے ہیں حالانکہ نبا کے معنی خبر نہیں ہیں کیونکہ جیسے نبا عربی کا لفظ ہے بالکل ایسے ہی لفظ خبر بھی عربی کا ہے اور یہ دونوں الفاظ الگ الگ قرآن میں استعمال ہوئے ہیں اب اگر نبا کے معنی خبر ہوتے تو ظاہر ہے قرآن میں لفظ خبر نہ آتا مگر جب قرآن میں نبا کے علاوہ لفظ خبر بھی استعمال کیا گیا ہے تو اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ نبا اور خبر دو الگ الگ الفاظ ہیں ان کے معنی قریب تر تو ہو سکتے ہیں لیکن ان کے معنی ایک نہیں ہو سکتے۔ قرآن الحکیم ہے اس لیے اگر اس فرق کو نظر انداز کیا جاتا ہے تو یہ عملاً نہ صرف قرآن کے بلکہ اللہ کے الحکیم ہونے کا بھی کفر ہوگا۔

لفظ ''نَبَ'' کے آگے دوسرا لفظ ہے ''ی'' جو خودی کے لیے استعمال ہوتا ہے یوں لفظ نبی کے معنی بنیں گے میں وہ علم دے رہا ہوں جو علم میرے علاوہ کسی کے پاس نہیں اور وہ علم صرف اور صرف اللہ ہی کے پاس ہے تو ''ی'' سے مراد اللہ ہے اللہ کہہ رہا ہے کہ میں نبا دے رہا ہوں یعنی میں وہ علم انسانوں کو دے رہا ہوں انسانوں پر واضح کر رہا ہوں جو میرے علاوہ کسی کے پاس نہیں۔ یہ ہیں لفظ نبی کے معنی اور دوسرا لفظ ہے رسول جو کہ رسل سے ہے رسل کے معنی بھیجنا اور رسول کے معنی بھیجے ہوئے کے ہیں۔

ان دونوں الفاظ کے معنوں کو آپ نے جان لیا اب بات کرتے ہیں نبی کی بعثت کے مقصد پر۔

شاید ہی دنیا کا کوئی ایک بھی ایسا انسان ہو جس کے دل و دماغ میں یہ سوال نہ آیا ہو کہ اس کی اپنی حقیقت کیا ہے؟ آخر وہ کون ہے کیا ہے اس دنیا میں اس کے آنے کا مقصد کیا ہے؟ مثلاً ہر شخص کی زندگی میں کبھی نہ کبھی ایسا وقت آتا ہے جب وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آخر اس کی اپنی حقیقت کیا ہے اس کا اس دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے، کسی کو کوئی حادثہ پیش آتا ہے جو اس کی زندگی کا رخ تبدیل کر دیتا ہے اسے یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے، کسی کا کوئی بڑا نقصان ہوتا ہے جس سے وہ مایوسی کے عالم میں جاتا ہے اور اس دوران اس کے سامنے یہ سوال آتا ہے تو کبھی کوئی مالدار شخص مال کما کما کر دنیا کماتے کماتے بالآخر تھک جاتا ہے اور یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آخر اس کا اس دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اس کی اپنی حقیقت کیا ہے یا پھر ایک شخص جو غور و فکر کرنے والا ہے زندگی میں کبھی نہ کبھی وہ ایسے موڑ پر آتا ہے جہاں وہ اس بات میں غور کرتا ہے کہ اس کائنات میں ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ہے جس کا کوئی نہ کوئی مقصد نہ ہو یعنی جو بغیر مقصد کے ہو ،آسمانوں و زمین میں ہر شئے کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہے لیکن جب وہ اپنے گریبان میں جھانکتا ہے تو اسے اپنا کوئی مقصد نظر نہیں آتا یوں اسے یہ سوال بے چین کرتا ہے کہ آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کا کوئی مقصد نہ ہو اور وہ بغیر کسی مقصد کے ہی وجود میں آ گیا، پھر جب وہ اس بات میں غور کرتا ہے تو اس کے سامنے یہ سوال آ کھڑا ہوتا ہے کہ آخر وہ خود ہے کون؟ اس کی اپنی حقیقت کیا ہے؟ وہ کہاں سے آیا؟ اس کا اول کیا ہے اس کا آخر کیا ہے؟ یعنی اسے اپنی ہی ذات کا علم نہیں۔

مثلاً اگر آپ کے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا جائے اور آپ سے سوال کیا جائے کہ یہ کیا ہے؟ تو آپ فوراً جواب دیں گے کہ یہ ہاتھ ہے پھر سوال کیا جائے کہ یہ کس کا ہے؟ تو آپ جواب دیں گے میرا، بتدریج اسی طرح آپ کے جسم کے باقی اعضاء کے بارے میں سوال کرتے کرتے آپ کے پورے جسم کی طرف اشارہ کیا جائے اور پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے؟ تو آپ جواب دیں گے کہ یہ جسم ہے اور جب یہ پوچھا جائے کہ کس کا ہے؟ تو آپ کہیں گے کہ یہ میرا جسم ہے آپ بالکل اسی طرح میرا جسم کہیں گے جیسے آپ کے ہاتھ میں آپ کی کوئی شئے ہو یا آپ نے جو لباس پہنا ہوا ہے تو اس کے بارے میں سوال کیا جائے کہ یہ کس کا ہے تو آپ کہیں گے میرا ہے۔

ذرا غور کریں جب آپ نے کہا کہ یہ لباس میرا ہے تو اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ لباس آپ نہیں ہیں بلکہ آپ لباس کی ملکیت کا دعویٰ کر رہے ہیں جیسے آپ لباس کی ملکیت کا دعویٰ کر رہے ہیں بالکل ایسے ہی آپ اپنے جسم کی ملکیت کا دعویٰ کر رہے ہیں جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ جسم آپ نہیں ہیں بلکہ یہ جسم آپ کا ہے آپ اس جسم کی ملکیت کا دعویٰ کر رہے ہیں۔

اب آپ سے سوال کیا جائے کہ جب یہ جسم آپ نہیں ہیں یہ جسم آپ کا ہے تو پھر یہ بتائیں کہ آپ کون ہیں؟ آپ کیا ہیں؟ تو آپ کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہوگا کیونکہ آپ اپنی ہی ذات کو بھول چکے ہوئے ہیں۔ آپ اپنی ہی ذات کو نہیں جانتے آپ اپنے آپ کو ہی بھولے ہوئے ہیں یہی وجہ ہے جس وجہ سے آپ اس جسم کو آج تک اپنا وجود سمجھتے رہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ جسم آپ نہیں آپ کوئی اور ہو اور یہ جسم آپ کا ہے۔

اب جسے خود اپنی ہی ذات کا علم نہیں ہے جو خود اپنے آپ کو نہیں جانتا اپنی ہی ذات کو بھولا ہوا ہے بھلا وہ کیسے یہ علم رکھتا ہوگا کہ اس دنیا میں وہ کیوں آیا اور اس مقصد کو کیسے پورا کیا جا سکتا ہے اور دوسری طرف یہ بھی اٹل حقیقت ہے کہ آسمانوں وزمین میں جو کچھ بھی ہے ہر ایک کی تخلیق کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہے آسمانوں وزمین کی مثال ایک مشین یا ایک جسم کی سی ہے جیسے مشین میں بہت سے پرزے ہوتے ہیں ہر پرزے کی تخلیق کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے ہر پرزے کا اپنا اپنا مقام ہوتا ہے جب تمام کے تمام پرزے اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی اپنی ذمہ داری کو احسن طریقے سے پورا کرتے ہیں تو مشین میں میزان قائم ہوتا ہے اور وہ میزان اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک ہر پرزہ اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی اپنی ذمہ داری کو پورا کرتا ہے ورنہ اگر کوئی ایک بھی پرزہ اپنے مقام سے ہٹے یا رائی برابر بھی کمی، کجی، کوتاہی یا سستی برتے گا تو مشین میں قائم توازن بگڑ جائے گا جس سے مشین کے نظام میں جو تسلسل ہے اس میں رکاوٹ پیدا ہوگی یوں مشین میں خرابیاں ہوں گی اور بالآخر مشین تباہ ہو جائے گی۔

بالکل یہی مثال آسمانوں وزمین کی ہے آسمان وزمین ایک مشین کی مانند ہیں ان میں تمام کی تمام مخلوقات پرزوں کی مانند ہیں ہر مخلوق کا اپنا اپنا مقام اور ذمہ داری ہے جب تک تمام کی تمام مخلوقات اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی اپنی ذمہ داری کو پورا کریں گی آسمانوں وزمین میں قائم توازن برقرار رہے گا ورنہ اگر کوئی ایک بھی مخلوق اپنے مقام سے ہٹتی ہے، سستی، کجی، کوتاہی یا لاپرواہی کرتی ہے یا اس میں کسی بھی قسم کی تبدیلی ہوتی ہے تو آسمانوں وزمین میں قائم توازن بگڑ جائے گا جس سے خرابیاں اور بالآخر آسمانوں وزمین تباہیوں سے دوچار ہوں گے اور آسمانوں وزمین میں انسان سمیت لاتعداد مخلوقات کو ہلاکت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

پھر جب آسمانوں وزمین میں غور کیا جائے تو یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جیسے آپ نہیں چاہتے کہ آپ کے جسم میں کسی بھی قسم کی کوئی خرابی ہو اسے کوئی نقصان پہنچے اور اگر کوئی آپ کے جسم کو یا آپ کے جسم میں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا تو آپ اسے برداشت نہیں کریں گے آپ اس سے انتقام لیں گے بالکل اسی طرح آسمانوں وزمین جس کا وجود ہیں وہ ذات بھی کسی صورت یہ نہیں چاہتی کہ آسمانوں وزمین میں کوئی خرابی ہو انہیں کسی بھی طرح سے نقصان پہنچایا جائے اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ ذات اس سے انتقام لینے والی ہے۔

پھر جب انسان اپنے آپ کو دیکھتا ہے تو اسے اپنے مقصد کا ہی علم نہیں اسے یہ علم ہی نہیں کہ اسے کس مقصد کے لیے خلق کیا گیا وہ مقصد کیسے پورا ہوگا اور دوسری طرف آسمانوں وزمین میں اگر ایک رائی برابر بھی ایسا عمل کیا جاتا ہے جو ان کے خلاف ہو تو ان میں خرابیاں وتباہیاں آئیں گی اور اس کا ذمہ دار ایسا عمل کرنے والا ہوگا یعنی ایک طرف آسمانوں وزمین کا نظام اتنا پیچیدہ ہے کہ ان میں ایک رائی برابر بھی اپنی مرضی نہیں کی جا سکتی رائی برابر بھی ایسا عمل نہیں کیا جا سکتا جس کے بارے میں راسخ علم حاصل نہ کر لیا گیا ہو ورنہ خرابیاں وتباہیاں آئیں گی اور اس کا ذمہ دار انسان ہوگا تو دوسری طرف انسان کو کچھ بھی علم نہیں، اسے اپنی ہی ذات کا علم نہیں اسے اس مقصد کا علم نہیں جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اسے خلق کیا گیا اور اس مقصد کو پورا کیسے کرنا ہے لیکن اس کے باوجود انسان رات دن اعمال پر اعمال کیے جا رہے ہیں۔

اب ظاہر ہے جب انسان بغیر علم کے اپنی مرضی کیمطابق اعمال انجام دے رہے ہیں تو پھر نہ صرف آسمانوں وزمین میں خرابیاں اور بالآخر تباہیاں آئیں گی بلکہ کل کو جس کا یہ وجود ہے وہ ذات پھر سوال بھی کرے گی کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اور پھر سزا وجزا بھی دے گی مگر کل کو جب انسان سے وہ ذات اس بارے میں سوال کرے گی تو انسان بہت ہی آسانی سے یہ عذر پیش کر سکتا ہے کہ اگر اس پر اس کی تخلیق کا مقصد واضح کیا جاتا تو وہ ایسا ہرگز نہ کرتا جس سے آسمانوں وزمین میں خرابیاں اور بالآخر تباہیاں آتیں لیکن جب اسے کچھ بتایا ہی نہیں گیا اس پر کچھ واضح ہی نہیں کیا گیا اس کی کوئی راہنمائی ہی نہیں کی گئی راہنمائی تو دور اسے تو خلق ہی بھولا ہوا کیا تو پھر حساب کس بات کا، حساب کتاب اور سزا وجزا کس جرم کی؟

یعنی ظاہر ہے آپ کسی کو بھی اس وقت تک سزا نہیں دے سکتے جب تک کہ اس کے پاس کوئی معقول وجہ ہو کوئی ایسا عذر ہو جسے رد نہیں کیا جا سکتا اور اگر اس کے باوجود بھی حساب لیا جاتا ہے سزا وجزا دی جاتی ہے تو ایسا کوئی ظالم ہی کر سکتا ہے اور اگر مالک ظالم نہیں ہے تو حساب کتاب اور سزا صرف اور صرف وہیں دی جا سکتی ہے جہاں سامنے والے پر حجت کر دی جائے یعنی اس پر ہر بات اس قدر کھول کھول کر واضح کر دی جائے کہ اس کے پاس کل کو کوئی عذر نہ ہو وہ چاہ کر بھی کوئی عذر یا بہانہ وغیرہ پیش نہ کر سکے اسے علم ہو کہ اس نے جو بھی جرم کیا ہے اس کا ذمہ دار ہر لحاظ سے وہ خود ہے اور وہ اس جرم کی سزا کا ہر حال میں حقدار ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ اس ذات نے جو آسمانوں وزمین کی مالک ہے آسمانوں وزمین جس کا وجود ہیں یعنی اللہ، اللہ نے یہ قانون بنا دیا کہ وہ انسان کو نبا دے گا یعنی انسان پر وہ علم واضح کرے گا جو اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں، وہ انسان کی راہنمائی کرے گا کہ اسے کس مقصد کے لیے خلق کیا اور وہ مقصد کیسے پورا کیا جا سکتا ہے تاکہ سب کچھ واضح کر دیئے جانے کے باوجود بھی اگر انسان وہی سب کرتا ہے جرائم ہی کرتا ہے آسمانوں وزمین میں فساد ہی کرتا ہے تو کل کو جب اس سے حساب لیا جائے تو اس کے پاس کوئی عذر کوئی بہانہ وغیرہ نہ ہو ہر لحاظ سے اس پر حجت ہو چکی ہو۔

انسان چونکہ بشر ہیں تو اللہ انہیں میں سے بشر کے ذریعے ہی ان کی راہنمائی کرتا ہے انسانوں سے کلام کرتا ہے ان پر حق واضح کرتا ہے ایسے بشر کو نبی کہا جاتا ہے یعنی وہ نظر آنے میں تو باقی انسانوں کی طرح ایک بشر ہوتا ہے لیکن وہ انسان نہیں بلکہ اللہ بول رہا ہوتا ہے اللہ راہنمائی کر رہا ہوتا ہے اس بشر کی صورت میں، نبی یعنی اللہ کہہ رہا ہے کہ میں ہوں جو تمہاری راہنمائی کر رہا ہوں تمہیں وہ بتا رہا ہوں وہ علم دے رہا ہوں جو صرف اور صرف میرے یعنی اللہ ہی کے پاس ہے میرے علاوہ کسی کے پاس نہیں۔ اب انسان بھی بشر ہیں تو انسان بھی کل کو ایسا کریں گے یعنی انسان نبی ہونے کے دعویدار بن جائیں گے انسان اٹھ کھڑے ہوں گے اور ان میں سے ہر کوئی یہی کہے گا کہ میں تمہاری راہنمائی کرتا ہوں کہ دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اور اس مقصد کو پورا کیسے کیا جا سکتا ہے، کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا، کیسے کرنا ہے اور کیسے نہیں کرنا یعنی بہت سے انسان بھی انسانوں کی راہنمائی کے لیے کھڑے ہو جائیں گے تو سامنے جو کہ ہیں ہی انسان جو ہیں ہی بھولے ہوئے وہ یہ فیصلہ کیسے کر پائیں گے کہ آیا ان میں سے اللہ کون ہے اور انسان کون ہے کیونکہ سب کے سب بشر ہی تو ہیں اب اگر اللہ ان میں سے اپنی پہچان یعنی اپنے بھیجے ہوئے کی پہچان واضح نہیں کرتا اور جو نبی بھیجے ہوئے نہیں ہیں بلکہ جھوٹے مکار اور فراڈ ہیں ان کی پہچان واضح نہیں کرتا تو ظاہر ہے انسان گمراہ ہی ہوں گے اور وہی ہو گا جو اللہ نہیں چاہتا یعنی آسمانوں وزمین میں خرابیاں وتباہیاں ہوں گی۔

ظاہر ہے اگر انسان ہی انسانوں کی راہنمائی کے لیے نبی بن کر کھڑے ہوں گے یعنی انسانوں کی راہنمائی کے لیے آگے بڑھیں گے تو وہ انسانوں کی کیسے راہنمائی کر سکتے ہیں جو بذات خود انسان ہیں بھولے ہوئے ہیں، جنہیں اپنی ہی ذات کا علم نہیں وہ کیسے راہنمائی کر سکتے ہیں اور اگر ان کو راہنما بنا لیا جائے گا تو نتیجہ کیا نکلے گا یہ فیصلہ کرنا کوئی مشکل نہیں نتیجہ تو پہلے سے واضح ہے اس لیے اللہ نے ایک قانون بنا دیا جس سے نہ صرف انسان یہ فیصلہ کر سکیں کہ نبیوں یعنی راہنمائی کرنے والوں میں سے رسول یعنی اللہ کا بھیجا ہوا کون ہے اور کون کذاب ہے بلکہ خود ان لوگوں پر بھی واضح ہو جائے جو انسانوں کی راہنمائی کرنے کی صلاحیت دیئے گئے ہیں کہ کون سا نبی رسول یعنی اللہ کا بھیجا ہوا بن سکتا ہے جس کے لیے اللہ ایسا کرتا ہے کہ جب دنیا میں تمام کے تمام انسان ضلالٍ مبینٍ یعنی ہر لحاظ سے سو فیصد ہی گمراہیوں میں ہوتے ہیں نور کی ایک کرن بھی نہیں ہوتی تو اللہ پوری منصوبہ بندی سے ایک نبی دنیا میں لاتا ہے ایسا نبی جو ہوتا ہی بھیجا ہوا یعنی رسول نبی ہوتا ہے۔

اس کی پیدائش سے لیکر اس کی موت تک کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ کا طے کردہ ہوتا ہے یعنی اللہ انہیں میں سے ایک بشر کو عملی نمونہ بنا کر انسانوں کے سامنے رکھتا ہے کہ تم نے بھی بالکل ویسا ہی بننا ہے ہر کام ویسے ہی کرنا ہے جیسے اس نے یعنی رسول نے کیا اور جو بعد میں انسانوں کی راہنمائی کرنے والے آئیں گے یعنی نبیّن ان کے لیے اسے خاتم یعنی فلٹر بنا دیا جاتا ہے جو بھی بعد میں نبی آئیں گے ان میں سے وہی نبی اللہ کا رسول ہو گا جو اس کے فلٹر سے نکل کر آئے گا یعنی بالکل اسی کی طرح کا ہو گا اگر اس کا رسول سے موازنہ کیا جائے تو اس میں رسول کی ذات ہی نظر آنی چاہیے۔

رسول کے بعد دنیا جب تک دوبارہ ہر لحاظ سے سو فیصد گمراہیوں میں نہیں چلی جاتی یہاں تک کہ نور کی ایک کرن بھی نہیں رہتی تب تک جتنے بھی نبی آئیں گے یعنی وہ لوگ جو انسانوں کی راہنمائی کے دعویدار ہوں گے جو انسانوں کو کہیں گے کہ ہم تمہاری راہنمائی کرتے ہیں دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اور اسے کیسے پورا کرنا ہے، کیسے کھانا ہے کیسے پینا ہے کیسے چلنا ہے کیسے اٹھنا بیٹھنا ہے کیسے شادی کرنی ہے کیسے بچے پیدا کرنے ہیں کیسے رشتے ہونے چاہیئں یعنی کسی بھی لحاظ سے جو انسانوں کی راہنمائی کریں گے خواہ وہ کسی بھی نام سے جانے پہچانے جائیں، لوگ انہیں علماء کہیں، مفتیان، شیوخ، علامہ، پروفیسر، استاد، پیر، لیڈر، راہنما یا جو بھی نام دیں عربی میں انہیں نبی کہا جاتا ہے اور ان میں سے صرف وہی نبی اللہ کے بھیجے ہوئے ہوں گے جو رسول کے فلٹر سے نکل کر آئیں گے جن کی ذات میں رسول کی ذات نظر آئے۔

جب دنیا ہر لحاظ سے سو فیصد گمراہیوں میں ہوتی ہے کہ نور کی ایک کرن بھی نہیں ہوتی تب اللہ جس رسول کو بعث کرتا ہے وہ نہ صرف رسول ہوتا ہے بلکہ وہ خاتم

النبیّن بھی ہوتا ہے یعنی اللہ نے اسے بعد میں آنے والے نبیوں کا فلٹر بنا دیا جب بھی کوئی شئے فلٹر سے نکلتی ہے تو فلٹر سے پہلے وہ خواہ کچھ بھی ہو لیکن جب وہ فلٹر سے نکلتی ہے تو وہی بن جاتی ہے جیسے آپ نے فلٹر بنا دیا بالکل ایسے ہی اللہ جب رسول کو بعث کرتا ہے تو انسانوں کے سامنے عملی نمونہ رکھتا ہے کہ دیکھو تم نے ہر کام ایسے ہی کرنا ہے جیسے اس رسول نے کیا اس لیے اللہ رسول کو بعد میں آنے والے انسانوں کے راہنماؤں یعنی نبیّن کے لیے فلٹر بنا دیتا ہے اور عربی میں اسے رسول اللہ وخاتم النبیّن کہا جاتا ہے۔

بھیجا ہوا اللہ کا اور نہ صرف بھیجا ہوا اللہ کا بلکہ بعد میں انسانوں کی راہنمائی کرنے والے آنے والوں کے لیے فلٹر کے اس کے بعد صرف وہی نبی یعنی انسانوں کا راہنما اللہ کا بھیجا ہوا ہوگا جو رسول کے فلٹر سے نکل کر آئے گا اور جو رسول کے فلٹر سے نکل کر آنے والا نہیں وہ نہ صرف انسان ہوگا بلکہ وہ کذاب اور شیطان ہوگا اس لیے اس کی اطاعت واتباع نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ انسانوں کی راہنمائی کا دعویدار بنا پھرے ورنہ جب یوم القیامہ آئے گا تو اسے سب سے سخت عذاب دیا جائے گا۔

یہ ہوتا ہے رسول اللہ وخاتم النبیّن بالکل اسی طرح محمد بھی نہ صرف اللہ کے رسول تھے بلکہ وہ خاتم النبیّن بھی تھے یعنی تب تک آنے والے نبیّن کے لیے فلٹر جب تک کہ دنیا دوبارہ سو فیصد گمراہیوں میں نہیں چلی جاتی کہ نور کی ایک کرن بھی نہ رہے اور پھر ایسی صورت میں پھر رسول اللہ وخاتم النبیّن کو بعث نہیں کر دیا جاتا۔

یعنی رسول اس وقت تک خاتم النبیّن یعنی بعد میں آنے والے نبیّن کے لیے فلٹر ہوتا ہے جب تک کہ اگلا رسول نہیں آ جاتا۔

محمد نہ صرف رسول اللہ بلکہ خاتم النبیّن تھے اگلے رسول یعنی عیسیٰ رسول اللہ کی بعثت تک، محمد اور عیسیٰ کے درمیان کوئی ایسا نبی نہیں تھا جو رسول نبی ہوگا کیونکہ رسول نبی صرف اور صرف اس وقت بعث کیا جاتا ہے جب دنیا سو فیصد گمراہیوں میں ہوتی ہے نور کی ایک کرن بھی نہیں ہوتی جب رسول کو بعث کیا جاتا ہے تو اس کی بعثت سے پہلے جو کچھ بھی ہو رہا ہوتا ہے جو کہ اس سے پچھلے رسول سے منسوب کر کے کیا جا رہا ہوتا ہے وہ اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا بلکہ وہ سب کے سب پر لکیر پھیر کر صفر سے شروع کرتا ہے جو وہ بتائے گا صرف اور صرف وہی دین ہوگا اس کے علاوہ جو کچھ بھی کیا جا رہا تھا جو کہ ظاہر ہے گزشتہ رسول سے منسوب کر کے کیا جا رہا ہوتا ہے وہ دین نہیں بلکہ گزشتہ رسول سے منسوب تمام تر گمراہیاں ہیں گمراہیوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں اس لیے جب بھی رسول کو بعث کیا جاتا ہے تو اسے اسی ملامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ یہ تو ایک نیا دین لے آیا جس کا ہم نے نہ ہمارے آباؤاجداد نے کبھی سنا تھا۔

جب موسیٰ کو بعث کیا گیا تو موسیٰ بھی رسول اللہ اور خاتم النبیّن تھا موسیٰ کو بھی اسی ملامت کا سامنے کرنا پڑا کہ یہ تو ایک نیا دین لے آیا جس کا ہمارے آباؤاجداد کے دین کیساتھ کوئی تعلق نہیں پھر جب موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل دوبارہ ہر لحاظ سے سو فیصد گمراہیوں میں چلے گئے کہ نور کی ایک کرن بھی نہ رہی تو عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول اور خاتم النبیّن کی بعثت ہوئی تو عیسیٰ ابن مریم کو بھی اسی ملامت کا سامنا کرنا پڑا اور پھر عیسیٰ ابن مریم کے بعد محمد کی بعثت ہوئی تو محمد کو بھی اسی بات کا سامنا کرنا پڑا کہ یہ تو ایک نیا دین لے آیا جس کا نہ تو ہم سے اور نہ ہی ہمارے آباؤاجداد کیساتھ کوئی تعلق ہے اور یہی ہونا تھا محمد رسول اللہ وخاتم النبیّن کے بعد احمد عیسیٰ رسول اللہ وخاتم النبیّن کیساتھ کہ جب احمد عیسیٰ رسول اللہ وخاتم النبیّن کو بعث کیا جانا تھا تو اس نے بھی اس سب پر لائن لگا دینی تھی جو محمد سے منسوب کر کے اس سے پہلے کیا جا رہا تھا اور اس نے جو دعوت دینی تھی لوگوں نے اسے یہی کہنا تھا جو حسب سابق گزشتہ ہر رسول کو کہا گیا کہ یہ تو ایک نیا دین لے آیا جس کا ہم اور ہمارے آباؤاجداد کیساتھ کوئی تعلق نہیں۔

یہی نبا محمد علیہ السلام نے آج سے چودہ صدیاں قبل اپنی بعثت کے دوران ہی دے دی تھی کہ **انا خاتم النبیّن لا نبی بعدی** میں خاتم النبیّن ہوں نہیں نبی میرے بعد یعنی میں مستقبل میں آنے والے نبیوں کے لیے فلٹر ہوں میرے بعد کوئی نبی مستقبل میں آنے والے نبیوں کا فلٹر نہیں۔ ظاہر ہے خاتم النبیّن کوئی بھی نبی نہیں ہو سکتا کیونکہ رسول خاتم النبیّن ہوتا ہے اور رسول کو صرف اور صرف تب بعث کیا جاتا ہے جب ضلالٍ مبینٍ ہوتی ہیں یعنی ہر لحاظ سے ہر پہلو سے سو فیصد کھلم کھلا گمراہیاں ہوتی ہیں تب رسول بعث کیا جاتا ہے جو کہ خاتم النبیّن ہوتا ہے محمد علیہ السلام رسول اللہ اور خاتم النبیّن تھے ان کے بعد جتنے بھی نبی آئیں گے یعنی انسانوں کی راہنمائی کے دعویداران میں سے کوئی ایک بھی خاتم النبیّن نہیں ہوگا کیونکہ خاتم النبیّن صرف اور صرف رسول ہوتا ہے اور محمد اور عیسیٰ کے درمیان کوئی رسول نہیں جس کا ذکر بھی محمد علیہ السلام نے کر دیا۔

النبی ﷺ قال: لیس بینی و بینہ نبی یعنی عیسیٰ. ابو داؤد

النبی ﷺ نے کہا تھا: ہرگز نہیں ہے میرے اور اس کے درمیان کوئی نبی یعنی میرے اور عیسیٰ کے درمیان کوئی نبی نہیں جو رسول نبی ہو کیونکہ محمد نبی رسول نہیں بلکہ رسول نبی تھے اور رسول نبی جو بعث کیا جاتا ہے تب جب ضلالِ مبینٍ ہوتی ہیں خاتم النبیّن ہوتا ہے اور محمد کے بعد صرف اور صرف عیسیٰ ہے جو رسول نبی ہے جو کہ خاتم النبیّن ہوگا تو محمد اور عیسیٰ کے درمیان کوئی نبی رسول نبی نہیں ایسا اس لیے واضح کر دیا کیونکہ محمد اور عیسیٰ کے درمیان تقریباً تیس کے قریب ایسے لوگوں نے ظاہر ہونا تھا جنہوں نے اپنے عمل سے رسول ہونے کا دعویدار ہونا تھا جس کا ذکر بھی محمد علیہ السلام نے کر دیا جو کہ روایت آپ کے سامنے ہے۔

قال رسول الله ﷺ: لا تقوم الساعة حتی یبعث دجالون کذابون قریب من ثلاثین کلھم یزعم انه رسول الله. ترمذی

رسول اللہ ﷺ نے کہا نہیں قائم ہوگی الساعت جب تک کہ تیس کے قریب جھوٹے کھڑے نہ ہوں ان میں سے ہر ایک کا گمان یہی ہوگا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

آپ پر یہ بات واضح ہو چکی کہ رسول صرف اور صرف اس وقت بعث کیا جاتا ہے جب دنیا سو فیصد گمراہیوں میں چلی جاتی ہے نور کی ایک کرن بھی نہیں رہتی اور رسول آ کر دین کو بالکل نئے سرے سے سامنے لاتا ہے رسول کی بعثت سے قبل جو کچھ بھی گزشتہ رسول سے منسوب کر کے کیا جا رہا ہوتا ہے وہ ہر لحاظ سے گمراہیاں ہوتی ہیں محمد اور عیسیٰ کے درمیان کوئی رسول نہیں تو ظاہر ہے اگر محمد اور عیسیٰ کے درمیان کوئی ایسا شخص سامنے آتا ہے جو خود کو رسول بتاتا ہے یا پھر وہ محمد کے برعکس کوئی اور شئے سامنے لاتا ہے اور اسے دین قرار دیتا ہے تو وہ عملاً رسول ہونے کا دعویدار ہوتا ہے جو کہ دین کو بدلنے والا ہوتا ہے اور ایسی ہی تقریباً تیس شخصیات جنہوں نے محمد اور عیسیٰ کے درمیان آنا تھا اور دین کو بدلنا تھا محمد نے ان کے بارے میں آگاہ کر دیا اور وہ تیس کے قریب کون سی شخصیات تھیں ان کے بارے میں جاننا کوئی مشکل نہیں آپ اگر اس بات کو جان لیں کہ محمد کیا چھوڑ کر گئے اور ان کے بعد کیا اور کن لوگوں نے اس کے برعکس گھڑ کر انسانوں کو ہدایت کے نام پر تھما دیا تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ وہ تیس کے قریب کذابون دجالون کون لوگ تھے۔

محمد علیہ السلام نے صرف اور صرف ایک ہی شئے چھوڑی اور وہ تھی الکتاب اور ھذا القرآن جب تک محمد کے بعد عیسیٰ رسول اللہ و خاتم النبیّن کی بعثت نہیں ہو جاتی کسی کو بھی حق نہیں تھا کہ وہ اس قرآن کے متبادل کچھ گھڑ کر ہدایت کے ذریعے کے نام پر سامنے لاتا کیونکہ عیسیٰ رسول اللہ کی بعثت تک محمد رسول اللہ و خاتم النبیّن کے فلٹر سے جس جس نبی نے بھی آنا تھا اس کا کام تھا کہ وہ اپنے اپنے دور کے تقاضے کے مطابق صرف اور صرف قرآن کی آیات کو ہی بیّن کرتا نہ کہ قرآن کے برعکس کچھ گھڑ کر سامنے لاتا۔ آپ یہ بات جان چکے ہیں کہ ھذا القرآن تو تاریخ ہے اللہ کے کلام کی یعنی اللہ کا اول تا آخر تمام کے تمام انسانوں سے جو کلام ہے یعنی گفتگو ہے وہ درج ہے اس قرآن میں آیات کی صورت میں اور اللہ انسانوں سے کلام کرتا ہے اپنے رسولوں کے ذریعے اور اللہ کے رسول ہوتے ہیں جو رسول اللہ و خاتم النبیّن کے فلٹر سے نکل کر آنے والے نبی ہوتے ہیں۔ یوں اللہ نے جیسے محمد سے قبل ہر وقت کے انسانوں سے اپنے رسولوں کے ذریعے کلام کیا جس کی تاریخ اللہ نے قرآن میں آیات کی صورت میں اتاری بالکل اسی طرح محمد اور محمد کے بعد محمد کے فلٹر سے نکل کر آنے والے النبیّن جو کہ اللہ کے رسول تھے ان کے ذریعے انسانوں سے کیے جانے والے کلام کی تاریخ اللہ نے چودہ صدیاں قبل ہی اتار دی تھی اس لیے محمد کے بعد آنے والے النبیّن کے ذریعے جو اللہ نے انسانوں سے کلام کیا ان النبیّن اور ان کے مخاطبین یعنی انسانوں کی تاریخ اللہ نے چودہ صدیاں قبل اتار دی تھی۔

محمد کے فلٹر سے نکل کر آنے والے نبیوں نے کچھ نیا گھڑ کر سامنے نہیں لانا تھا بلکہ ان کی دعوت کو ہی اللہ نے اس قرآن میں آج سے چودہ صدیاں قبل آیات کی صورت میں درج کر دیا تھا اب اگر قرآن میں کہیں بھی یہ لکھا ہے کہ محمد کے بعد آنے والے النبیّن میں سے کسی نے قرآن کے متبادل لوگوں کو تھمایا تو بلا شک وشبہ وہ لوگ نبی رسول تھے اور اگر قرآن اس کے برعکس کہتا ہے تو پھر ان تیس کذابون دجالون کو پہچاننا کوئی مشکل نہیں ہے۔

قرآن سے ہی اس کی راہنمائی لے لیں دیکھیں کہ قرآن اس سوال کا جواب کس طرح دیتا ہے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا. الفرقان ۳۰

اور کہا جو بھی رسول موجود ہے اے میرے ربّ اس میں کچھ شک نہیں میری قوم نے اخذ کیا ہوا ہے پکڑا ہوا ہے اس قرآن کا متبادل وہ جس سے یہ اس قرآن سے ہجرت کیے ہوئے ہیں اس قرآن کو ترک کر کے اس سے راہنمائی لے رہے ہیں۔

اس آیت میں پہلی بات تو یہ ہے کہ اس آیت میں کسی ایک رسول کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس آیت میں بہت سے رسولوں کا ذکر کیا گیا ہے اور آیت میں بالکل دوٹوک

یہ بات واضح ہے کہ اس آیت میں جن رسولوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کی بعثت سے قبل نہ صرف یہ قرآن موجود تھا بلکہ ان کی بعثت سے قبل انسانوں نے خود کو امت محمد کہلوانے والوں نے اس قرآن کے برعکس بہت کچھ گھڑ کر ہدایت کے نام پر اخذ کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ اس قرآن کو ترک کر چکے ہوئے تھے۔ اس قرآن کے بعد ایسے اوقات میں جو بھی رسول موجود رہا تو اس کا کام یہی رہا کہ وہ لوگوں کو اس قرآن کی طرف دعوت دیتا رہا اس قرآن کی ہی آیات کو اپنے دور کے تقاضے کے مطابق بیّن کرتا رہا لیکن لوگوں نے اس کی دعوت کو تسلیم کر کے اس قرآن کی طرف آنے کی بجائے قرآن کو ترک کر کے اسی طرف ہجرت کیے رہے جو اس قرآن کے متبادل لوگوں کو تھما دیا گیا تھا۔

اس آیت میں سب سے پہلی بات تو یہ واضح ہو جاتی ہے کہ اگر نبوت کا دروازہ اللہ نے بند کر دیا تو پھر یہ اس آیت میں کن رسولوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جن سے پہلے ہی نہ صرف یہ قرآن موجود تھا بلکہ اس قرآن پر ایمان لانے کے دعویدار بھی موجود تھے جنہوں نے اس قرآن کے متبادل جو کچھ گھڑ رکھا تھا اس قرآن کو ترک کر کے اس کی طرف ہجرت کیے ہوئے تھے؟ دنیا کی کوئی طاقت اس آیت میں نہ تو ایک رسول کے ذکر کو ثابت کر سکتی ہے اور نہ ہی اس آیت میں جن رسولوں کا ذکر کیا گیا ان سب کے سب کو صرف ایک ہی محمد ثابت کر سکتی ہے یہاں تک کہ اس آیت میں محمد کا تو ذکر ہی نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں جن رسولوں کا ذکر کیا جا رہا ہے ان سے پہلے ہی نہ صرف یہ قرآن موجود تھا بلکہ اس قرآن کو ماننے والے اور اس قرآن کے برعکس بہت کچھ گھڑ کر اس قرآن کو ترک کر کے اس کی طرف ہجرت کیے ہوئے تھے اور ہر کسی کو علم ہے کہ محمد قرآن کے بعد نہیں بلکہ محمد کی بعثت کے وقت تو اس قرآن کو نام و نشان بھی نہیں تھا الٹا یہ قرآن تو محمد پر اتارا گیا تھا۔

اب یہ بات جان لیں کہ اس آیت میں جن رسولوں کا ذکر ہے وہ اس قرآن کے بعد آنے والے رسولوں کا ذکر کیا گیا وہ رسول جو محمد رسول اللہ کے فلٹر سے نکل کر آنے والے النبیّن تھے۔ محمد کے بعد النبیّن کی ایک بہت بڑی تعداد یہاں تک کہ ہزاروں کی تعداد نے آنا تھا لیکن ان میں سے کونسا نبی رسول ہے یعنی اللہ کا بھیجا ہوا ہے اس کا فیصلہ صرف اور صرف اس پر تھا کہ ان میں سے کون سا نبی محمد کے فلٹر سے نکل کر آتا ہے جو نبی محمد کے فلٹر سے نکلے گا تو فلٹر ہونے سے وہ رسول بن کر نکلے گا یعنی وہ رسول بن جائے گا اس کی ذات میں محمد ہی نظر آئے گا اس لیے ہر اس نبی جو کہ رسول ہو گا اس کا کام تھا کہ محمد کے لائے ہوئے قرآن کی آیات کی وہ آیات جو ان میں سے ہر ایک کے وقت کے لیے تھیں انہیں بیّن کرتا لوگوں پر کھول کھول کر واضح کرتا نہ کہ وہ اس قرآن کا متبادل گھڑ کر پیش کرتا اور پھر ظاہر ہے جنہوں نے اس قرآن کی آیات کو بیّن کرنے کی بجائے اس قرآن کے برعکس لوگوں کو کچھ ایسا گھڑ کر دیا کہ جس وجہ سے لوگوں نے قرآن کو ترک کر دیا لوگوں نے قرآن کی بجائے اسے ہدایت کا ذریعہ بنا لیا تو وہ نبی رسول نہیں بلکہ وہ شیاطین ہیں کیونکہ یہی آیت اس بات کو بھی ہر لحاظ سے کھول کر واضح کر دیتی ہے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا. الفرقان ۳۰

جو بھی رسول ہے اس کی دعوت صرف اور صرف اس قرآن کی طرف ہے یوں اللہ نے ان نبیوں کی پہچان بھی واضح کر دی تھی جو نبی رسول ہوں گے شیاطین نہیں اور ان کی پہچان یہ تھی کہ وہ لوگ ہوں گے جو صرف اور صرف اس قرآن کی طرف ہی دعوت دیں گے۔ اللہ نے ہر شئے سے اس کا جوڑا خلق کیا تو نبی کا بھی جوڑا ہے ایک نبی رسول تو اس کا جوڑا نبی رسول نہیں بلکہ نبی شیطان مجرم نبی۔

نبی رسول کا کام لوگوں کو اس قرآن کی طرف لانا اور نبی شیطان کا کام اور مقصد لوگوں کو اس قرآن کی طرف آنے سے روکنا اور اس کے لیے ظاہر ہے کوئی بھی ذریعہ اختیار کیا جا سکتا ہے جو بھی آ کر لوگوں کو اس قرآن کی طرف آنے سے روکے گا تو ظاہر ہے وہ اعلاناً تو ایسا نہیں کرے گا کہ لوگو میں تمہیں اس قرآن کی طرف جانے سے روک رہا ہوں بلکہ وہ اس طرح لوگوں کو قرآن کی طرف آنے سے روکے گا کہ کسی کو شک بھی نہیں ہو گا کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آئے گا کہ یہ تو شیطان ہے یعنی یہ تو لوگوں کو قرآن کی طرف جانے سے روک رہا ہے اور اس کے لیے وہ کہے گا کہ قرآن میں ہر سوال کا جواب نہیں تو اس لیے اس قرآن کے متبادل کی طرف رجوع کرنا ناگزیر ہے یوں وہ قرآن کا متبادل لوگوں کے سامنے پیش کرے گا اور بالآخر لوگ اس قرآن کے متبادل کو ہی اپنے لیے ہدایت کا ذریعہ سمجھیں گے اور قرآن کو ترک کر دیں گے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا. الفرقان ۳۰

محمد رسول اللہ و خاتم النبیّن کے فلٹر سے نکل کر آنے والے ہر نبی جو کہ فلٹر سے نکلنے سے رسول بن جائے گا نبی رسول اس کی دعوت صرف اور صرف اس قرآن کی طرف ہونا تھی اس نے صرف اور صرف اسی قرآن کو بیّن کرنا تھا لوگوں پر اس وقت کے تقاضے کے مطابق آیات کو کھول کھول کر واضح کرنا تھا اور ان کے برعکس

نبیّن شیاطین نے لوگوں کو قرآن کی طرف دعوت دینے کی بجائے قرآن کو اپنے وقت کے تقاضے کے مطابق بیّن کرنے کی بجائے اس قرآن کا متبادل گھڑ کر لوگوں کے سامنے لانا تھا جس کی وجہ سے لوگ اسے ہدایت کا ذریعہ سمجھ کر اخذ کرلیں گے اور قرآن کو ترک کر دیں گے۔

اب آپ کو ان تیس کذابون دجالون کی بالکل واضح سمجھ آجائے گی جن تیس کے قریب شیاطین نے محمد اور عیسیٰ کے درمیان اپنے عمل سے رسول ہونے کا دعویٰ کرنا تھا اور پھر ان میں سے ہر ایک کے فلٹر سے نکل کر آنے والے النبیّن جو کہ شیطان کے فلٹر سے نکل کر شیاطین ہی بنیں گے یعنی وہی کام کریں گے جو ان کے کذاب شیطان رسول نے کیا قرآن کا متبادل گھڑ کر لوگوں کے سامنے پیش کیا ان کی بھی واضح پہچان ہو جائے گی۔

تھوڑا سا غور کریں وہ کیا شئے ہے جو محمد رسول اللہ علیہ السلام نے نہیں چھوڑی تھی لیکن بعد میں گھڑ کر اخذ کر لی گئی اور اس کی وجہ سے لوگ قرآن سے دور ہو گئے لوگوں نے قرآن سے اس کی طرف ہجرت کی اسی کو ہدایت کا ذریعہ سمجھتے ہوئے اس سے راہنمائی لیتے رہے؟

وہ کون سی شئے ہے جو ھذا القرآن کی شریک ہے؟ وہ کون سی شئے ہے جس کی وجہ سے بظاہر زبان سے تو قرآن کے بعد ثانوی حیثیت رکھتی ہے لیکن درحقیقت قرآن کو اس کے سامنے ثانوی حیثیت دی جا چکی؟ وہ کون سی شئے ہے جس کو قرآن کے علاوہ قرآن کے ساتھ ساتھ لازم وملزوم قرار دیا گیا اس کا کفر قرآن کا کفر قرار دیا جاتا ہے؟ وہ کون سی شئے ہے جو قرآن کو ترک کر کے اس کی طرف ہجرت پر ابھارا جاتا ہے؟ وہ کون سی شئے ہے جو قرآن کو ترک کر کے اس کی طرف ہجرت کرنے کے لیے اسے قرآن کا جز و یا قرآن کیساتھ لازم وملزوم قرار دیا جاتا ہے اور اس کے حق میں دلائل دیئے جاتے ہیں جس وجہ سے لوگوں نے قرآن کو ترک کر دیا اور اس کیساتھ ایسے چمٹے ہوئے ہیں کہ اگر اس کے خلاف بات کی جائے تو دشمنی میں ہر حد پار کرنے پر اتر آتے ہیں؟

جواب بہت کڑوا ہے لیکن حق کسی کی خواہشات کی اتباع کا نام نہیں اور نہ ہی حق باطل کی پرواہ کرتا ہے جواب جو کہ حق ہے وہ یہ ہے کہ انہیں آج کتب احادیث کا نام دیا جاتا ہے اور انہیں روایات کی کتب کی بنیاد پر قرآن کی تفاسیر کے نام پر جو کچھ گھڑا گیا وہ سب ہے۔

وہ تیس کے قریب دجالون کذابون شیاطین جنہوں نے دین کو بدلنا تھا وہ وہی شخصیات تھیں جن کے بت دماغوں میں بنا کر انہیں پوجا جاتا ہے اور انہیں امام کہا جاتا ہے جن میں مالک، مسلم، بخاری، ترمذی، نسائی، احمد بن حنبل، ابوداؤد، ابن ماجہ، طبرانی، طبری، ابن کثیر وغیرہ سمیت ایسی ہی باقی شخصیات ہیں اور ماضی قریب میں ابن تیمیہ، ابن عبدالوہاب، احمد رضا خان بریلوی اور مرزا غلام قادیانی اور ابوالاعلیٰ مودودی سمیت کئی شیاطین مجرمین دجالون کذابون ہیں۔

ایک طرف محمد علیہ السلام نے صرف اور صرف قرآن چھوڑا تو دوسری طرف محمد کے شریکوں نے شیاطین نے قرآن کا متبادل گھڑ کر لوگوں کے سامنے پیش کیا اور پھر صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے حق میں ایسے ایسے دلائل دیئے کہ لوگوں نے قرآن کو ترک کر دیا اور اسے ہی قرآن سمجھ کر اخذ کر لیا، ان شیاطین کے فلٹر سے نکل کر آنے والے شیاطین نے بھی وہی کیا قرآن کے تراجم وتفاسیر کے نام پر لوگوں کو قرآن سے ہی دور کر دیا۔

کیا یہی کتب روایات جنہیں احادیث کا نام دیا جاتا ہے یہ قرآن کا متبادل نہیں جنہیں لوگوں نے قرآن کو ترک کر کے اخذ کیا ہوا ہے؟

کیا یہی وہ قرآن کا متبادل نہیں جس سے ہر معاملے میں ہر مسئلے میں راہنمائی لی جاتی رہی اور لی جا رہی ہے؟

کیا یہی وہ کتب روایات نہیں جنہیں قرآن کے ساتھ لازم وملزوم قرار دیا جاتا ہے یہاں تک کہ انہیں قرآن کا جز و اور عملاً انہیں قرآن قرار دیا جاتا ہے؟

کیا یہی وہ کتب روایات قرآن کا متبادل نہیں جس کا انکار قرآن کا انکار قرار دیا جاتا ہے؟

کیا یہی کتب روایات ہی قرآن کا وہ متبادل نہیں جس کے خلاف ایک لفظ بولنے پر بھی آپ پر کفر وارتداد اور قتل کے فتوے جاری ہو جائیں گے؟

اب ذرا غور کریں اس امت میں دو طرح کے راہنمائی کرنے والے آئے ایک وہ جن کا مقصد، مرکز محور صرف اور صرف یہی قرآن تھا جن کا کردار اگر سامنے رکھا جائے تو قرآن ان کی گواہی دے گا کہ قرآن میں آیات کی صورت میں انہی کی تاریخ لکھی گئی تھی اور دوسری وہ شخصیات جن کا مرکز محور اور مقصد قرآن نہیں بلکہ قرآن کا شریک قرآن کا متبادل گھڑ کر اس کے ذریعے سے لوگوں کو قرآن کی طرف جانے سے روکنا تھا اور قرآن کے متبادل کی طرف دعوت دینا تھی۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ. الفرقان ۳۱

اور بالکل اسی طرح کر دیا ہم نے تمام کے تمام نبیوں کے لیے دشمن مجرمین سے۔

پچھلی آیت میں جن رسولوں کا ذکر کیا گیا اس آیت میں واضح کر دیا گیا کہ وہ رسول تمام کے تمام نبی ہیں جو قرآن کے نزول کے بعد آتے رہے جو آ کر صرف اور

صرف اس قرآن کی طرف دعوت دیتے رہے اوران کے برعکس جو مجرمین تھے وہ قرآن کے برعکس قرآن کی طرف آنے سے روکتے اور قرآن کے متبادل کی طرف دعوت دیتے رہے یوں جب کسی بھی نبی رسول نے اس قرآن کی طرف دعوت دی تو نبی شیاطین جو کہ مجرمین ہیں وہ ہر نبی رسول کے دشمن بن گئے انہوں نے اللہ کے نبیوں پر کفر کے فتوے لگائے عوام کو ان کے خلاف بھڑکایا مشتعل کیا جس وجہ سے محمد کے بعد محمد کے فلٹر سے نکل کر آنے والے النبیّن جو کہ رسول تھے ان میں سے کچھ کو قتل کیا جاتا رہا اور کچھ کی تکذیب، ان کو طرح طرح سے تکالیف پہنچائی جاتی رہیں ان کے ساتھ ہر طرح سے دشمنی کی گئی۔

دونوں آیات کو سامنے رکھیں تو آپ پر یہ بات ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو جائے گی کہ ان دونوں آیات میں قرآن کے نزول کے بعد آنے والوں میں سے دو طرح کے لوگوں کا ذکر کیا ایک وہ جن کا مقصد ومحور یہ قرآن تھا یوں وہ صرف اور صرف اس قرآن کی طرف دعوت دیتے رہے جنہیں رسول نبی کہا گیا اوران کے برعکس دوسرے ان لوگوں کا ذکر کیا گیا جن کا مقصد ومحور اس قرآن کا متبادل گھڑ کر لوگوں کو اس قرآن سے روکنا اور اس قرآن کے متبادل کی طرف دعوت دینا تھا جنہیں مجرمین کہا گیا یعنی ان لوگوں نے اگر اس لائن کا انتخاب کیا تھا کہ وہ لوگوں کی راہنمائی کریں تو ان کا کام تھا کہ وہ صرف اور صرف اس قرآن کی طرف دعوت دیں اس قرآن کی آیات کو ہی اپنے اپنے وقت کے تقاضے کے مطابق لوگوں پر کھول کھول کر واضح کریں جو کہ انہوں نے نہ کیا اور اس کے برعکس کیا تو یہ ان کا جرم ہے یوں ایسے تمام کے تمام اللہ کے مجرم ہیں۔

اب ایک طرف النبیّن رسول ہیں اور دوسری طرف نبیّن شیاطین مجرمین اللہ کے مجرم، ظاہر ہے جب کوئی صرف اور صرف اس قرآن کی طرف دعوت دے گا تو مجرمین اس بات کو ایسے بشر کو برداشت کریں گے؟ کیونکہ مجرمین کا مقصد ہی جب اس کے بالکل خلاف ہے لوگوں کو قرآن سے روکنا ہے تو جب کوئی ان کے اس مقصد میں رکاوٹ بنے گا تو یہ شیاطین مجرمین اس کے دشمن بن جائیں گے اور مجرمین دشمنی میں کسی بھی حد تک جانے سے بھی گریز نہیں کرتے یہی امت بنی اسرائیل اور گزشتہ ہر امت ہر قوم میں ہوا اور یہی موجودہ امت میں بھی ہوتا رہا۔

اب آپ کو اس روایت کی بالکل کھل کر سمجھ آ چکی ہوگی۔

قال رسول الله ﷺ: لا تقوم الساعة حتى يبعث دجالون كذابون قريب من ثلاثين كلهم يزعم انه رسول الله. ترمذی

رسول اللہ ﷺ نے کہا نہیں قائم ہوگی الساعت یہاں تک کہ تیس کے قریب جھوٹے کھڑے نہ ہوں ان میں سے ہر ایک کا یہی گمان ہوگا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

قال رسول الله ﷺ: لاتقوم الساعة حتى ...... سيكون في امتي ثلاثون كذابون كلهم يزعم انه نبي و انا خاتم النبيّن لا نبي بعدي. ترمذی

کہا رسول اللہ ﷺ نے نہیں قائم ہوگی الساعت یہاں تک کہ۔۔۔۔عنقریب ہی ہو رہے ہیں میری امت میں تیس کذاب تمام کے تمام کا یہ گمان ہوگا کہ وہ نبی ہے اور اس میں کچھ شک نہیں میں خاتم النبیّن ہوں نہیں میرے بعد نبی۔

ان روایات میں آپ پر ایک اور بات واضح ہو چکی ہوگی کہ روایت میں محمد علیہ السلام کے الفاظ ہیں **سيكون في امتي ثلاثون كذابون** بہت جلد ہی عنقریب ہو رہے ہیں میری امت میں تیس کذابون یعنی محمد علیہ السلام اس سے قبل یہ بات واضح کر چکے تھے جو کہ روایات میں بھی موجود ہے اور قرآن میں بھی موجود ہے کہ اس امت کی عمر پندرہ سو سال ہے اور اس امت کے شروع میں ہی محمد علیہ السلام کے بعد جلد ہی ان تیس کذابون نے ظاہر ہونا تھا اور پھر محمد کی امت سے ہی ہونا تھا ایسا نہیں کہ وہ الگ امت کے دعویدار ہوں گے یا وہ اپنی زبان سے کہیں گے کہ وہ رسول نبی ہیں بلکہ یہ ان کا گمان ہوگا بظاہر وہ اپنی زبان سے کبھی بھی رسول نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کریں گے بلکہ ان کی پہچان یہ ہوگی کہ ان کا عمل ان کی حقیقت کو واضح کرے گا اور عمل ان کا یہ ہوگا کہ وہ وہی کام کریں گے جو کام صرف اور صرف رسول ہی کرتا ہے یعنی وہ دین کو بدل دیں گے اور رسول تو محمد علیہ السلام تھے جن کو یہ حق تھا کہ وہ دین کو بدلیں یعنی ان کی بعثت سے قبل جسے دین سمجھ کر اس پر چلا جا رہا تھا اسے دین حق سے بدل دیں اس لیے محمد رسول اللہ اور خاتم النبیّن تھے ان کے بعد کوئی نبی نہیں جب تک کہ اگلا رسول اور خاتم النبیّن یعنی عیسیٰ رسول اللہ و خاتم النبیّن نہیں آ جاتا۔

اب کون نہیں جانتا کہ وہ تیس کذابون دجالون کون ہیں جنہوں نے دین کو بدل ڈالا جنہوں نے قرآن کا متبادل گھڑ کر لوگوں پر پیش کیا تا کہ لوگ قرآن کو ترک کر کے جوانہوں نے گھڑا اس کو ہدایت کا ذریعہ سمجھ کر اس کی طرف ہجرت کر لیں۔

پھر باقی روایات جن کی بنیاد پر آج تک شور مچایا جاتا رہا کہ محمد آخری نبی ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں ان کی حقیقت بھی آپ کے سامنے رکھتے ہیں اور روایت آپ کو نظر آ رہی ہے۔

قال رسول الله ﷺ: لو کان نبی بعدی لکان عمر بن الخطاب. ترمذی

کہا رسول اللہ ﷺ نے اگر تھا نبی میرے بعد تو اس مقصد کے لیے تھا یعنی نبی تھا عمر بن الخطاب۔

اس روایت کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ دیکھیں محمد علیہ السلام نے خود کہا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ابن خطاب ہوتا۔ اس روایت کی حقیقت جاننے کے لیے سب سے پہلی بات یہ ذہن میں ہونی چاہیے کہ اس روایت میں محمد علیہ السلام نے رسول نبی نہیں بلکہ نبی رسول جو کہ رسول خاتم النبیّن کے فلٹر سے نکل کر آنے والا نبی ہوتا ہے اس کا ذکر کیا کہ میرے فوری بعد نبی نہیں ہے اگر میرے فوری بعد نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتا محمد علیہ السلام نے ایسا اس لیے کہا کیوں کہ محمد علیہ السلام خود اس کی وضاحت بھی کر چکے تھے کہ امت بنی اسرائیل میں ایسا ہوتا رہا کہ موسیٰ کی وفات ہوئی موسیٰ کے بعد نبوت میں تعطل نہیں آیا بلکہ نبوت کا تسلسل برقرار رہا موسیٰ کے فوراً بعد نبی موجود تھا اور بلا تعطل نبوت کا سلسلہ اس وقت تک چلتا رہا جب تک کہ بنی اسرائیل سو فیصد گمراہیوں میں نہیں چلے گئے تھے درمیان میں ایک لمحے کے لیے بھی نبوت میں تعطل نہیں آیا اس کی وجہ یہ تھی کہ جب موسیٰ کی وفات ہوئی تھی تو اس وقت بنی اسرائیل کی ایسی حالت تھی کہ ان کے لیے ان میں نبی کی موجودگی ناگزیر تھی جو موسیٰ کے بعد ان پر اللہ کی آیات کی تلاوہ کرتا ان کا تزکیہ کرتا انہیں الکتاب کا علم سکھاتا اور حکمہ یوں انہیں زمین میں مکن دیا جاتا جس مقصد کے لیے وہ امت وجود میں لائی گئی وہ مقصد ان سے پورا کروایا جاتا لیکن محمد علیہ السلام کی جب موت ہوئی تب نبی کی ضرورت تھی ہی نہیں اللہ نے محمد علیہ السلام کے ذریعے ہی نہ صرف اس امت کو وجود میں لایا بلکہ اس امت کو زمین میں مکن بھی دے دیا گیا اس لیے محمد کے فوراً بعد نبی کی ضرورت نہیں تھی اور بعد میں جب ضرورت پیش آتی تب تب محمد کے فلٹر سے نکل کر النبیّن کو آنا تھا جو کہ تسلسل کیساتھ نہیں بلکہ وقفے وقفے سے تعطل کیساتھ۔

اس کے علاوہ بنی اسرائیل میں نسل درنسل نبوت ابراہیم کی ذریت میں چلتی رہی لیکن محمد کی ذریت میں کوئی بالغ لڑکا نہیں تھا جس وجہ سے نبوت کا تسلسل قائم نہیں رہ سکتا تھا اور محمد کی ذریت میں بالغ با اختیار لڑکے کا نہ ہونا اس لیے بھی ضروری نہیں تھا کیونکہ اللہ نے ابراہیم کی ذریت میں سے آگے الساعت کے قیام تک نبوت کے لیے آل عمران کا انتخاب کیا تھا یعنی اس امت کے آخر میں اس امت میں جس عیسیٰ نے آنا تھا وہ آل عمران سے ہوگا۔

اسی کا ذکر محمد علیہ السلام نے کر دیا جو کہ آپ کو اس وقت روایت نظر آ رہی ہے

ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی بعدی. ترمذی

اور اس روایت کا ترجمہ کیا جاتا ہے کہ رسالت اور نبوت منسوخ ہو چکی، منقطع ہو چکی، بند ہو چکی، ختم ہو چکی پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ کوئی نبی۔

اس روایت میں لفظ قطع کا ترجمہ کچھ مترجمین نے منسوخ کیا کچھ نے منقطع، کچھ نے بند اور کچھ نے ختم لیکن حقیقت کیا ہے آپ جان کر چونک جائیں گے اس روایت میں استعمال ہونے والا لفظ قطع قرآن میں متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے آپ قرآن کی ان تمام آیات میں دیکھ سکتے ہیں کہ اس کے معنی کیا ہیں اس کے علاوہ کسی بھی عربی جاننے والے سے آپ سوال کریں کہ لفظ قطع کے معنی کیا ہیں وہ بھی آپ پر واضح کر دے گا کہ لفظ قطع کے معنی ہیں کسی شیئ میں تسلسل کا نہ ہونا یعنی ٹکڑے ہونا۔ جب لفظ قطع کے معنی ٹکڑے ہونے کے ہیں تو پھر ان لوگوں سے سوال کیا جائے کہ ان شیاطین نے اس روایت کے تراجم وتفاسیر میں اتنا عظیم دھوکا کیوں دیا؟ انہوں نے اس لفظ کا ترجمہ منسوخ، بند یا ختم کیسے کر دیا؟

اب آپ کے سامنے روایت اور اس کی حقیقت رکھتے ہیں پھر آپ خود فیصلہ کیجئے گا کہ ان شیاطین نے کس طرح آج تک انسانوں کو دھوکے میں رکھا۔

ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی بعدی. ترمذی

اس میں کچھ شک نہیں رسالت اور نبوت تحقیق شدہ بات ہے جو کہا جا رہا ہے بالکل ایسا ہی ہے اگر تحقیق کرو گے اپنے گھوڑے دوڑاؤ گے تو یہی بات سامنے آئے

گی کہ قطعت ہوچکی یعنی رسالت اور نبوت میں تسلسل نہیں بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہوچکی پس نہیں رسول میرے فوراً بعد جس سے رسالت میں تسلسل ہو اور نہ ہی میرے فوراً بعد نبی ہے جس سے کہ نبوت میں تسلسل قائم رہے۔

ان الرسالة والنبوة قد انقطعت اس میں کچھ شک نہیں یہ بات طے شدہ ہے تحقیق شدہ ہے کہ رسالت اور نبوت میں تسلسل نہیں ہے ٹکڑے ہوچکی، لفظ انقطعت کو نیچے دی گئی لائینوں سے آسانی کیساتھ سمجھا جاسکتا ہے۔

- -

اوپر پہلی لائن میں آپ کو تسلسل نظر آئے گا اس میں کوئی ٹکڑا نہیں ہے لیکن اس کے برعکس نیچے والی دوسری لائن میں آپ کو تسلسل نہیں بلکہ ٹکڑے نظر آرہے ہیں، دونوں لائنیں ہیں لیکن اوپر والی میں تسلسل ہے اور نیچے والی لائن میں تسلسل نہیں بلکہ ٹکڑے ہیں اس طرح ٹکڑے ہونے کو انقطعت کہا جاتا ہے۔ محمد علیہ السلام نے یہ نہیں کہا تھا کہ رسالت و نبوت منسوخ ہوچکی، ختم ہوچکی یا بند ہوچکی بلکہ بذات خود محمد علیہ السلام نے یہ کہا تھا کہ اس میں کچھ شک نہیں رسالت اور نبوت میں تسلسل نہیں بلکہ ٹکڑے ہوچکے اگر رسالت میں تسلسل ہوتا رسالت انقطعت نہ ہوتی تو محمد کے بعد محمد کا بیٹا رسول ہوتا لیکن رسول خاتم النبیّن نہیں اور اگر نبوت انقطعت نہ ہوتی تو محمد کے فوراً بعد عمر نبی ہوتا جس سے نبوت کا تسلسل برقرار رہتا اس لیے محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ میرے فوراً بعد کوئی رسول اور کوئی نبی نہیں۔ محمد رسول اللہ تھے ان کے فوری بعد ان کی اولاد سے ہی رسول ہوسکتا تھا یعنی پیدائشی نبی لیکن جب محمد کی ذریت میں لڑکا بالغ ہوا ہی نہیں تو پھر ظاہر ہے رسالت میں تسلسل نہ رہا اور محمد کے بعد الساعت کے قریب موجودہ قوم کے آخرین میں اس امت کے آخرین میں عیسیٰ رسول اللہ و خاتم النبیّن آئے گا اور نبی تو آئیں گے محمد کے فلٹر سے نکل کر لیکن محمد کے فوری بعد نہیں بلکہ بلاتسلسل بعد میں جا کر وقفے وقفے سے آئیں گے جب تک کہ دوبارہ ضلالٍ مبینٍ آ کر اگلا رسول و خاتم النبیّن احمد عیسیٰ نہیں آجاتا۔

یہ وہ وجہ تھی جس وجہ سے محمد علیہ السلام نے کہا تھا **قال رسول الله ﷺ: لو كان نبى بعدى لكان عمر بن الخطاب. ترمذی** کہا رسول اللہ ﷺ نے اگر تھا نبی میرے بعد تو اس مقصد کے لیے تھا نبی عمر بن الخطاب۔

جن روایات کی بنیاد پر آج تک شور مچایا جاتا رہا کہ محمد آخری رسول اور نبی ہیں یعنی ختم نبوت کے نام پر باطل اور بے بنیاد عقیدہ اخذ کر لیا گیا ان روایات کی حقیقت آپ کے سامنے ہے کہ ان لوگوں نے شیاطین نے کس طرح آج تک لوگوں کو دھوکے میں مبتلا کیے رکھا۔ آپ نے جان لیا کہ ان میں کوئی ایک بھی ایسی روایت نہیں جس میں وہ بات کی گئی ہو جو باتیں ان ملاؤں نے جو اللہ کے دشمن ہیں مجرمین ہیں شیاطین نبیوں نے لوگوں کے اذہان میں ڈالی ہوئی ہیں یہ لوگ آج تک محمد علیہ السلام پر بہتان عظیم باندھتے رہے جو محمد علیہ السلام نے کہا ہی نہیں اس کو محمد علیہ السلام سے منسوب کر کے اپنے مفادات حاصل کرتے رہے اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے رہے۔

ان کے علاوہ بھی ایسی روایات ہیں جو نبوت و رسالت کے حوالے سے ہیں جو ان کے دجل کو چاک کر کے رکھتی ہیں جنہیں یہ لوگ آج تک چھپاتے آئے تا کہ ان کا دجل چاک نہ ہو چونکہ حق کو ایسی بیساکھیوں کی ضرورت نہیں ہوتی اس لیے ہم ان روایات کا سہارا نہیں لیں گے خواہ وہ ان کے کانوں اور سروں پر ہتھوڑے کی مانند اہمیت و حیثیت رکھتی ہیں کہ ان روایات کے سامنے آنے پر یہ لوگ منہ دکھانے کے قابل بھی نہ رہیں لیکن ہم ان شیاطین نبیوں کی طرح روایات کا سہارا نہیں لیں گے کیونکہ ہم ان کی روایات کے محتاج نہیں ہیں اور اگر ہم کہیں پر روایات کو سامنے لاتے ہیں تو صرف اور صرف اس لیے تا کہ یہ خود جان لیں کہ جن روایات کی بنیاد پر یہ لوگ اچھلتے ہیں وہی روایات ان کی حقیقت چاک کرتی ہیں انہیں ننگا کر کے رکھ دیتی ہیں۔

جو بھی آیات اور روایات ان کے ختم نبوت والے عقیدے کی بنیاد تھیں اور دلائل تھے ہم نے ان کی حقیقت ہر لحاظ سے ہر پہلو سے آپ پر واضح کر دی اب جبکہ ان کے اس عقیدے کی بنیاد ہی کالعدم ثابت ہوچکی جس کا وجود ہی مٹا دیا گیا جڑ سے اکھاڑ دی گئی تو ان کے اس عقیدے کی موت ہوچکی۔

ختم نبوت کے نام پر دیا جانے والا دجل عظیم چاک کر کے رکھ دیا گیا، حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیا گیا اور دنیا کی کوئی طاقت حق کو غلط ثابت نہیں کر سکتی اور آج ابھی آپ کے پاس وقت ہے کہ حق کھل کر واضح ہو جانے پر حق کو تسلیم کر لیں ورنہ ہر کوئی جان لے کہ حق کو حق حاصل ہے کہ اسے تسلیم کیا جائے آج اگر حق سامنے آیا ہے تو اس لیے نہیں کہ تم لوگ نہیں مانو گے تو حق خاموش ہو جائے گا نہیں بلکہ ہر ایک کو ماننا پڑے گا لیکن فرق یہ ہوگا کہ اکثریت اپنے آباؤ اجداد قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم مدین، قوم لوط اور آل فرعون کی مثل مانے گی لیکن وہ ماننا کوئی نفع نہیں دے گا۔

عقیدہ ختم نبوت نامی دجل کی حقیقت اور نبیوں کی کثیر تعداد جہنم میں جائے گی

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓی اَلۡقَی الشَّیۡطٰنُ فِیۡۤ اُمۡنِیَّتِہٖ ۚ فَیَنۡسَخُ اللّٰہُ مَا یُلۡقِی الشَّیۡطٰنُ ثُمَّ یُحۡکِمُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ. الحج ۵۲

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے قبل مِنۡ رَّسُوۡلٍ رسولوں میں سے کوئی ایک بھی رسول وَّلَا نَبِیٍّ اور نہ ہی جتنے بھی نبی ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی نبی اِلَّآ مگر یعنی تجھ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے اور جتنے بھی نبی بھیجے اِذَا تَمَنّٰٓی ہر رسول اور ہر نبی نے جب بھی تمنا کی۔

تَمَنّٰٓی تمنا اور ھوا یعنی خواہش ان دونوں میں بہت ہی چھوٹا سا فرق ہے لیکن بظاہر چھوٹا سا فرق اصل میں بہت بڑا فرق ہے جب بھی ان دونوں میں سے کوئی بھی لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو دونوں کا ترجمہ و معنی ایک ہی کر دیا جاتا ہے خواہش لیکن یہ معنی ٹھیک نہیں ہے خواہش لفظ ھوا کا معنی تو ہے لیکن تمنا کا نہیں۔

لفظ تمنا کو واضح کرنے کے لیے ایک مثال آپ کے سامنے رکھتے ہیں مثلاً آپ اپنے مالک کے بہت ہی وفادار ہیں یا آپ مالک کی وفاداری کا عہد کرتے ہیں مالک آپ کو ایک کام سونپتا ہے اور اس کام کو کرنے کا مکمل طریقہ بھی آپ کو بتا دیتا ہے اب ہوتا یوں ہے کہ جب آپ مالک کا کام کر رہے ہوتے ہیں تو حالات و واقعات کے اثر انداز ہونے سے آپ کو لگتا ہے کہ مالک کے بتائے ہوئے طریقے سے کام نہ صرف بہت زیادہ وقت میں مکمل ہوگا بلکہ فائدہ بھی اتنا نہیں ہوگا جتنا کہ اس کے برعکس اپنی مرضی کرتے ہوئے کیا جائے تو ہو سکتا ہے یعنی آس پاس کے حالات و واقعات کے اثر انداز ہونے سے آپ سوچتے ہیں کہ مالک کو تو کام سے غرض ہے مالک کو تو یہ کام چاہیے اور اگر اس کام کے لیے مالک کے طریقے کی بجائے شارٹ کٹ استعمال کیا جائے یعنی ایسے کام کیا جائے کہ نہ صرف کم وقت میں مکمل ہو بلکہ اس کا زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو اسے عربی میں تمنا کہا جاتا ہے یعنی تمنا کہتے ہیں مقصد و مشن تو آپ کا نہیں بلکہ آپ جس کی وفاداری کا حلف اٹھائے ہوئے ہیں مقصد و مشن اسی کا ہے کام اسی کا ہے لیکن اس کے بتائے ہوئے طریقے کی بجائے خود سے کسی اور ایسے طریقے سے کام انجام دینے کے بارے میں سوچنا کہ جو نہ صرف کم وقت میں مکمل ہو بلکہ زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہو یعنی مالک کے بتائے ہوئے طریقے، مالک کی راہنمائی کے برعکس اپنی طرف سے زیادہ بہتر کے بارے میں سوچنا۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓی اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے رسولوں میں سے کوئی ایک بھی رسول اور نہ ہی نبیوں میں سے کوئی ایک بھی نبی مگر یعنی تجھ سے پہلے جتنے بھی رسولوں کو بھیجا ان میں سے ہر رسول نے اور جتنے بھی نبی بھیجے ان میں سے ہر نبی نے جب بھی تمنا کی یعنی اس کو جو مقصد و مشن دیا گیا جو ذمہ داری دی گئی تو حالات و واقعات کے اثر انداز ہونے سے اس نے اسے پورا کرنے کے لیے ایسے طریقے کے بارے میں سوچا جو ہمارا وضع کردہ نہیں تھا جو طریقہ ہمارا نہیں جب بھی اس نے اس مقصد اور ذمہ داری کو ہمارے قانون سے ہٹ کر اپنے طریقے سے جلد اور زیادہ بہتر کرنے کے لالچ میں سوچا تو تب اَلۡقَی الشَّیۡطٰنُ فِیۡۤ اُمۡنِیَّتِہٖ القا کر دیا یعنی ڈال دیا ملاوٹ کر دی جس نے القا کر دیا وہ شیطان ہے اس کی اس ذمہ داری میں یعنی جب بھی اس نے تمنا کی تو شیطان نے القا کر دیا اس کی امنیت میں جو ذمہ داری اسے دی گئی اسے پورا کرنے کے لیے جب بھی اس نے ہمارے قانون کے برعکس سوچا تب۔

کوئی بھی رسول یا کوئی بھی نبی تمنا کیسے کرسکتا ہے؟ اس کو جاننے کے لیے پہلے رسول و نبی کی ذمہ داری کو جان لیں اور اللہ نے اس ذمہ داری کو پورا کرنے کا جو قانون بنایا ہے جب اسے جان لیا جائے گا تب خود بخود یہ بات واضح ہوجائے گی کہ ہر رسول اور ہر نبی نے تمنا کیسے کی اور پھر کیسے اور کیا شیطان نے القا کردیا۔
رسول یا نبی یعنی رسول نبی یا پھر نبی رسول جو کہ رسول خاتم النبیّن کے فلٹر سے نکل کر آنے والے النبیّن ہیں ہر ایک کی ذمہ داری انسانیت کی راہنمائی کرنا ہے انہیں بتا دینا ہے یعنی انسان کو اس وقت جب وہ دنیا میں موجود ہے دنیا میں لائے جانے کا مقصد کیا ہے اور اس مقصد کو پورا کیسے کرنا ہے، جو وہ بھول چکے ہیں وہ سب ان پر کھول کھول کر واضح کرنا ہوتا ہے تاکہ انسان حق واضح ہونے پر اس کی اطاعت و اتباع کے ذریعے دنیا و آخرت میں ہلاکت سے بچ جائیں، اللہ سے بچ جائیں۔
اس مقصد یعنی اس ذمہ داری کو کیسے پورا کیا جائے گا اس کے لیے بھی اللہ کا قانون ہے اور وہ قانون کیا ہے اسے آپ آسمانوں وزمین کی کسی بھی شیئے میں غوروفکر کر کے جان سکتے ہیں آپ زمین اور اس کے گرد گیسوں کی تہوں میں کسی بھی شیئے میں غور کریں تو آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہوجائے گی کہ اللہ کا کوئی بھی کام چھومنتر کر کے اچانک سے نہیں ہوتا بلکہ اللہ کا ہر کام علم وحکمت سے ہوتا ہے یعنی اللہ کے ہر کام کے پیچھے نہ صرف مکمل علم ہوتا ہے بلکہ اس علم کو اپنے اپنے وقت پر استعمال کیا جاتا ہے نہ ہی رائی برابر کچھ پہلے کیا جاتا ہے اور نہ ہی بعد میں بلکہ ہر شیئے کو اس کے اپنے مقام پر ہی رکھا جاتا جس کے لیے انتہائی صبر کی ضرورت ہوتی ہے یوں اللہ کا ہر کام ایک لمبی مدت میں کئی مراحل طے کرنے کے بعد مکمل ہوتا ہے۔
مثلاً آپ ایک درخت ہی کی مثال لے لیجئے کہ درخت ایک دم اچانک سے وجود میں نہیں آتا بلکہ وہ ایک لمبی مدت اور پوری ترتیب کیساتھ کئی مراحل طے کرنے کے بعد وجود میں آتا ہے، سب سے پہلے بیج زمین میں جاتا ہے پھر وہ پھٹتا ہے اس میں سے ننھا سا پودا نکلتا ہے وہ پودا مرحلہ بہ مرحلہ بڑھتے بڑھتے ایک وقت آتا ہے جب درخت بن جاتا ہے اسی طرح آپ اپنی ہی ذات میں غور کرلیں کہ آپ ایک دم اچانک سے وجود میں نہیں آئے بلکہ ایک مرد اور عورت جو کہ آپ کے والدین ہیں ان کے ملاپ سے پھر ماں کے پیٹ میں کئی مراحل طے کیے اس کے بعد آپ کا جنم ہوا پھر آپ مرحلہ بہ مرحلہ ایک لمبی مدت جو کہ سالوں پر محیط ہے اس کے بعد آج اس مقام پر پہنچے جہاں آج آپ ہیں، اس طرح آپ آسمانوں وزمین میں جہاں بھی جس میں بھی غور کریں گے تو آپ پر واضح ہوجائے گا کہ اللہ اگر کوئی کام کرتا ہے تو وہ کام چھومنتر کر کے یا پھر انتہائی تیز رفتاری سے نہیں کیا جاتا بلکہ ایک لمبی مدت میں انجام دیا جاتا ہے جس کے لیے سب سے پہلی شرط صبر کا ہونا لازم ہے اور دوسری بات آپ جب غوروفکر کریں گے تو آپ پر یہ بات واضح ہوجائے گی کہ جیسے آپ نے کوئی کام کرنا ہے مثلاً آپ نے پلاؤ بنانا ہے تو اس کے لیے نہ صرف علم درکار ہے کہ پلاؤ بنانے کے لیے کیا کیا درکار ہے بلکہ اس علم کا کیسے استعمال کیا جائے کہ بہترین مطلوبہ پلاؤ بن جائے اور وہ اسی صورت ممکن ہے جب ہر شیئے کو اس کے مقام پر رکھا جائے گا اور ہر شیئے کے صحیح استعمال کے لیے اس کے صحیح وقت کا انتظار کرنا پڑے گا اس کے صحیح وقت کے انتظار میں اگر کوئی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کسی تکلیف یا آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے برداشت کیا جائے گا یعنی صبر کرنا پڑے گا، مطلب یہ کہ کب آگ جلانی ہے کتنی جلانی ہے کب برتن رکھنا ہے کتنا گرم کرنا ہے کب اور کتنا گھی ڈالنا ہے اور کتنا گرم کرنا ہے بتدریج اسی طرح کب کب کتنی کتنی اشیاء ڈالنی ہیں اور کتنی کتنی پکانی ہیں یہاں تک کہ بہترین مطلوبہ نتیجہ حاصل نہیں ہوجاتا۔
اسے کہتے ہیں حکیم ہونا اور اللہ نہ صرف العلیم ہے یعنی اللہ کو علم ہے کہ کوئی بھی کام کرنے کے لیے کیا علم درکار ہے بلکہ اللہ الحکیم ہی نہیں العزیز الحکیم ہے یعنی اللہ جب بھی کوئی کام کرتا ہے تو وہ انتہائی باریکیوں کیساتھ ہر شیئے کو اس کے اصل مقام پر ہی رکھتا ہے اللہ ہر شیئے کو اس کے اصل مقام پر رکھنے کے لیے صبر کرتا ہے جب تک کہ اس کا ہر لحاظ سے صحیح وقت نہیں آجاتا تب تک خواہ کچھ بھی ہوجائے اللہ صبر کرتا ہے بالکل اسی طرح جب کوئی بشر اس ذمہ داری کے لیے کھڑا ہوتا ہے یعنی رسالت ونبوت کا دعویدار ہوتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ انسانوں کی اسی طرح راہنمائی کرے جیسے اللہ کا قانون ہے اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے نہ صرف اس کے پاس علم ہونا چاہیے بلکہ اس علم کا انتہائی باریکیوں کیساتھ صحیح استعمال بھی لازم ہے جس کے لیے صبر لازم ہوگا۔
اب جب کوئی بھی رسول آتا ہے یا کوئی بھی نبی تو اس کی زندگی میں ایسا وقت ضرور اور بار بار آتا ہے کہ جب وہ سمجھتا ہے کہ اصل مقصد تو اس پیغام کو پہنچانا ہے تو اس کے لیے اگر اُس طرح کام کیا جائے گا جیسے کیا جا رہا ہے تو ایسے نہ صرف ایک لمبی مدت درکار ہے بلکہ نتیجہ بھی وہ سامنے آتا دکھائی نہیں دیتا جو اِس یعنی کسی اور طریقے سے کرنے سے آسکتا ہے یعنی وہ سوچتا ہے کہ کیوں نہ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے شارٹ کٹ کا استعمال کیا جائے جس سے نہ صرف انتہائی کم

وقت میں زیادہ سے زیادہ لوگوں تک دعوت پہنچ جائے گی بلکہ نتیجہ بھی بہتر سامنے آئے گا۔ اس کے علاوہ بھی اسے جب سختیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو ان سختیوں سے آزمائشوں سے بچا بھی جاسکتا ہے اگر اس کے لیے اپنی کوئی سوچ و بچار کی جائے، لوگ ملامتیں کرتے ہیں تو ان ملامتوں سے بچا بھی جاسکتا ہے مثلاً ایک بات جس کا ابھی وقت نہیں ہے لوگ اس بارے میں سوال اٹھاتے ہیں اگر ان کے سوال کا فوراً جواب دیا جائے تو لوگوں کی ملامتوں سے بچ جائیں گے لیکن اللہ کی طرف سے اس سوال کے جواب کا ابھی وقت نہیں ہے اور جب تک اس کا ہر لحاظ سے صحیح وقت نہیں آجاتا تب تک خواہ کچھ بھی ہو جائے صبر کیساتھ انتظار کرنا پڑے گا جب ایسا کیا جاتا ہے تو لوگ نہ صرف جواب نہ ملنے پر ملامتیں کرتے ہیں بلکہ طرح طرح کے الزامات لگاتے ہیں شدت کا اظہار کرتے ہیں اب ان سب سے بچا جاسکتا ہے اگر تمنا کی جائے یعنی اللہ کے طریقے کو چھوڑ کر اپنا کوئی طریقہ سوچا جائے لوگوں کی خواہشات کی اتباع کرتے ہوئے ان کے سوالات کے جوابات دیئے جاتے رہیں۔

رسول یا نبی کی مثال ایک روبوٹ کی سی ہوتی ہے جس پر اس کا اپنا کوئی اختیار نہیں ہوتا بلکہ اس پر کسی دوسرے کو مکمل اختیار ہوتا ہے، رسول یا نبی وہی ہوسکتا ہے جو خالص اللہ کا غلام ہوا سے خود بھی یہ علم نہ ہو کہ اگلے لمحے اس نے کیا کرنا ہے کیونکہ وہ تو محض ایک آلہ ہے جسے اللہ استعمال کر رہا ہے اللہ چلا رہا ہے اس لیے رسول یا نبی کو ایک رائی برابر بھی اپنی مرضی کرنے کا حق حاصل نہیں ہے اگر وہ ایسا کرتا ہے تو وہ رسول یا نبی ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ رسول یا نبی صرف اور صرف وہی ہوسکتا ہے جو خود کو مکمل طور پر اللہ کے حوالے کر دے جیسے ڈرائیور جس طرح چاہے گاڑی کو چلائے گاڑی کو خود پر کوئی اختیار حاصل نہیں بالکل اسی طرح رسول یا نبی کا ڈرائیور تو اللہ ہوتا ہے اس لیے رسول یا نبی وہی ہوسکتا ہے جو چاہ کر بھی اپنی مرضی کا استعمال نہ کرے اور اگر کہیں بھی وہ اپنی مرضی کی کوشش کرتا ہے تو پھر لا محالہ جو اس کے دماغ میں بات آئی یا جس پر وہ عمل کرتا ہے وہ اللہ کا قول و عمل نہیں بلکہ غیر اللہ کا ہوگا۔

رسول یا نبی کی مثال ایک روبوٹ کی سی ہوتی ہے لیکن بشر ہونے کے ناطے اسے یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ وہ چاہے تو ایک روبوٹ بنے یا پھر اپنی من مانیاں اپنی مرضیاں کرے، اگر وہ چاہے تو خود کو مکمل طور پر اللہ کے آگے جھکا دے مکمل طور پر اللہ کا غلام بن جائے ایک رائی برابر بھی اپنی مرضی نہ کرے یا پھر وہ اللہ کی غلامی کیساتھ ساتھ اپنی من مانیاں بھی کرتا پھرے اور اگر کوئی بھی رسول یا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یعنی اپنے عمل سے انسانیت کی راہنمائی کی ذمہ داری اٹھالیتا ہے تو پھر ایسا قطعاً نہیں کہ اللہ اسے آزمائے نہ بلکہ اللہ اسے فتنے میں ڈالے گا تاکہ اس پر اور ہر کسی پر یہ واضح ہو جائے کہ یہ اللہ کا بعث کردہ نہیں بلکہ اسے کوئی حق حاصل نہیں تھا کہ یہ اس ذمہ داری کو اٹھائے یوں اس نے جرم کیا اور ایسے تمام مجرمین کی چھانٹی کے لیے اللہ نے یہ قانون بنا دیا کہ ہر رسول اور ہر نبی کو فتنے میں ڈالا جائے گا تاکہ اگر تو وہ واقعتاً رسول یا نبی ہے تو وہ اس فتنے کا شکار نہیں ہوگا بلکہ صبر کیساتھ صرف اور صرف اللہ کی غلامی کرے گا اور اگر وہ اللہ کا رسول یا نبی نہیں تو وہ صبر کرنے کی بجائے حالات و واقعات کا شکار ہو کر فتنے میں پڑ کر مجرم ثابت ہو جائے گا۔

یہی اللہ نے اس آیت میں کہا ہے کہ تجھ سے پہلے جتنے بھی رسول یا نبی بھیجے گئے ان میں سے ہر رسول اور نبی نے جب بھی تمنا کی یعنی اپنی مرضی کرنے کے بارے میں سوچا تو القا کر دیا جس نے القا کر دیا وہ شیطان ہے۔

شیطان جملہ ہے جو کہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے ''شئی اور طان'' شئی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے ان میں سے ہر ایک شئی ہے اور طان کہتے ہیں کسی کو اس کے اصل مقصد سے روک دینا۔ اور روکا نہ صرف طاقت وقوت سے بھی جاتا ہے بلکہ پیار سے، کسی کی کمزوری بنتے ہوئے یا کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، پیار سے یا اپنی طرف متوجہ کر کے اس کی اس کے مقصد سے توجہ ہٹا کر اس کے مقصد سے اسے غافل کر کے بھی روکا جاسکتا ہے ایسے ہی کسی کو اپنے پیچھے لگا کر بھی اس کے اصل مقصد و مشن سے روکا جاسکتا ہے تو کوئی بھی شئے جو اصل مقصد و مشن میں رکاوٹ بنے خواہ کسی بھی طرح رکاوٹ بنے وہ شیطان کہلائے گا۔

یعنی شیطان کے معنی ہیں ہر وہ شئے جو اللہ کی طرف جانے سے روک دیتی ہے اور روکا کیسے جاتا ہے اسے سمجھنا کوئی مشکل نہیں کوئی اپنی طرف متوجہ کر کے کسی کو اس کی منزل مقصد سے روک دیتا ہے تو کوئی لالچ دے کر، کوئی سختی سے روکتا ہے تو کوئی آپ کا معاونت کار بن کر سامنے آتا ہے جو بظاہر تو آپ کے مقصد و مشن میں معاونت کار نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں وہ منزل و مقصد سے روک رہا ہوتا ہے وہ آہستہ آہستہ دوسری طرف لے جارہا ہوتا ہے۔

اللہ نے کہا کہ شیطان ہے جو القا کر رہا ہے اور شیطان وہ سب کا سب ہے جو کچھ بھی ہر طرف کھلم کھلا موجود ہے حیات الدنیا۔ شیطان کا القا کرنا کیا ہے اسے بھی سمجھ لیں تاکہ یہ آیت مزید کھل کر واضح ہو جائے۔

مثلاً آپ کے سامنے ایک ایسی شئے آجاتی ہے جو آپ کی خواہش بن جاتی ہے یعنی آپ چاہتے ہیں کہ وہ آپ کو حاصل ہو جائے جیسے کہ آپ نے ایک گاڑی دیکھی تو آپ میں اس کے حصول کی چاہت پیدا ہوگئی وہ آپ کی خواہش بن گئی، اب اس کے حصول کے لیے آپ کے دماغ میں طرح طرح کی منصوبہ بندیاں آنا شروع ہو جائیں گی سوچیں آنا شروع ہو جائیں گی کہ اسے فلاں طریقے سے حاصل کیا جاسکتا ہے یہ جو خیالات اس شئے کے حصول کے لیے دل و دماغ میں آ رہے ہیں منصوبہ بندیاں آ رہی ہیں انہیں عربی میں القا ہونا کہا جاتا ہے جو کہ وہ شئے آپ میں القا کر رہی ہے یعنی آپ کے دل و دماغ میں وہ سب باتیں ڈال رہی ہے جو اسے دیکھنے کے بعد خواہش بن جانے پر آپ کے دل و دماغ میں آ رہی ہیں۔

رسول یا نبی کو یہ حق حاصل ہے ہی نہیں کہ وہ کہیں بھی ایک رائی برابر بھی اپنی مرضی کرے اور ظاہر ہے اگر کوئی اپنی مرضی کرنے کے بارے میں سوچتا ہے یا کرتا ہے تو دو ہی صورتوں میں ایسا کرے گا یا کرنے کے بارے میں سوچے گا ان میں پہلی صورت یہ ہوگی کہ جہاں کام بہتر طریقے سے ہوتا نظر آ رہا ہوتا ہے کہ اگر مالک کی غلامی کی بجائے اپنی مرضی سے اس کام کو کیا جائے تو زیادہ بہتر اور جلد ہوگا یا پھر دوسری صورت یہ ہے کہ وہاں اپنی مرضی کی جاتی ہے جہاں حالات ایسے بن جائیں کہ صبر کرنا پڑے یعنی سخت سے سخت حالات کا سامنا کرنا پڑے اور ان سختیوں کے ڈر یا ان کے دباؤ کی وجہ سے ملامتوں کے ڈر یا خوف کی وجہ سے اپنی مرضی کر کے ان سے بچا جاسکتا ہے۔

اب ظاہر ہے یہ دونوں طرح کے حالات جو کچھ بھی کھلم کھلا ہر طرف نظر آ رہا ہے اسی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اور یہی شیطان ہے۔ اس لیے جب بھی ہر رسول اور ہر نبی پر ایسے حالات آئے ایسا وقت آیا اور اس نے تمنا کی یعنی اپنی مرضی کرنے کے بارے میں سوچا تو شیطان نے القا کر دیا۔ مثلاً جہاں جن میں رسول یا نبی کی بعثت ہوئی وہاں ایک ایسا شخص نظر آتا ہے کہ اگر وہ اس دعوت کو تسلیم کر لے تو نہ صرف سختیوں کا دروازہ بند ہو جائے گا بلکہ اکثریت آسانی سے اس دعوت کو تسلیم کر لے گی آسانی سے یہ دعوت لوگوں تک پہنچ سکے گی کیونکہ وہ شخص مال و دولت، اثر و رسوخ یا کوئی اعلیٰ عہدہ و مرتبہ رکھتا ہے، لوگ اس سے ڈرتے ہیں یا پھر اس کی عزت کرتے ہیں تو رسول یا نبی دیکھتا ہے کہ اگر یہ شخص دعوت کو تسلیم کر لے تو بہت آسانی اور بہتری ہو جائے گی جس کے لیے رسول یا نبی اس پر محنت کرنے کے بارے میں سوچتا ہے حالانکہ وہ یہ بھول جاتا ہے کہ اللہ الغنی ہے اللہ اپنا کام خود کرتا ہے اللہ کسی کا محتاج نہیں اور نہ ہی وہ شخص خواہ وہ کتنا ہی با اثر کیوں نہ ہو اللہ سے کسی بھی لحاظ سے بڑھ کر ہو سکتا ہے۔

ایسے ہی اگر کوئی ایسا شخص، کوئی ادارہ، کوئی ریاست وغیرہ کچھ اپنی شرائط سامنے رکھتے ہوئے تعاون کی یقین دہانی کراتے ہیں کہ اگر ان کی شرائط کو مان لیا جائے تو وہ ہر لحاظ سے مدد کریں گے آپ کے مقصد و مشن میں تو ظاہر ہے دل و دماغ میں اس کو لیکر بہت کچھ آئے گا کہ اس سے بہتر اور آسانی سے پیغام پہنچایا جاسکتا ہے یہ ہے شیطان کا القا کرنا کیونکہ بظاہر تو ایسا بہت فائدہ مند نظر آ رہا ہوتا ہے بہت اچھا نظر آ رہا ہوتا ہے لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے حقیقت یہ ہوتی ہے کہ کیا اللہ کو نہیں علم تھا کہ اس طرح بھی اپنا پیغام پہنچایا جاسکتا ہے؟ جب اللہ کو علم تھا تو اس کے باوجود اگر اللہ نے اپنے رسول یا نبی کے لیے کسی ایسے کا انتخاب کیا جو بظاہر بہت کمزور اور غیر معروف ہے تو اس میں اللہ کی حکمت ہے اور اگر اللہ کی حکمت کو نظر انداز کرتے ہوئے ایسی حکمت عملیوں کے بارے میں سوچا جائے گا شارٹ کٹ کے بارے میں سوچا جائے گا تو یہ یقینی بات ہے کہ ایسا کرنا آپ کو آپ کے مقصد و مشن کو پورا کرنے میں رکاوٹ بن جائے گا آپ رستے سے ہٹ کر کہیں اور ہی چلے جائیں گے۔

اب جب ہر رسول اور ہر نبی کی زندگی میں ایسے وقت کا آنا لازم ہے کیونکہ ہر رسول اور ہر نبی بالآخر بشر ہوتا ہے یعنی وہ کھاتا پیتا ہے رزق کا استعمال کرتا ہے تو پھر ظاہر ہے جو رزق وہ استعمال کرے گا وہ رزق اس پر اثر انداز تو ہوگا ہی، اس کو وہ تمام تر حاجات، احساسات، جذبات و تقاضے لاحق ہوتے ہیں جو کسی بھی بشر کو لاحق ہیں اس لیے ایسے وقت کا آنا کوئی بڑی بات نہیں جب اللہ کا غلام بننے کے برعکس اپنی مرضی کرنے والے حالات بن جائیں لیکن بڑی بات تو یہ ہے کہ ایسے موقع پر اپنی مرضی کرنے کی بجائے اللہ ہی کی غلامی کی جائے یعنی صبر کیا جائے ان حالات کا ڈٹ کر سامنا کیا جائے، ان سختیوں سے گھبرانے کی بجائے ڈٹ جایا جائے اگر ڈٹنا نہیں تو پھر کیا دنیا میں صرف تم ہی ایک بشر تھے؟ کیا اور بشر نہیں ہیں؟ جب لاکھوں، کروڑوں، اربوں بشر موجود ہیں اور اگر وہی کرنا ہے جو ہر بشر ایسے حالات میں کرتا ہے ڈٹنے کی بجائے سمجھوتہ کر لیتا ہے تو پھر تمہارا ہی انتخاب کس لیے؟ رسول اور نبی صرف وہی بشر ہو سکتا ہے جو دوسروں کے لیے عملی نمونہ بن سکے نہ کہ وہ بھی دوسروں کی طرح حالات کا مقابلہ کرنے کی بجائے سختیوں سے ڈر کر اپنی من مانیاں اپنی مرضیاں کرنا شروع کر دے، ڈٹنے کی

بجائے گھبرا جائے۔

جب ہر اس بشر پر ایسے حالات آتے ہیں جو رسالت و نبوت کا دعویدار ہوتا تو رسول اور نبی وہی ہو سکتا ہے جو ظلم نہ کرے یعنی کمی نہ کرے وہ اپنی مرضی کی بجائے اللہ ہی کی غلامی کرے وہ ایسے حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرے وہ گھبرائے نہیں وہ اپنی مرضی پر اللہ کی غلامی کو ترجیح دے اگر وہ ایسا کرتا ہے تو پھر آگے اللہ کہتا ہے فَيَنسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ پس اللہ اسے ایسے مٹاتا رہتا ہے ایسے بھلاتا رہتا ہے اس کے دل و دماغ سے ایسے نکالتا رہتا ہے جیسے کہ اس کا کوئی وجود ہی نہیں تھا جو کچھ بھی القا کر رہا ہے شیطان۔

جب حالات ایسے بن جاتے ہیں تو بشر کے اپنے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ کسی بھی صورت ان حالات کی وجہ سے دل و دماغ میں آنے والے خیالات، تصورات اور باتوں کو روک سکے لیکن یہ اس کے اختیار میں ہے کہ وہ ان کو عمل میں لاتا ہے یا نہیں یعنی عمل کا اختیار اس کے پاس ہے تو جو رسول اور نبی حالات کی وجہ سے دل و دماغ میں آنے والی باتوں، خیالات و تصورات کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں ان حالات سے بچنے کے لیے اپنی منصوبہ بندیوں کی بجائے اللہ ہی کی غلامی کرتے ہیں تو ایسے کے دل و دماغ سے اللہ ساتھ ساتھ ایسی ملاوٹوں کو مٹاتا رہتا ہے گویا کہ ان باتوں کا ان خیالات کا کوئی وجود ہی نہیں تھا ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ پھر اللہ فیصلہ کن کر رہا ہے اس کی آیات یعنی جو بھی علم اس رسول یا نبی کو دیا جا رہا ہوتا ہے اس میں سے خالص اللہ کا علم کون سا ہے اور شیطان کی طرف سے القا کیا ہوا کون سا اس کا ساتھ ساتھ فیصلہ کیا جا رہا ہوتا ہے مطلب یہ کہ اللہ نے یہاں اپنے رسول اور نبی کی پہچان واضح کر دی کہ اللہ کا رسول یا نبی وہ ہے جو کوئی بات کرتا ہے تو کل کو جب اس پر واضح کر دیا جاتا ہے کہ اس میں سے فلاں بات ٹھیک نہیں تھی وہ شیطان کی طرف سے القا تھا حالات و واقعات کے اثر انداز ہونے سے وہ باتیں دل و دماغ میں آئی تھیں جو کہ حق کی بجائے شیطان کی طرف سے القا تھا تو وہ لوگوں کی ملامت کی پرواہ کیے بغیر ان پر واضح کر دیتا ہے کہ دیکھو فلاں جو بات کی تھی وہ اصل میں ویسے نہیں ایسے تھی یعنی وہ اللہ کی آیات کو فیصلہ کن کرتا جاتا ہے کیونکہ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ اور اللہ ہے علیم حکیم یعنی اگر پہلے رسول یا نبی نے کوئی بات کی اور بعد میں اس کے برعکس بات کر رہا ہے تو ایسا اس لیے ہے کیونکہ جیسے پہلی کلاس کے بچے کو دوسری یا تیسری کلاس کا سبق نہیں دیا جا سکتا بالکل اسی طرح آج جو بات کی جا رہی ہے جو کہ حق ہے یہ اُس وقت نہیں کی جا سکتی تھی جو اس وقت کی گئی اور اُس وقت والی بات کو آج نہیں کیا جا سکتا اِس مقام پر وہ حق نہیں ہے یعنی آج جو بات آپ پر واضح کی جا رہی ہے اگر یہی بات اُس وقت آپ پر واضح کی جاتی تو آپ متنفر ہو جاتے حق سے دور ہو جاتے کیونکہ اس وقت آپ کے عقائد و نظریات آپ کے لیے حق کو تسلیم کرنے میں رکاوٹ بن جاتے جیسے پہلی کلاس کا بچہ دوسری کلاس میں جا کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسے پہلی کلاس والا سبق ہی پڑھایا جائے اگر پہلی کلاس والا سبق دوسری میں نہیں پڑھایا جا سکتا تو وہ غلط ہے بالکل اسی طرح رسول اور نبی کسی بھی موضوع پر پہلے ایک بات کرتا ہے لیکن بعد میں جا کر اس کے برعکس کوئی دوسری بات کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب پہلے اس نے اس موضوع پر بات کی تو وہ حکمت تھی اگر آج جو بات کی جا رہی ہے وہ اُس وقت کی جاتی تو کوئی بھی اُس وقت اسے تسلیم نہ کرتا مگر آج جب آپ اس مقام پر پہنچ چکے جہاں پر آ کر آپ اس بات کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو آج آپ پر اصل بات واضح کر دی حق واضح کر دیا جو کہ آپ کے لیے تسلیم کرنا آسان ہو گیا۔

یہ ہوتا ہے اللہ کا رسول یا نبی اور جو لوگوں کی راہنمائی کا دعویدار ہوتا ہے لیکن جو اللہ کا رسول یا نبی نہیں بلکہ کذاب شیطان ہوتا ہے اس کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ نہ صرف وہ قدم قدم پر اپنی من مانیاں اپنی مرضیاں کرتا ہے حالات کا مقابلہ کرنے کی بجائے سمجھوتے کرتا ہے، ثابت قدمی کی بجائے آسانیوں کی طرف جاتا ہے، ڈگمگا جاتا ہے بلکہ وہ جو بھی بات کرتا ہے کل کو اگر اس پر ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح بھی کر دیا جاتا ہے کہ حق اس کے بالکل برعکس ہے تو وہ تہمتوں و ملامتوں کے خوف سے کہ اگر آج اس نے مان لیا کہ پہلے جو وہ کہہ رہا تھا وہ غلط ہے وہ باطل ہے حق وہ نہیں بلکہ آج جو کہہ رہا ہے یہ حق ہے اپنی انا کی خاطر تہمتوں و ملامتوں کے ڈر سے باطل پر ہی ڈٹا رہتا ہے اپنی غلط اور بے بنیاد بات کا دفاع کرنا شروع کر دیتا ہے حالانکہ اس پر یہ واضح ہو چکا ہوتا ہے کہ وہ باطل پر ہے۔

یعنی اللہ کا رسول اور اللہ کا نبی صرف اور صرف وہ ہے جو نہ صرف علیم بلکہ حکیم بھی ہوتا ہے علم کا استعمال انتہائی حکمت کیساتھ کرتا ہے مثلاً تھوڑا پیچھے چلے جائیں تو ہم نے خاتم النبیّن یا ختم نبوت کے موضوع پر وہ بات نہیں کی تھی جو آج کی جو آج سامنے لائے ہیں، اُس وقت ہم نے وہی کہا جو باقی کہتے آ رہے تھے لیکن آج اس کے بالکل برعکس کہہ رہے ہیں تو ایسا کیوں؟ ایسا اس لیے کہ اس وقت اصل مقصد ختم نبوت کا موضوع نہیں تھا اس وقت اصل مقصد علامات و اشراط الساعت کو کھول کھول کر رکھنا تھا لیکن اگر اُس وقت علامات و اشراط الساعت کی بجائے یا ان کے ساتھ ساتھ ختم نبوت پر بھی حق سامنے لے آیا جاتا تو شیاطین

کے ہاتھ میں ہمارے خلاف سازشوں کے لیے ہتھیار آ جاتا چونکہ اکثریت کی ختم نبوت کے نام پر ایسی ذہن سازی کی جا چکی ہے کہ کوئی بھی ہم پر اس فتوے کی وجہ سے ہماری بات نہ سنتا ہماری بات سننے ہماری دعوت کے قریب بھی نہ آتا۔

ہمیں ان کی سازشوں کا ڈر یا خوف نہیں تھا کیونکہ اگر ان کی سازشوں، تہمتوں وملامتوں کا خوف ہوتا تو ہم آج یہ بات کیوں کرتے جو اس وقت نہیں کی کیا آج ان کی تہمتوں، ملامتوں، سازشوں اور دشمنی کا دروازہ بند ہو گیا؟ نہیں بلکہ حکمہ یہ تھی کہ اگر اس وقت اس موضوع پر بات کی جاتی تو ان شیاطین کے ہاتھ لوگوں کو حق سے روکنے کے لیے ہتھیار آ جاتا جس کا استعمال کرتے ہوئے وہ لوگوں کو حق سے روک دیتے لوگوں کو کہتے کہ یہ ختم نبوت کے منکر ہیں یوں لوگ ان کی اس سازش کا شکار ہو کر حق سے محروم رہ جاتے اب جب کہ اُس وقت اگر ہم اس موضوع پر بات کرتے جو کہ اُس وقت اس کی ضرورت ہی نہیں تھی اور لوگ تنفر ہوتے تو اصل میں قصور کس کا؟ شیاطین کا کام ہی لوگوں کو روکنا ہے لیکن اگر ہم نے حکمت کو اختیار نہ کیا ہوتا تو ظاہر ہے اصل میں قصور تو ہمارا ہوتا اس لیے اُس وقت جو کتب تھا جو کرنا فرض تھا اُس وقت جو کرنے کا وقت تھا جو سامنے لانے کا وقت تھا اسے ہی سامنے لایا گیا اور ختم نبوت کے موضوع کو نہیں چھیڑا گیا جس کا فائدہ یہ ہوا کہ وہ لوگ جو اُس وقت اگر ختم نبوت پر بات کی جاتی تو سازشوں کا شکار ہو کر تنفر ہو جاتے اور حق کو سننے یا دیکھنے کے قریب بھی نہ جاتے اور آج حق کو پہچان کر جس مقام پر ہیں اس مقام پر نہ ہوتے۔ آج انہیں نہ صرف باقی حق کا علم ہو گیا ان پر حق بالکل کھل کر واضح ہو گیا بلکہ ختم نبوت کی حقیقت بھی ان پر کھل کر واضح ہو چکی اور اب دنیا کی کوئی طاقت انہیں اپنی سازشوں کا شکار نہیں کر سکتی۔

یہ وجہ ہوتی ہے کہ اللہ کا رسول یا نبی جب پہلے کوئی بات کرے اور بعد میں جا کر اس کے برعکس بات کرتا ہے تو اس میں حکمہ ہوتی ہے کیونکہ اللہ کا رسول یا نبی تو محض روبوٹ ہوتا ہے اصل میں تو اللہ اس کی صورت میں بول رہا ہوتا ہے اللہ راہنمائی کر رہا ہوتا ہے اور اللہ علیم حکیم ہے یعنی اللہ کو نہ صرف علم ہے بلکہ علم کا کب، کہاں، کتنا، کیوں اور کیسے استعمال کرنا ہے اللہ یہ بھی جانتا ہے۔ بشر رسول کو نہیں علم ہوتا کہ آج جو بات کی جا رہی ہے کل کو اس کے برعکس بات کی جائے گی اور یہی وجہ ہوتی ہے کہ اس کے لیے یہ امتحان ہوتا ہے کہ کل کو اس کے برعکس جب حق سامنے لایا جاتا ہے تو وہ کیا کرتا ہے آیا وہ لوگوں کی تہمتوں وملامتوں سے ڈر جاتا ہے خوف کا یا کسی بھی قسم کے دباؤ کا شکار ہو جاتا ہے یا پھر وہ صرف اور صرف وہی کرتا ہے جو اللہ اسے کہہ رہا ہے یعنی وہ مکمل طور پر اللہ ہی کی غلامی کرتا ہے۔

اور اس کے برعکس جو اللہ کا رسول یا نبی نہیں ہوتا وہ نہ صرف اپنی مرضیاں کرتا ہے بلکہ وہ جو بات ایک بار کرتا ہے بعد میں خواہ ہر لحاظ سے اس پر حق واضح کر دیا جائے اور اسے واضح یہ علم ہو جائے کہ جو بات اس نے کی وہ حق نہیں بلکہ باطل ہے تو وہ اسے تسلیم کرنے اور لوگوں پر پہلے کے برعکس حق واضح کرنے کی بجائے اپنی اسی باطل بات پر ڈٹ جاتا ہے الٹا اسے سچا ثابت کرنے کے لیے سر توڑ کوششیں کرتا ہے کیونکہ اسے لوگوں کی تہمتوں اور ملامتوں کا خوف ہوتا ہے کہ اگر آج جو کہہ رہے ہو یہ حق ہے تو پہلے اس کے برعکس بات کیوں کی تھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اللہ نے ایسا قانون کیوں بنا دیا کہ جو بھی رسول یا نبی ہو گا اس کی طرف اللہ کی طرف سے وحی کیساتھ ساتھ شیطان بھی القا کرتا رہے؟ جب رسول یا نبی کی بعثت کا مقصد انسانوں کی راہنمائی ہے تو پھر رسول یا نبی کیساتھ ایسا کرنے کی ضرورت کیا ہے کہ اس کو ہر معاملے میں ہر لمحے ایسے حالات سے دوچار کیا جاتا رہے؟ تو اس سوال کا جواب بھی اللہ نے اگلی ہی آیت میں دے دیا۔

لِّيَجۡعَلَ مَا يُلۡقِى الشَّيۡطٰنُ فِتۡنَةً لِّـلَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ وَّالۡقَاسِيَةِ قُلُوۡبُهُمۡ ۚ وَاِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ لَفِىۡ شِقَاقٍۢ بَعِيۡدٍ ۙ‏ الحج ۵۳

لِّيَجۡعَلَ اس لیے ایسا کر دیا گیا مَا يُلۡقِى الشَّيۡطٰنُ جو شیطان القا کر رہا ہے فِتۡنَةً فتنہ کر دیا یعنی امتحان بنا دیا لِّـلَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں مرض ہے یعنی جو خالص اللہ کے غلام نہیں بلکہ انہوں نے اگر اس ذمہ داری کا انتخاب کیا ہے تو اپنے کسی لالچ کی وجہ سے مال ودولت کا لالچ، عزت وشہرت سمیت کسی بھی قسم کے لالچ کی وجہ سے جنہوں نے اس ذمہ داری یعنی رسالت ونبوت کو اختیار کیا ہے لوگوں کی راہنمائی کے دعویدار بنتے ہیں اور ان لوگوں کے لیے فتنہ جو رسول یا نبی کی طرف سے حق ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو جانے کے باوجود بھی چاہتے ہیں کہ اس کی اطاعت واتباع نہ کریں جس کے لیے وہ کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کر رہے ہوتے ہیں کیونکہ ان کے دلوں میں مرض ہوتا ہے اگر وہ رسول یا نبی کی اطاعت واتباع کریں گے تو ان کی خواہشات کا قتل ہو گا جو کہ وہ نہیں چاہتے اور یوں وہ رسول یا نبی کے اس معاملے کی وجہ سے اس فتنے کا شکار ہو جاتے ہیں۔

فتنہ کہتے ہیں اصل کے مقابلے پرنقل کا سامنے آجانا جس سے اصل کی پہچان ناممکن حد تک مشکل ہو جائے اور ان دونوں میں سے اصل کیا ہے وہ سوائے مالک کے کسی کو علم نہیں۔

اللہ نے ایسا قانون اس لیے بنا دیا تا کہ وہ لوگ جو اللہ کے بھیجے ہوئے نہیں ہوتے مگر وہ رسول یا نبی ہونے کے دعویدار بن بیٹھتے ہیں ان کے لیے فتنہ یعنی امتحان بنا دیا جائے کہ حق کیساتھ ساتھ باطل جو شیطان کی طرف سے القاہور ہا ہوتا ہے جب وہ اللہ کے بھیجے ہوئے نہیں ہوتے بلکہ وہ کسی لالچ وغرض سے انسانوں کی راہنمائی کے دعویدار بن بیٹھتے ہیں تو وہ اصل اور نقل کی پہچان نہیں کر پاتے اور پھر نقل اتنی دلکش اور پرکشش ہوتی ہے کہ لوگ نہ چاہ کر بھی اس کی طرف کھینچے چلے جاتے ہیں اس لیے جو کذاب ہوتے ہیں جو اللہ کے بھیجے ہوئے نہیں ہوتے لیکن وہ خود کو اللہ کے بھیجے ہوئے سمجھ رہے ہوتے ہیں وہ اس فتنے کا شکار ہو جاتے ہیں وہ اصل کی بجائے جو شیطان القا کر رہا ہوتا ہے اسی کو عمل میں لاتے ہیں جب وہ ایسا کرتے ہیں تو ان کا معاملہ ایسا ہو جاتا ہے کہ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ اور ان کے قلوب اس قدر سخت ہو جاتے ہیں کہ کوئی شئے ان کے قلوب پر اثر نہیں کرتی یعنی ان میں اللہ کا کوئی ڈر خوف نہیں رہتا وہ جو بھی ان کے دل ودماغ میں آتا ہے اسے ہی حق کا نام دے کر کرتے رہتے ہیں خواہ اس سے کسی کا کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو جائے خواہ پوری کی پوری دنیا ہی تباہ کیوں نہ ہو جائے انہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ اور اس میں کچھ شک نہیں ظالمین یعنی ظلم کرنے والے، ظلم کہتے ہیں کمی کو، کمی کرنے والوں کے لیے ہے کہ وہ اللہ سے کٹ کر اتنے دور جا گرتے ہیں کہ ان کی واپسی کے تمام کے تمام رستے ہیں بند ہو جاتے ہیں وہ واپسی کے تمام رستوں سے کٹ جاتے ہیں۔

حالانکہ اس کے باوجود وہ خود کو اللہ کے نبی سمجھ رہے ہوتے ہیں لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے وہ مجرمین ہوتے ہیں اللہ کے شریک اللہ کے دشمن۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ نے یہ قانون اس لیے بنا دیا ہے کہ رسول اور نبی چونکہ باقی لوگوں کی طرح بشر ہی ہوتے ہیں تو وہ لوگ جو منافقین ہوتے ہیں جن کے قلوب میں مرض ہوتا ہے دنیاوی لالچ یا کسی بھی قسم کا لالچ ہوتا ہے جو خالص اللہ کے غلام نہیں ہوتے، اپنی خواہشات کی اتباع کو ترک نہیں کرنا چاہتے، جو حق ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو جانے کے باوجود بھی اپنے آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد ونظریات کو ترک نہیں کرنا چاہتے لیکن وہ رسول یا نبی کی طرف سے حق ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو جانے کی وجہ سے مجبور ہوتے ہیں اور رسول یا نبی کی تکذیب کا کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کر رہے ہوتے ہیں کہ انہیں کوئی نہ کوئی بہانہ مل جائے جسے بنیاد بنا کر وہ رسول یا نبی کو غلط کہہ سکیں اس کی تکذیب کر سکیں یوں انہیں اپنے باطل عقائد ونظریات کو ترک نہ کرنا پڑے، جو اللہ کے بھیجے ہوئے کی طرف سے حق ہر لحاظ سے کھل کھل کر واضح ہو جانے کے باوجود بھی اسے اللہ کا بھیجا ہوا تسلیم نہیں کرنا چاہتے لیکن وہ ماننے پر مجبور ہوتے ہیں حالانکہ وہ اسے اللہ کا بھیجا ہوا ماننا نہیں چاہتے تو وہ چاہتے ہیں کہ ان کے ہاتھ کوئی ایسی بات لگے جس سے وہ اس کا کفر کر سکیں جس سے وہ یہ کہہ سکیں کہ یہ اللہ کا بھیجا ہوا نہیں ہے کیونکہ جی اللہ کا بھیجا ہوا ایسا نہیں کر سکتا یا ایسا نہیں کہہ سکتا وہ ایسی باتوں کی وجہ سے رسولوں اور نبیوں کی تکذیب کر دیتے ہیں کیونکہ ان کے لیے یہ بات امتحان ہوتی ہے وہ سوچتے ہیں کہ یہ کیسے رسول ہو سکتا ہے پہلے اس نے ایک بات کی تھی آج اس کے بالکل برعکس ایک دوسری بات کر رہا ہے، یہ فلاں کام کر رہا ہے تو کیوں کر رہا ہے کیا کوئی رسول ایسا کام کر سکتا ہے یعنی انہوں نے اپنے ذہن میں رسولوں اور نبیوں کے بارے میں جو دیو مالائی خاکہ بنایا ہوا ہوتا ہے وہ اسی پر اسے پرکھتے ہیں وہ اسے ایک بشر تسلیم ہی نہیں کرنا چاہتے یوں بشری تقاضوں وغیرہ کو بنیاد بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایسا کوئی رسول یا نبی کیسے کر سکتا ہے؟ اس لیے یہ رسول نہیں یہ نبی نہیں ہو سکتا یوں جن کے دلوں میں مرض ہوتا ہے وہ اس فتنے کا شکار ہو کر حق سے کٹ کر اتنے دور جا گرتے ہیں کہ ان کے لیے واپسی کے تمام کے تمام رستے بند ہو جاتے ہیں اور وہ رسول یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے سے دشمنی بھی کرتے ہیں لیکن انہیں اس کا احساس تک نہیں ہوتا وہ کچھ بھی کریں سوچیں انہیں کوئی احساس تک نہیں ہوتا وہ بالکل نڈر ہو کر اللہ کیساتھ دشمنی کرتے ہیں اور الٹا یہی سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں جو بھی کر رہے ہیں ٹھیک کر رہے ہیں کیونکہ ان کے ایسا کرنے سے ان کے دل پتھر سے بھی سخت ہو چکے ہوتے ہیں۔

جب ایک بار وہ اللہ کے رسول کے خلاف کوئی اقدام کرتے ہیں تو انہیں اللہ کی طرف سے فوری طور پر کسی بدلے کا سامنا نہیں کرنا پڑتا جس سے وہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ اللہ کا بھیجا ہوا ہوتا یعنی یہ اللہ کا رسول ہوتا تو اللہ کبھی بھی رسول کے دشمنوں کو آزاد نہ چھوڑتا انہیں بدلہ دیئے بغیر نہ رہنے دیتا رسول کے ساتھ دشمنی نہ کرنے دیتا اور ہم نے جب اس کیساتھ ایسا کیا ہے اور اللہ نے ہم پر کوئی ایسا معاملہ نہیں کیا تو ظاہر ہے یہ رسول نہیں یہ تو کذاب ہے یوں وہ پھر دشمنی کرتے ہیں دوبارہ انہیں کچھ نہیں ہوتا تو وہ پھر کرتے ہیں یوں اس طرح اللہ ان کے دلوں کو اتنا سخت کر دیتا ہے ان کے دل اتنے سخت ہو جاتے ہیں کہ وہ مکمل طور پر اللہ کے دشمن بن

چکے ہوتے ہیں اور وہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ وہ تو اللہ کے چہیتے ہیں وہ تو بہت ہی اچھا کام کر رہے ہیں حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس یہ ہوتی ہے کہ وہ فتنے کا شکار ہو کر حق سے اتنے دور جا چکے ہوتے ہیں کہ ان کے لیے واپسی کے تمام تر رستے ہی بند ہو چکے ہوتے ہیں۔

ان دونوں آیات میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ان آیات میں مخاطب صرف محمد نہیں کیونکہ اللہ العزیز الحکیم ہے اور قرآن بھی الحکیم ہے اگر ان آیات میں مخاطب محمد ہوتا تو پھر آیت میں لفظ محمد کا استعمال ہونا لازم تھا تا کہ کوئی بھی اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو کہ یہاں اس سے یا پھر محمد کے علاوہ کسی سے خطاب کیا جا رہا ہے لیکن آپ کے سامنے ہے کہ اس میں وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ ہے نہ کہ وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِ محمد اگر قرآن میں یا اس آیت میں ''ک'' سے مراد محمد ہے تو پھر ایک ہی صورت میں یہاں ''ک'' سے مراد محمد ہو سکتا ہے جب پورے قرآن میں کہیں بھی محمد لفظ کا استعمال نہ کیا گیا ہو یعنی کہیں بھی محمد سے خطاب کے لیے اس کا نام استعمال نہ کیا گیا ہو کیونکہ اگر قرآن میں جہاں جہاں بھی ''ک'' کا استعمال کیا گیا وہاں خطاب محمد سے ہے تو پھر ظاہر ہے محمد لفظ کے استعمال کی ضرورت ہی نہیں رہتی اور اگر قرآن میں ''ک'' کے علاوہ لفظ ''محمد'' کا بھی استعمال کیا گیا ہے تو اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ جہاں لفظ ''محمد'' کا استعمال کیا گیا وہاں صرف اور صرف خطاب محمد سے ہے وہاں مذکور صرف اور صرف محمد ہے کوئی دوسرا نہیں، کہیں کوئی وہاں محمد کے علاوہ کسی دوسرے کو یا خود کو مخاطب نہ سمجھ لے اس لیے وہاں محمد لفظ کا استعمال کر دیا گیا اور جہاں ''ک'' کا استعمال کیا گیا تو اس کا مطلب بھی بالکل واضح ہے کہ اللہ اپنے رسول یا نبی سے خطاب کر رہا ہے۔ رسول اور نبی کے علاوہ کسی دوسرے کو علم ہو ہی نہیں سکتا کہ یہاں مخاطب کون ہے ہاں صرف اتنا علم واضح کر دیا گیا کہ ''ک'' سے مراد کوئی بھی رسول یا نبی ہے جسے اللہ کچھ نصیحت کر رہا ہے اس پر یہ واضح کر رہا ہے کہ اللہ کا رسول یا نبی کون ہوتا ہے اس لیے اگر تُو اس ذمہ داری کا دعویدار بن رہا ہے تو کیا تُو ان شرائط پر پورا اترتا ہے یا پھر تُو اس ذمہ داری کا حق دار نہیں تھا اہل نہیں تھا بلکہ تیرے دل میں مرض ہے تو اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے اپنے غرض و لالچ کے لیے اس ذمہ داری کا دعویدار بن رہا ہے اور اگر وہ واقعتاً اللہ کا رسول یا نبی ہے اور لوگ حق ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو جانے کے باوجود بھی دشمنی ہی کر رہے ہیں تو پھر ایسا کیوں ہو رہا ہے اس پر واضح کر دیا گیا کہ یہ فتنہ ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں مرض ہے۔

یوں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان آیات میں محمد کے علاوہ اس قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک آنے والے رسول اور نبیّن سے خطاب کیا جا رہا ہے۔ محمد کے بعد جب جب جس وقت میں جو جو نبی رسول موجود تھا اس سے خطاب تھا اور رسول نبی جو کہ خاتم النبیّن ہوتا ہے یعنی جب تک کہ اگلا رسول بعث نہیں کیا جاتا تب تک آنے والے نبیّن کے لیے فلٹر ہوتا ہے وہ اس امت اس قوم کے شروع میں محمد رسول اللہ تھا اور اس کے بعد جب دوبارہ لوگوں نے ضلالٍ مبینٍ یعنی ہر لحاظ سے سو فیصد گمراہیوں میں چلے جانا تھا تو ایک ہی رسول پیچھے رہ گیا جس کو بعث کیا جانا تھا اور وہ ہے اللہ کا رسول عیسیٰ جو محمد کے بعد اس امت اس قوم کے آخرین میں بعث کیا جانا تھا ان آیات میں اس سے یعنی اللہ اپنے رسول احمد عیسیٰ سے خطاب کر رہا ہے۔

اور یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ نے نبوت کا دروازہ بند نہیں کیا بلکہ یہ انہی شیاطین کا کام ہے جن کے قلوب میں مرض تھا اور ہے وہ کذاب جو انسانیت کی راہنمائی کے دعویدار بنے ہوئے تھے اور بنے ہوئے ہیں حالانکہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے نہیں ہیں جو زبان سے تو خود کو علماء کہتے اور کہلواتے ہیں لیکن اپنے عمل سے نبوت کے دعویدار ہیں نبی بنے ہوئے ہیں۔

پھر اگر یہ بات مان لی جائے کہ اللہ نے نبوت کا دروازہ محمد پر بند کر دیا تھا تو پھر ان آیات کو قرآن میں لانے کا مقصد کیا تھا؟ کیونکہ یہ آیات تو صرف اور صرف رسولوں اور نبیوں کے لیے ہیں نہ کہ رسولوں یا نبیوں کے علاوہ کسی ایک بھی بشر کے لیے؟ جب کوئی رسول آنا تھا ہی نہیں کوئی نبی آنا تھا ہی نہیں تو پھر قرآن میں ان آیات کو کیوں لایا گیا؟ قرآن میں یہ آیات بے مقصد و فضول ہو جاتی ہیں، ان آیات میں تو بالکل واضح ہے کہ رسولوں اور نبیوں کی کثیر تعداد نہ صرف جہنم میں جائے گی بلکہ اس وقت تک جہنم میں رہیں گے جب تک کہ جہنم کی اجل مسمیٰ نہیں آجاتی۔

جب محمد کے بعد کسی رسول اور نبی نے آنا ہی نہیں تھا تو پھر کیا قرآن میں یہ آیات محمد کی کردار کشی کے لیے اتاری گئی تھیں؟ کیونکہ اگر یہ بات مان لی جائے کہ محمد کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں اور ان آیات میں محمد سے خطاب کیا جا رہا ہے تو پھر ظاہر ہے یہ آیات تو کھلم کھلا محمد کی کردار کشی کر رہی ہیں محمد کے کردار کو مشکوک بنا رہی ہیں۔

اور انہی آیات کی بنیاد پر روایات جنہیں احادیث کا نام دے کر قرآن کیساتھ لازم وملزوم قرار دیا جاتا ہے ان کی حقیقت بھی چاک ہو جاتی ہے کہ محمد سے اس قرآن کے علاوہ جو کچھ بھی ملا وہ بعد والوں کے لیے راہنمائی کا ذریعہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اللہ نے خود یہ بات واضح کر دی کہ کوئی ایک بھی رسول یا نبی ایسا نہیں کہ جس کے ساتھ یہ نہ ہوتا رہا ہو اور نہ ہو کہ جب بھی اس نے تمنا کی تو شیطان نے القا نہ کیا ہو اور یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی بھی رسول یا نبی تمنا نہ کرے کیونکہ ہر رسول اور نبی بشر تھا اور کوئی بھی بشر چاہ کر بھی تمنا سے پاک نہیں ہو سکتا۔

قرآن کی ان آیات کے مطابق محمد نے بھی جب بھی تمنا کی تو شیطان نے القا کیا اور محمد نے اسے لوگوں کے سامنے بیان بھی کیا لیکن بعد میں جب اللہ نے اس پر واضح کر دیا کہ فلاں جو بات کی تھی وہ حق نہیں بلکہ حق اس کے برعکس یہ ہے تو محمد نے اللہ سے رجوع کیا اور ایسا نہیں پہلے محمد نے جو بات کی وہ محمد نے شیطان کی اطاعت واتباع کی جرم کیا نہیں بلکہ جیسے پیچھے بھی واضح کیا جا چکا کہ جیسے پہلی کلاس کا سبق دوسری کلاس میں یا اس کے بعد والی کلاسوں میں نہیں پڑھایا جا سکتا اور اس کا مطلب یہ نہیں بن جاتا کہ پہلی یا پچھلی کلاسوں میں جو پڑھایا جاتا رہا وہ غلط تھا بلکہ اگر اسے آج اس مقام پر رکھا جائے گا یعنی بعد والی کلاسوں میں اسے لایا جائے گا تو اس مقام پر وہ باطل ہے اپنے اصل مقام پر باطل نہیں بلکہ اپنے اصل مقام پر وہ حق ہے۔

بالکل اسی طرح پہلے محمد نے کوئی بات کی تو محمد اللہ کا غلام تھا اللہ العزیز الحکیم ہے اللہ کو علم ہے کہ کب کہاں کس موقع پر کیا بات کرنی ہے اس لیے پہلے جو کہا وہ اُس وقت کے لیے تھا بعد کے لیے نہیں بعد میں جب اس بات کی اصل حقیقت سامنے لانے کا وقت آیا تب پہلے کے برعکس حق سامنے لایا گیا۔ اس لیے روایات جن کو احادیث کا نام دیا جاتا ہے آپ کو ان میں تضادات ملیں گے کہ ایک ہی بات ایک موقع پر کہی تو کسی اور موقع پر اس کے بالکل برعکس کوئی اور بات کی، اب دونوں ہی روایات ہیں جنہیں احادیث کا نام دیا جاتا ہے اور پھر کہا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک غلط اور ایک صحیح ہے ایک محمد سے منسوب کی گئی ہے اور ایک محمد کے اپنے الفاظ ہیں حالانکہ دونوں ہی محمد کے الفاظ ہیں لیکن اپنے اپنے مقام پر وہ حق ہیں، ان کو ان کے مقام سے نہیں بدلا جا سکتا، اب کچھ روایات میں تو کچھ باتوں یا کچھ معاملات کے اس طرح کے تضادات سامنے آتے ہیں لیکن روایات کی کثیر تعداد میں صرف ایک ہی بات کو نقل کیا گیا اب یہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا کہ یہ شیطان کا القا تھا اور حکیم ہونے کے ناطے وقت کی ضرورت یا پھر یہی حق تھا؟ سوائے اللہ کے یعنی اللہ کے رسول کے علاوہ کوئی روایات میں حق کی نشاندہی نہیں کر سکتا اس لیے یہ روایات کسی بھی صورت راہنمائی کے قابل نہیں ہیں اور نہ ہی اللہ قرآن کے علاوہ ان روایات سے راہنمائی لینے کی اجازت دیتا ہے۔

آپ نے سورت الحج کی ان آیات میں جان لیا کہ نہ تو نبوت کا دروازہ اللہ نے بند کیا اور نہ ہی اللہ ان آیات کو قرآن میں لا کر محمد کی کردار کشی کر رہا ہے اور دنیا کی کوئی طاقت ان آیات کی موجودگی میں محمد کو آخری رسول یا نبی ثابت نہیں کر سکتی خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔

ان آیات کو بیّن کرنے یعنی بالکل کھول کھول کر ہر پہلو سے واضح کرنے کے ایک سے زائد مقاصد تھے جن میں ایک تو یہ کہ یہ آیات بالکل دوٹوک واضح کر دیتی ہیں کہ اللہ نے رسالت ونبوت کا دروازہ بند کیا ہی نہیں اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ آج ایک عقیدہ ونظریہ یہ بھی پایا جاتا ہے کہ نبی معصوم ہوتا ہے نبی کوئی بھی کچھ غلط کر ہی نہیں سکتا حالانکہ یہ آیات تو دوٹوک الفاظ میں اس بات کو واضح کر رہی ہیں کہ نبیوں کی ایک کثیر تعداد جہنم میں جائے گی نبیوں کی بھی ایک کثیر تعداد ایسی ہے جن کے دلوں میں مرض ہے جو ظالمین ہیں جو مجرمین ہیں جو اس وقت تک جہنم میں رہیں گے جب تک کہ جہنم کی بھی اجل نہیں آ جاتی۔ آپ نے خود جان لیا کہ ان آیات میں خطاب صرف اور صرف رسولوں اور نبیوں سے ہے اب آپ خود غور کریں اور فیصلہ کریں جب محمد کے بعد کوئی نبی اور رسول آنا ہی نہیں تھا اللہ نے دروازہ بند کر دیا تھا تو پھر ان آیات کو قرآن میں کیوں لایا گیا؟ اگر اللہ نے نبوت ورسالت کا دروازہ بند کر دیا تھا تو کسی بھی صورت ان آیات کو قرآن میں نہیں لایا جا سکتا تھا کیونکہ ان آیات میں خطاب صرف اور صرف رسولوں اور نبیوں سے ہے نہ کہ انسانوں سے۔

یہ آیات مشرکین کے عقائد ونظریات کو جڑوں سے اکھاڑ کر رکھ دیتی ہیں جو کہ ان آیات کے بیّن ہونے کی دیر تھی کہ مشرکین کے عقائد ونظریات کو جڑوں سے ہی اکھاڑ کر رکھ دیا یوں اس پہلو سے بھی ان کے عقیدہ ختم نبوت نامی بت کو پاش پاش کر دیا گیا اور دنیا کی کوئی طاقت حق کا نہ تو رد کر سکتی ہے، اسے غلط ثابت کر سکتی ہے اور نہ ہی کوئی چاہ کر بھی حق کا کفر کر سکتا ہے ایک ایک حق کو تسلیم کرے گا لیکن اکثریت اپنے آباؤاجداد آل فرعون سمیت ہلاک شدہ اقوام کی مثل حق کو تسلیم

کرے گی جب تسلیم کرنا نہ صرف مجبوری بن جائے گا بلکہ وہ تسلیم کرنا کچھ نفع نہیں دے گا۔ اس لیے آج تمہارے پاس نہ صرف وقت ہے بلکہ موقع ہے کہ حسد، بغض، ضد، انا پرستی اور ہٹ دھرمی کو لات مارتے ہوئے حق کو تسلیم کرلیا جائے اور اپنے ملاّؤں کے پیچھے اندھوں کی طرح چلنے کی بجائے حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے پر حق کو تسلیم کرلیا جائے نہ کہ محض ضد، حسد، بغض یا کسی بھی قسم کی انا پرستی و دشمنی کی وجہ سے حق کا کفر کرتے ہوئے دنیا و آخرت میں ہلاکت کا سودا کیا جائے اور بعد میں سوائے پچھتاوے کے کچھ نہ رہے۔ اور اگر کوئی حق اس قدر کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود بھی اندھے کا اندھا ہی رہتا ہے تو پھر جان لے کہ کل کو وہ چیخے گا، چلائے گا، حق کو تسلیم کرنے کی ضد کرے گا لیکن تب اس کے پاس سوائے پچھتاوے کے کچھ نہیں ہوگا۔

الکتاب

آیات بیّنات

جاء عیسیٰ بالبیّنات

حصہ چہارم

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ اَشْرَاطُهَا

احمد عیسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وخاتم النبیّن